

میشن آزادی سالگرہ
عیدِ منہم 2

پاکستان سوسائٹی

AUGUST
20

پاکستان سوسائٹی

ڈاٹ کام

WWW.PAKSOCIETY.COM

ماہانہ مہینہ گزشتہ

بیک اسٹوریٹری بازار

پاکستان سوسائٹی

سلسلے وار ناول

تیرے پار کی خوشیاں 174 قروش
تجھ مانگوں میں تجھ کو 10 شہزادہ مصطفیٰ

مکمل ناول

انسانیت

127	یاقوت الیاس	چاند رات کی چاندنی
128	فرزادہ حبیب	ان کے اہل بیتوں کے سنگ
129	جوڑے سے ہانوں	محبتِ خجک
150	ایمان علی	امتحان
152	ہینا تو ہے	ہینا تو ہے
180	دہلی	وطن کی مٹی گواہ رہنا
181	راجہ انیس	اور سب ٹھیک ہو جائے

ناولٹ

98 جنہیں رستے میں خبر ہوئی نایم ریاست
130 اترے چاند درپے میں نائیکہ طارق

اگست 2015ء
جلد نمبر 21 شمارہ نمبر 8
قیمت 60 روپے

زین الدین بھٹو ریاست
720 روپے



ایشور دایہ بڑھانے والے ہرگز کے حروف تہجی اور علامتوں میں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی قسم کی اشاعت ممنوع ہے۔
مقام شائع: 1129 ڈی بلاک 2۔ پی۔ پی۔ سی۔ ایچ۔ سوسائٹی، کراچی

انتباہ: اس سلسلے میں شائع ہونے والے ہرگز کے حروف تہجی اور علامتوں میں اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی قسم کی اشاعت ممنوع ہے۔
مقام شائع: 1129 ڈی بلاک 2۔ پی۔ پی۔ سی۔ ایچ۔ سوسائٹی، کراچی

پروفیسر لاہوری کی اینڈ فریمنگ پوائنٹس
 سرگودھا میں شہزادہ شاہنشاہ کی شہادت سے جو ہے
 انجمنوں کی خرید و فروخت کی چال ہے
 نمبر 13 صدر بازار برنی پور

مستقل سلسلے

۲۱۳	صالح محمود	۸	سندیے	۲۰۰	صالح محمود	ردائے جنت
۲۲۲	ثریا اقبال	۲۰۰	بکین	۲۱۰	صدف سعد	ردا کی ڈائری
۲۲۵	شہلا مشائق	۲۱۰	سگھار	۲۰۷	شہلا مشائق	ذرا پھر سے کہنا
۲۰۲	نورین ملک	۲۰۷	اشعار	۲۰۲	نورین ملک	خوشبو
۲۱۸	ادارہ	۲۰۲	دوستوں کے نام پیغام	ادارہ	نورین ملک	اس ماہ میں
۲۳۰	ادارہ	۱۹۷	گوشتِ چشم		ادارہ	عید سروے





کونسل

ماہ و سال پلٹ آئیے اور عیال کی دوشا ہر لمحہ جہاں بہت سارے اندیشوں نے مجھے گھیر رکھا تھا۔ جب کوئی لمحہ لکھ رہا جاتا ہے تو اندیشے کی عزم کو نہیں دیکھ سکتے۔ بس ایک ایسا ہی نام ایسا ہی شباب تھا جو آنکھوں سے دور ہے۔ کوئی مجھ کو باہر آنا تو ہمارے اندر دلی کھٹا س نے ہمارے دل و جان سے ہر لمحہ کھیل رہے ہیں اور دہشت کی ایک دبا زور دہشتی شکل میں مجھے نظر آ رہا اور جو فلٹن میں پڑھی تھی اس فلٹن کی سمت ٹوکھڑے ہو گئے۔ ہمارے فہم میں اپنی برکت و آگہی تھی اور یہ عزم نہیں تھا کہ وقت ملا تھا جب میں احتیاجی کام لکھتی تھی، گوشت آگئی تھی، ہم سے جہاں میں انسانی ہلاکتوں کو روکنا نہ دیر ہوگی، آگے کی اور جب میں نے دیکھا کہ قانون کی بالادستی قائم کرنے والے مسلمانوں کی بیخبروں کی طرح اردو بنے ہیں، اس احساس اور اس سوچ نے ہمارے اس سفر کو نانا آسان بنا دیا کہ رفت و نوز گما کیوں احساسات کی نہیں مرتے انسان کے احساسات آخری لمحے تک باقی رہتے ہیں۔ یہ میری سوچ کا وہی بل کہ انھوں گھر و گھر میں پڑھا جانے والا انگریز ایک جملہ کہ خود کشی جہنم کی آگ ہے اور اس آگ سے بچنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ خود کشی نہ کی جائے۔ کیا یہی تکلیف دہ مبادل میں رہتے ہوئے بھی اس سوچ کو غالب نہ ہونے دیا جائے۔ میرے جدان کا نانا ہوا ایک لفظ ہمارے فہم کو جھٹک کر مبادل بنا دیا۔ میں اس عزم کے ساتھ تھی ابھی اور جی رہی ہوں کہ ہم کچھ نہ سیکھی پھر بھی سانس لیتے ہیں فرض کی اور ابھی زور کی کا فرض، دہلی ہے اور فرض چکانے کا ذریعہ میں نے یوں سمجھا کہ روانے ہر رائٹر کی سوچ بدل دی کہ خود کشی حرام ہے اور کا کٹھن کا ذریعہ کیا آیا ہوا ہر رائٹر خواہ اور وہاں نہیں لکھ رہا ہو کہ سبھی آپ کو اپنے فہم سے اس موضوع کو نہیں چھیڑنا ہے اور یوں میں نے ہر بات کا اہم بدل دیا، نہ جانے کہاں کہاں اور کتنے رائٹرز جو آئے جنہوں نے شمولیت حاصل کی یا جو جا چکے ہیں ان سب کے ذہنوں پر میری بات نقش ہو گئی۔ زندگی کے اس سفر میں جب میں نے روانے کا آغاز کیا تھا تو اس رات میں بہت تھکا تھی مگر میری کہانیوں کا ہجوم شہر میرے ساتھ تھا اور ہماری کہانیوں کے درکار جو ہر لمحہ مجھ سے ملے تھے ہمارے ساتھ تھے تاہم اور راستوں کا سفر ہمیں آج بھی یاد ہے۔ آغاز دشوار ضرور ہوتا ہے لیکن عزم اتنا کمزور نہیں ہونا اور آج ہی سنانے میں جہاں میں نے بھی تھا اس سفر کا آغاز کیا تھا تو آج ہمارے کردار ہی نہیں اس شہر اس معاشرے کے ہر دروازے آئے ہوئے لکھے ہوئے دو سارے درکار ہمارے ارد گرد نظر آ رہے ہیں، شب بینت وہی ہے، روز کی کا وہاں سامنے ہے اور اس کی روشنی یہ جتنی ہی چل رہی ہے، سفر دشوار ضرور تھا مگر جس طرح سے قارئین! آپ نے پذیرائی کی اور آج تک ملک کے گوشے گوشے میں پڑھا جانے والا سب سے مقبول ڈائجسٹ ہے، ہماری سوچ ہمارے احساسات اور گہری ایک سکول میں بھی اتر گئے تو میں سمجھوں گی کہ میں نے اپنے ذہن دار بننے کا حق ادا کر دیا ہے۔ خود کشی حرام ہے میرے آغاز سفر کا یہی ایک نقطہ تھا جس نے مجھے آپ کے سامنے لا کھڑا کیا۔ میرا عہد بقیہ تھا کہ آپ سب کو ساتھ لے کر چلوں گی اور سب سے یہ اہم بات کہ دروہک رائٹرز جنہوں نے نہ صرف ہم سے تعاون کیا بلکہ ہمارے ساتھ ساتھ آج تک چل رہے ہیں اور ان کی بلوٹ محبت، ان کے فہم کی چھٹی ان کے احساسات کی ہم آہنگی ہمارے فہم کا دوسرا انگس ہے۔ ہماری بیٹی ہم آہنگی اور ہماری سوچ نے روا کو بے حد

جس کی اصلاح اور ترقی کے لیے اس نے اپنی تمام دولتیں وقف کر دی ہیں۔
 ساؤتھ اسیا اور جنوبی ایشیا کی ترقی کے لیے اس نے اپنی تمام دولتیں وقف کر دی ہیں۔
 سنے اور پرانے لوگوں کی خدمت کے لیے اس نے اپنی تمام دولتیں وقف کر دی ہیں۔
 دو ماہ نومبر 13 ص ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳

مقبول بنا دیا اور وہ لوگ جو آغاز سفر میں میرے ساتھ تھے اور جن کی پردہ کوٹ نے روا کی بیس کو انٹرنیشنل بنا دیا وہ بہت سادے اور سب لوگ ہیں جو ہمیں آج بھی یاد ہیں۔ نام لیتا ضرور دینی نہیں ہے مگر ان لوگوں کو آج بھی میرے احساسات میرے عزم کی دو کہانی! اسے دہراؤ آج بھی کہتے ہیں جو آپ نے کہا تیرا وہ کہہ لیا۔ اللہ جب چاہتا ہے تاہم کو وہ ممکن بنا دیتا ہے۔ بس جب پلٹ کر پیچھے دیکھیں تو سچی سچی فرسٹ فرسٹ کی سب ہم عصر مسافروں کو دکھ کر کہہ دینگے کہ اللہ کی کاہنہ ہے کہ پاؤں پھاڑ کر سوائے اور بچے گئے لیکن میرا اور انہیں ہمارے اوصاف کے دو چہرا تھیں۔ نئے جنہوں نے مجھے جکتوں سے بچھڑنے نہیں دیا بلکہ خوشبوؤں سے ان مٹی سے مجھے ہم فہم کر دیا۔ انٹرنیشنل کا سفر، جکتوں کے رنگ اور پھر میرے دل نے مجھے میری اوقات سے زیادہ یاد دلا دیا، اب میں اپنی راز راز سے غفارت و رحمت کے درمیان زندگی کا اپنی سفر گزار رہی ہوں کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی فرصت نہیں رہنی۔ بس ایک عزم میرے کہ وہاں کے ذریعے اپنے احساسات اپنی جکتوں کو بانٹ دینا ہے۔ کل کے فیشن اور آج کے فیشن میں، میں نے ایک نیا نیا بند لٹی دیا ہے، نئے لکھنے والوں کو میں نے انٹرنیشنل بنا دیا ہے کہ وہ ایک باوا آپ بچہ کر دیکھیں ہر جگہ کہ مجھے لکھنے کا جنون تھا اور آج بھی ہے مگر میں نے خود کو دیکھا کہ میں نے اس کو سچی فرسٹ فرسٹ کہا اور تمام مصنفین اور قارئین جو مجھے جانتے ہیں کہ میں ایک سینئر رائٹر ہوں ان کا یہ سوال باا، بار بار اسے لکھا۔ میں خود کہیں نہیں لکھتی۔ 20 سال کی ان مسافروں میں مجھے ایک پل کی فرصت نہ تھی کہ میں اسے بچھڑے ہوئے اس شہر پر آج بھی لکھتی جو مجھے زمانہ طالب علمی سے گھیرے رکھتے تھے۔ ان نارسائی کے دکھوں سے میں آنکھیں نہ ملا سکتی تھی فرصت میں لکھنے کے لیے دل کو دیراں کرنے سے لیکن نہیں معطوم کہ پھر کون سا عزم میرا مجھے بھر باہر لے کر آیا ہے اور میرا ایک ناول آپ کی جکتوں اور میرے حیرت انگیز اور پردا کی ذہنت میں دہا ہے۔ یہ جکتوں کے احساس اور ہمارے اندر دلی جذبات کی کہانی ہے۔ جس میں ہمیں کھینچنا ہے کہ کوئی رنگ ہے نہ غموں کا کوئی چہرہ آپ کے سوالوں کے جواب میں، میں کیا کہوں کہ دکھ ایک قدر ہے، دوسرے کے سینہ دیکھ کر گرنے والا، کہ کسی کا بھی ہو، شہر کی دات میں خوش رنگ گلابوں میں گرنے والی یونٹ کا چہرہ کہیں شو ہو کہیں نہیں ہو سکتا، یہ سبھی جکتوں اور دکھوں کے چہرے ہیں نہ جانے کیوں میں آج بہت سچی سچی ہوں شاید اسی لیے اوادے کی آخری کاٹنی دہنی ہے جو بہت اہم اور ہمارے احساسات پر انحصار رکھتی ہے ان تمام فکروں میں میری حیات میرے دل ان کے ساتھ ہے، ایک اترتے ہیں، اس وقت بھی میں شہر پر آج بھی کے درمیان میں لکھنے کے لیے کیوں اپنی کہانی لکھ رہی ہوں، رنگ یہ نہ ہم نہیں تیرا بڑی سا لکھنے والوں کا دل لاکھوں انسانوں کی عزم سفر کی دو داستانیں ہیں، لیکن انہیں ہے آج نئی نئی میں عکس تصویر بن رہے ہیں۔

”آئینہ لاؤ کہ ہم عزم سفر کی تصویر دیکھیں گے“

تو قارئین اور نئے عزم کے ان انسانوں کو جو ہم سبز پلائی پریم نئے منانے ہیں اس کو نام دیکھنے کا عزم ضرور دیکھیے گا کہ ہر بندھی میں ایک دعا عزم کی تصویر بھی ضرور ہوتی ہے۔ یہ میرا ایمان اور یقین بھی ہے ضرور سے محبت کیجیے۔ زندگی بھل ہو جائے گی، بس اس دوا کی ساگر پر پیر پیر پیغام بہت ہے پھر اسے آغاز عزم کو یاد دیکھیے گا، سچی کا سفر بہت طویل ہوتا ہے اور اس سفر میں نہیں دوا کے ساتھ چلنا ہے ساگر، نہ پیر پیر پیغام، ۱۹ مئی بغداد اور تریف میں مندی سے لکھنا نہ بھولے گا۔ دوا آپ کا ہے نئے لکھنے والے پھر ایک نئے عزم کے ساتھ ہمارے ساتھ کریں ہم انہیں سونے ضرور دوسرے۔

آپی

نوٹ: ہمارے نئے اس ماہ نائلہ طارق اور فاطمہ خان کے ناول کی اشاعت شامل نہ ہو سکیں۔ انشاء اللہ

ادبے

مرنے والا (4) پیٹ کی بیماری میں مرنے والا (5) کسی چیز کے بچے دب کر مرنے والا (6) آپ میں جل کر مرنے والا (7) بچہ جتنے وقت فوت ہوئے وہی موت۔"
(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ سے زیادہ آزمائشوں سے دو چار ہو گئے۔
دائے کون کون لوگ ہیں؟ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **أَنْفِئُوا نَفْسَهُنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ**۔ ان کے بعد فضیلت والے لوگ ہیں جو منافقت، فضیلت لوگوں میں سے ہر آدمی کو اس کے ایمان کے لحاظ سے آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اگر وہ فریاد (کے امور) میں سخت (پابند) ہے تو اس کے لیے آسان بھی سخت ہے اور اگر وہ دین کے (امور) میں کھلے ہوئے ہے تو اس کے لیے آزمائش بھی معمولی ہے۔ اسی طرح وہ آزمائش میں مبتلا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ گناہوں سے پاک ہو کر زمین پر چلنے پھرنے لگتا ہے۔"

(ترمذی، ابن ماجہ، ابن سعد)
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ اپنے (نیک) بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے (اس کے گناہوں کی) سزا دنیا میں ہی دے دیتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنے (گناہگار) بندہ کے ساتھ برائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے گناہوں کی سزا کو اس سے دور رکھتے ہیں یہاں تک کہ قیامت کے دن اسے اس کے گناہوں کا بدلہ ملے گا۔" (ترمذی، ابن اسحاق) ✽

مرضی کی بیماری پر ہی ابوداؤد نے فرمایا کہ تو اب کا بیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو مسلمان کسی مسلمان کی صبح کے وقت بیمار پری کرتا ہے اس کے حق میں شام تک 70 ہزار فرشتے استغفار کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کے وقت بیمار پری کرتا ہے تو صبح تک اس کے حق میں فرشتے استغفار کرتے رہتے ہیں اور جنت میں اس کے لیے باغ (تیار کر دیا جاتا) ہے۔"
(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو مسلمان کسی مسلمان کی بیمار پری کرتا ہے اور 7 بار یہ دعا پڑھتا ہے:
أَسْأَلُ اللَّهَ الْعَظِيمَ زُبَّ الْمَغْرِبِ الْعَظِيمِ
أَنْ يُغْفِرَ لَكَ

(ترجمہ) "میں اللہ عظیمت والے سے سوال کرتا ہوں جو عرش عظیم کا رب ہے کہ وہ آپ کو شفا عطا فرمائے۔" اگر اس کی موت کا وقت سنا پہنچا ہے تو اس میں کو شفا حاصل ہو جاتی ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن سعد)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب بیمار پری کے لیے جاؤ تو بیمار کے پاس یہ دعا پڑھو:
اللَّهُمَّ اغْفِرْ عَثْمًا

(ترجمہ) "اے اللہ! اپنے بندہ کو شفا عطا فرمائیے۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن سعد)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جانے والے شہید کے علاوہ شہادت کی موت 7 قسم کی ہوتی ہے۔ (1) طاعون سے مرنے والا (2) پانی میں ڈوب کر مرنے والا (3) پہلو کے درد میں

تیرو کی اسیر مری اور بڑا فریڈم سٹک اپوائنٹ
 سائنس سٹیمپ، بڑا سائنس کے دولت کو جو ہے
 ہے اور پروڈکشن سٹیمپ کے وقت کی کتابی ہے
 دہن پر دہن اور دہن پر دہن

Freedom to Live Freely

READING
 FREEDOM
<http://www.reading.com>

540911_email_freedom@yahoo.com

92-3001-23300

توہ ہے مانگ کر میں بھوک

اتنی جلدی دن تمام ہو رہی تھی کہ وہ بھی نہیں چل رہا تھا۔ سر میں تیکم فراخ کی بڑی پیلے کے پٹا اور گئی ہوئی قمیص۔ فراخ کا کمرہ اس کے دو دروازے تھے۔ ادھر وہ گھبرائی گھبرائی پھر رہی تھی۔ اس کا نام ہی کے دن



تمام ہو گئے تھے اور پھر ساری ذمے داری نسرین اس کے سپرد کر کے چلی گئی تھیں۔ ابھی وہ ماہیوں نہیں بیچی
 تھی۔ اکیلی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ بیانا، نازیہ بھابی، اور حباب یہ سب دو تین چکر لگا کے گئی تھیں۔
 ”بھابی کو بھی پتہ نہیں کیوں اتنی کجی کی عادت ہے یہ نہیں ہوا کہ پہلے فریج کی ہی کڑتھیں تمہاری بعد
 میں ہو جاتی۔“ رفعت کو خود حسنیٰ کے رخصت ہونے کی وجہ سے اداسی ہو رہی تھی۔
 ”مصیبت کو اگر کالا جائے تو وہ مصیبت نہیں رہتی بلکہ بلا بنا جاتی ہے اور شادی ایک مصیبت اور بلا
 ہے ابھی ہو یا بعد میں ہوئی تو ہے۔“ وہ بہت تپتا ہوئی تھی۔
 ”تمہاری بھی مجھے کچھ نہیں آتی آخر چاہتی کیا ہو؟“ رفعت جیسے کھسیا گئی تھیں۔
 ”مما! میری مرضی تو کبھی چلی ہی نہیں ہے، میں کیا چاہتی ہوں۔“ وہ بہت روہاٹی ہو رہی تھی۔ وہ تو بچپن
 سے رفعت اور نسرین کے اشاروں پر چلتی آ رہی تھی اور آئندہ کی زندگی میں شوہر کے اشاروں پر چلتا تھا۔
 ”تم لگتا ہے اس شادی سے خوش نہیں ہو؟“



”مما! جب بات اتنی آگے بڑھ گئی ہو، پھر اپنی کوئی سوچ اور کچھ نہ رہی ہو تو خوش ہونا لفظ جانے کیوں بے معنی لگتا ہے۔“ وہ اتنی گہرائی سے بات کر رہی تھی کہ رفعت نے اچھی سے اسے بخور دیکھا اس کے چہرے پر انہیں دیرانگی اور اداسی لگ رہی تھی۔

”حسنی! تم اب بھی انکار کر سکتی ہو، پھر نکاح ہی تو ہوا ہے کون سا رخصتی ہو گئی ہے۔“ وہ ہر طرح سے اسے بدگمان بن کر ناچا رہی تھیں۔

اس نے چونک کے رفعت کو دیکھا ایک یہ تھیں جنہوں نے ماں بن کے پالا اور ایک وہ ماں جس نے اسے جنم دیا وہ تو درگاہِ خداوندی کے درمیان نہیں رہی تھی۔ اس کی ماں کو فکر تھی وہ اپنے گھر کی ہو جائے اور یہ ماں جانتی ہیں وہ گھر میں ہی رہے۔

”آپ کیا نہیں چاہتی ہیں کہ میری شادی ہو۔“ اس نے الٹا ہی سوال کر ڈالا۔
 ”سن..... نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ رخصت کچھ گڑبڑ ہی نہیں۔ انہیں ایسا لگا حسنی کئے ان کے چہرے اور آنکھوں کی چٹائی پڑھ لی ہو۔

”مما! اب نکاح ہو چکا ہے۔“
 ”تم تو زبھی سکتی ہو۔“ وہ جیسے خوش ہو گئیں۔
 ”حسنی! کچھ تو رہی ہوئی۔“
 ”فرض کریں میں نے تو زبھی دیا تو کیا گارنٹی ہے کہ میری شادی ہوگی اور اچھی جگہ ہو۔“ وہ رفعت کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

”تمہیں شادی کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، اپنی مرضی کی زندگی گزارو۔“
 ”مما! آپ کہہ رہی ہیں اگر امی نے سن لیا تو بہت بڑا طوفان آجائے گا۔“
 ”بھائی! کو تو طوفان ہی چائے آتے ہیں۔“ وہ بھی زچ ہو گئی تھیں۔
 ”مجھے ذرا اپنے جانا ہوگا۔ مزاج بھائی کے روم میں سیٹنگ دیکھنی تھی۔“ وہ انہیں یہ کہہ کر چلی گئی۔
 رفعت کے اندر تو بے گلی ہی کچھ تھی مگر حسنی کی بھی فکر ہو رہی تھی۔

☆.....☆

وہ بڑی اہم کر کے عتیق احمد کے روم میں آئی تھی۔ وہ اپنے بندے پر بیٹھے سگریٹ نوشی فرما رہے تھے۔ اس نے دروازے پر دستک دی تو عتیق احمد نے چونک کر دیکھا اور سگریٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایس ٹرے میں صل دیا۔

”آ جاؤ وہاں کیوں کھڑی ہو۔“ وہ نوین کی باتوں میں الجھے ہوئے تھے۔
 ”ماموں! کچھ کر رہے تھے مطلب آپ بڑی تو نہیں تھے۔“ اس نے ذرا مسکرا کر ان سے پوچھا۔
 عتیق احمد نے اسے دیکھا جو ان کے سامنے بڑی چیز پر بیٹھی تھی اور کچھ گھبراہٹی رہی تھی۔
 ”ہاں بولو کیا بات کرتی ہے۔“ وہ جیسے بہت دن سے تیار تھے۔ تھینا تو نوین بھی ان سے بات ضرور کرے گی۔

”ماموں! آپ کی کیا مانی سے کوئی لڑائی چل رہی ہے؟“
 اس غیر متوقع سوال پر چونک گئے۔
 ”وہ ماموں میں اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ آپ یہاں اکیلے کمرے میں پڑے رہتے ہیں۔ گھر کے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

کام کرتے ہیں۔ مجھے ذرا اچھا نہیں لگتا۔ کبھی آپ نے یہ سوچا ہے کہ آپ یہاں کیوں رہنے لگے۔ میری بات کا غلط مطلب نہیں لیجئے گا کہ مجھے آپ کا یہاں رہنا برا لگ رہا ہے۔ آپ کی بہن کا گھر ہے۔ میں کون ہوتی ہوں یہ سب بولنے والی۔ مگر ماموں میں صرف آپ سے اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ مجھے آپ اور عورے سے لگتے ہیں۔ آپ کے ماشاء اللہ جوان چار بیٹے ہیں۔ آپ کا دل نہیں کرنا کہ ان کے پاس رہیں۔ اب تو آپ کی بہو بھی آگئی ہے۔“

”بیٹا! تم یہ سب باتیں کیوں کر رہی ہو۔“ شعیق احمد کا سر جھکا ہوا تھا۔

”ماموں! میں آپ کو صرف یہ کہنا چاہتی ہوں آپ جو ان بیٹوں کے باپ ہیں۔ آپ کا اپنا گھر ہے۔ یہاں آپ کی وہ عزت قدر نہیں ہے جو آپ کی آپ کے گھر میں ہوگی۔ اسی تو آپ کو کبھی سمجھائی نہیں ہے۔ وہ آپس بدلے لینا چاہتی ہیں۔ ماما بہت اچھی ہیں۔ آپ ان کی قدر کریں۔“ وہ آہستہ لہجے میں انہیں سمجھاتی جا رہی تھی۔

”اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ گھر واپس جائیں گے تو آپ کی کوئی عزت نہیں کرے گا۔ ایسا بالکل ٹھیک ہے آپ انہیں اور اپنے آپ کو نا کردہ گناہوں کی سزا دے رہے ہیں۔“ وہ بولتی جا رہی تھی اسے ڈر ہی لگ رہا تھا۔ راشدہ کو جب پتا چلے گا تو وہ اسے کتنا سنائیں گی۔

شعیق احمد کی سچوں کو وہ سزا دے چکی تھی۔ انہوں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ یہاں بہن کے گھر میں پڑے رہنے سے ان کی حیثیت ایک ملازم کی سی ہی تھی جو باہر کے کام کو وہ کرتے تھے بہوئی انہیں تو منہ ہی نہیں لگاتے تھے وہ رات بھر ڈی جا بھوسی تو بولتے ہی نہیں تھے کیسے ضرمان کی شادی پر انہیں چھایا تھا اور شادی میں جانے ہی نہیں دیا تھا اور حدودہ چٹائی تھی۔

”ماموں! مجھے غلط نہیں لگنے گا آپ کو نہیں لگتا کچھ تو غلط ہو رہا ہے۔ آپ سے یا پھر ہم سب سے۔“ قدریہ تو وقف کے کے بعد گویا ہوتی اور پھر وہ کبھی ہوتی۔ وہ شعیق احمد کو سوچنے پر مجبور کرنے پر کامیاب ہو گئی تھی۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا۔ شعیق احمد کو ان کے گھر پہنچانے کے لیے اور پھر اس کے بعد راشدہ اور شعیق احمد کو راہ راست پر لانا تھا جو کسی کا گھر پر باؤ کرنے میں ایسی ہی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں۔



اسے ایک عقول اعلیٰ ملی تو کبھی بھی مردہ مطلق نہیں تھا کیوں کہ جو مرد داری خوشنما نے اٹھائی ہوئی تھی وہ کوئی نہیں لگا تھا۔ آج کل وہ اپنا کلیت بھی فرسند کر رہا تھا مگر گھر میں کسی کو بھی نہیں بتایا تھا خوشنما سے بھی ذکر نہیں کیا تھا۔

وہ سب پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ کاروان اس کا کب سے خنجر کھڑا تھا۔ ہوشم نے اسے دیکھ بھی لیا تھا۔ ”ہوشم! راتم نے تو مجھ سے بات کرنا ہی بند کر دیا ہے۔“ اس نے لہجے چوڑے ڈھنگ سے ہوشم کو مخاطب کیا جو بلیک ڈریس پینٹ پر آنے والی شہرت میں دلکش لگ رہا تھا۔

”میں نے سوچا کہ میری وجہ سے لوگوں کو پریشانی ہوئی ہے اس لیے اپنا راستہ ہی الگ کر لوں۔“ وہ اٹھنے لگا۔ ہال کمرے میں وہ سب پر بات کرنے کے لیے بیٹھا تھا لیکن کلیت کی ڈیکوریشن ہو رہی تھی۔ وہ کسی کو بھی نہیں بتانا چاہ رہا تھا مگر قاروان کے چہرے سے لگ رہا تھا اس نے ساری گفتگو بغور سنی ہے۔

”تم میری بات کر رہے ہو یا امی کی۔“ وہ ڈائریکٹ بولا۔

”عقل مند ہو سمجھ گئے۔“ وہ چھکی مسکراہٹ لیے استہزائیہ ہو گیا۔

”بوشم! تم ایسے تو بالکل نہیں تھے۔ تم کب سے بڑوں کا برا ماننے لگے؟“

”ٹھیک کہا میں ایسا بالکل نہیں تھا مگر میرے بڑے بھی ایسے نہیں تھے۔“ اس نے بھی ترکی بہ ترکی طنز

ہی کیا۔
وہ زہت ماما کے طنز کو بھولتا تھا۔ کیسے اسے منہ پر سنایا تھا جب نانا جان نے ناران کے نکاح کی بات کی تھی۔

”یار تم اور میں کزن ہونے کے باوجود دوست بھی ہیں۔“

”میں سب جانتا ہوں، سمجھتا ہوں مگر میں نے جان لیا اور سمجھ لیا ہے اپنے صرف ماں باپ ہی جوتے ہیں۔ میں بچپن سے کتنی بڑی غلطی میں رہا۔ ان بڑے ناموں چھوٹے ناموں ماما ہی سب میرے ماں باپ ہیں۔ میں نے بھی ماں باپ کی کی محسوس ہی نہیں کی۔ مجھے مجھوں کروانی تھی اور یہ بھی کہ میں چائیکس کیا کرتا پھرتا ہوں میرے کردار تک کو مشکوک بنا دیا۔“ وہ آہستہ بول رہا تھا مگر ناران کا شرمندگی اور دعا مت کی وجہ سے سر جھک گیا تھا۔

”امی کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے وہ ایسی باتیں پتہ نہیں کیوں کرنے لگی ہیں

”حیرانگی ہے تم نہیں سمجھے چلو اچھا ہے جو تم نکلیں گے۔“ وہ بھر پڑا۔

”میں سمجھتا نہیں۔“ وہ واقعی نکلیں سمجھتا تھا۔

”اچھا ہے جو نکلیں گے مگر میری ایک بات یاد رکھنا۔ تم ہمیشہ اپنے برادر والوں میں سے ہی لانا میری طرح نڈل نکالیں میں نہیں چھنسا جانا، خواہ خواہ ماما کو پھر پکلیں ہوگا۔“ وہ نہ چاہے ہوئے ہی ناران سے رخ اور ہنسیہ ہاتھ کر رہا تھا۔

”میں ان باتوں کو نہیں مانتا۔“ وہ جھٹ پٹی میں گویا ہوا۔

”تمہارے نہ ماننے سے کیا ہوگا ماما جو چاہیں گی وہ ہی کریں گی۔“ وہ جانے لگا۔

”یار لاشم! تم مجھ سے تو ایسی بات نہیں کرو میرے ردیے میں تم نے بھی بدلاؤ دیکھا جو تم مجھ سے بھی ناراض ہو۔“

”میں تم سے کیا ناراض ہوں گا مجھ سے تو شاید میرے اور والدین ناراض ہے جو سارے رشتے چھین لیے۔ میں سے اپنا سمجھوں۔“ خوشنما سے دیکھنے کے لیے ہی آ رہی تھی جو کافی دیر سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ آنس سے آنے کے بعد وہ اپنے روم میں آیا ضرور تھا مگر دروازے سے نکالنے وہ پریشان بھی ہو گئی۔

”تم ایسی مایوسی کی باتیں کیوں کر رہے ہو؟“

”کیوں کہ مجھے مجبور کیا گیا ہے۔ ایسی باتیں کرنے کے لیے۔ میں نے تو کبھی کسی بات کی پروا ہی نہیں کی تھی کیوں کہ میری فکر کرنے والے میرے اپنے موجود ہیں مگر صرف چند لمحوں میں مجھے خیر کروایا گیا۔“ خوشنما ہا ہر گھڑی سب من رہی تھی۔ اس کے منہ سے ایسی سنجیدہ اور افسردہ باتیں سن کے وہ حیران بھی ہو رہی تھی۔

”تمہارے سارے اپنے ہی ہیں۔ بس تم نے ہی ہم سب کو پرایا کروایا ہے۔“ ناران کو اس پر بہت زیادہ ترس آ رہا تھا جو ایسا مفہوم اور مایوسی لگ رہا تھا۔

”میں نے نہیں تم سب نے پرایا کیا ہے۔“ وہ پھر کانٹیں چلا چلا گیا۔ وہ بشم کے اچانک باہر نکلنے پر گڑبڑا گئی۔

”خیر بت تم ادھر کھڑی کیا کر رہی ہو؟“

”وہ کچھ نہیں میں تو آپ کو دیکھنے آئی تھی کہ آفس تو نہیں چلے گئے۔“ اس سے بات بھی تو نہیں بن رہی تھی۔

”کہو تو چلا جاؤں تمہیں پریشانی ہے کوئی۔“ وہ الٹا مسکرا کے طنز کرنے لگا۔

”مجھے کیا پریشانی ہو گی۔“ وہ لمبے لمبے قدم بڑھانی اندر کی طرف بڑھ گئی۔ بشم نے ریڈ کپڑوں میں لمبوس اسے جاتے دکھا۔

☆.....☆

”پھر پھر بھی پورے دن لگا کے ہی آتی ہیں۔“ شہر یار نے کہا۔

”فرج کی دہن ہے پیاری۔“ نازیہ نے تعریفی کلمات ادا کیے۔ رات ہی وہ سب مل کے آئے تھے۔

”دو دنوں بعد بڑے لوگوں کو لے کر مسجد یہ کورخصت کرانے لے آئی تھیں۔“

”دیسے پھر پھر بھی بڑی تیز ہیں۔ ایک میں دو کالج کیے ہیں۔“ بیٹانے ہنس کے کہا۔

”نارے! چیز کیسا ہے دیکھا تم لوگوں نے۔“ حسین بیگم تو اسی کی پڑی تھی۔

”اماں! عجز کیسا بھی ہو کون سا ہمیں فائدہ ہے۔“ شہر یار کو اپنی ماں کا یوں روایتی عورتوں کی طرح مادی

چیزوں پر تہرہ اور قہر کا ناکوار گزرتا تھا۔ آج سب حسنیٰ کی مہندی کے جانے کی تیاریوں میں لگے تھے

حسنیٰ کا جینز اور فرنیچر اچھی تک دیکھا آیا تھا۔ لکڑھی تو حسین بیگم کو تھی۔

”پھر بھی دیکھیں تو بھائی کے منی کو جینز کیسا دیا ہے۔“ وہ پانچران سے پانچ بتانے میں مصروف تھیں۔

”ارے اماں! جیسا بھی دیا ہو آپ کو اس سے کیا ہے؟“

”تو تو چپ کر ہر کام تو اپنی مرضی سے کرنا ہے۔ تو تو یہی کہو اس کرے گا۔“ انہوں نے شہر یار کو

ڈاٹھ دیا۔

”ظاہر ہے شادی مہری ہے تو اپنی مرضی سے ہی کر دوں گا۔“ وہ ناشتہ کر کے اٹھا۔

”بیٹا! اپنی اہلیہ سے نہیں آ رہی۔“

”آج کہہ رہی تھی کہ وہ بٹانے آئے گی۔“ وہ بتانے لگیں۔ بچے بھی ناشتے سے فارغ ہوئے تو نازیہ نے

سرخوان سیٹھ دیا۔

”آپ حساب کا خیال رکھا کریں۔ میں نے نوٹ کیا ہے شادی کے بعد سے خاموش ہو گئی ہے۔“

شہر یار کو اس کی بہت لکڑھی اس نے اعزازہ بھی گولیاں کھا اور حسنیٰ نے جو کچھ بتایا تھا اس سے واضح تھا وہ

عمران کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں ہوئی تھی۔

”اس نے اپنی ایسی اچانک سے شادی کا بہت اثر لیا ہے۔ پھر اس کی ساس کے سسرال والے بھی کم

میں ہیں۔ کچھ کے لگانے میں۔“ وہ بتانے لگیں۔

”یہ تو خیر عورتوں کی بات ہے میں کیا بول سکتا ہوں ہاں مگر اسے اتنا کھڑا کھنچائیں کہ اپنے شوہر کو خوش

کے۔ سارے لوگ جائیں بھاڑ میں۔“ وہ بولا۔

”ارے کیا اسی طرح باتوں میں لگے رہو گے نازیہ تم ساری چیزیں دیکھ لو کچھ رہ تو نہیں گیا بری کے سامان میں۔“ حسین بیگم کو پھر یکدم یاد آیا۔
 ”بھائی آپ آجائیں ہم لوگ دیکھ لیتے ہیں۔ برتن اردو دھوئے گی۔“ انہوں نے اردو کو اشلہ سے اٹھنے کو کہا۔

بری وغیرہ جلدی سے اپنے جانی تھی کیوں کہ شہر کے حالات کی وجہ سے سب ہی محتاط ہو گئے تھے۔
 ”ماں سونے کا سینہ نہیں ملے کے جارہی ہیں۔“ چنا کو یاد آیا۔

”ارے چپ کر میں زید جلد میں خودے دوں گی منہ دکھائی میں۔“ وہ بڑی چالاکی سے چیلری کو پچانا چاہ رہی تھی کیوں کہ جب تک وہ نہیں دیکھ لیتی کہ کون کون سے سرین اور رفعت حسنی کو سونے میں کیا رہے ہیں۔
 ”آپ شہریار کو جانتی ہیں وہ غصہ کر لے گا۔“

وہ سب ہی تیار کھڑی تھیں۔ جناب بھی آگے تھی۔ زید جوڑے میں سوچے کی کلیاں چوٹی تھیں لگائی ہوئی تھیں۔ آج بہت پیاری لگ رہی تھی جناب پر ضرر ان کی تھی مسلسل تھیں۔

”بہت حسین اور خوب صورت لگ رہی ہو۔“ کان نہیں کھوشی ہوئی تو وہ ہاتھوں میں سوچے کے تھکن چڑھا رہی تھی اتنی منہبھی کہ اطراف کی آوازیں لگتا تھا اسے ساری تھکن دے رہی تھی۔
 ”میں نے کہا کہاں ہو، سنو۔“

”جی۔“ اب سرکوشی بالکل کان کے قریب ہوئی تو وہ اچھل گئی لیکن ہاتھ سے کان لگا کر کہا۔
 ”اف..... ڈرا دیا۔“ یلوغزارہ سوٹ میں وہ ملگوتی حسن لیے اتنی دلکش اور پیاری لگ رہی تھی کہ ضرر ان کی نگاہیں اس میں الجھ گئیں۔

”لاؤ میں یہ تادوں۔“
 ”نہیں رہنے ویں زیادہ اور لگ رہا ہے زید اتنی مائی نے دے دیئے تھے۔“ وہ پہلے ہی اس شانزہی بقول اس کے یہ لنگن اور لگیں گے۔

”ہیکن لو بہت خوب صورت لگ رہے ہیں لنگن۔“ ضرر ان نے جان بوجھ کے لنگن کو کہا۔
 جناب نے چونک کے اس کی مسکرائی نگاہوں میں دیکھا۔ وہ جب بھی اسے غور سے دیکھتا تھا ہمیشہ آنکھوں میں محبت و پیار کی قدیمیں روشن رہتی تھیں۔ سبھی وہ اس سے ایسے ٹھہرے بات نہیں کرتا تھا کہ وہ اس سے بے زار ہے۔ شادی کے آٹھ نو ماہ کے عرصے میں ضرر ان کی محبت میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا اور جناب میں وہ بدگمان ہی ہو رہی تھی۔ صرف اس کی وجہ تو شہنشاہی۔ وہ ان دونوں کے درمیان وراڑ ڈالنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔

”انہیں پہنوں بہت پیارے لگتے ہیں تمہارے ہاتھ۔“ وہ مسکرایا۔

جناب چونک گئی۔ اسی وقت اکرام ماسوں کے اشعر کی اتنی ہوئی تو وہ جھینپ گئی۔

”ضرر ان انگل! آپ کو چاچو ہار ہے ہیں۔“

”اوہ میں تو بھول گیا شہر پار کی کال آئی تھی مجھے ہار ہا تھا۔“ وہ سر پر ہاتھ مار کے بولا۔

جناب نے اسے پستی کلر کے ٹیش سلوار میں ملبوس کھرا کھرا دیکھا۔

”ارے بھی جلدی جائیں گے تو جلدی آئیں گے۔“ حسین بیگم بھی سونے کے زیورات پہننے کے حسیب

ترین بنی ہوئی تھیں۔
"ارے لڑکیوں کب نکلو گی؟"

"آرے ہیں بانی اماں۔" اوردہ بھی کچھ سامان کے سٹارز لے کے چلی آئی تھی۔
چند ہی منٹوں میں خوشی رنگوں سے سجایے قافلہ سرین کے گھر روانہ ہو گیا تھا۔ ضمیران اور حباب ایک ہی گاڑی میں تھے۔ شہر یار بھی ساتھ ہی جا رہا تھا۔ انیس ڈراب کرنے اکرام شہر یار کی گاڑی میں بیٹھے حسین بیگم نے چند خاص خاص نوگوں کو ہی بلایا تھا حباب کی سانس کو بھی لیا تھا۔ وہ بھی آگئی تھیں۔
اودھر حسنی پلے غرارے میں ٹیلیوں کی طرح دمک رہی تھی۔ خراج کی بیوی سہد یہ بھی ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ دلہن ہی بنی ہوئی تھی خاصی پرکشش گوری چنی لڑکی تھی۔ حسنی کی رخصتی پر ان کا دلیرہ نما مگر سہد یہ گھر کے کاموں میں بھی لگی ہوئی تھی۔ وہ دلہن کے لباس میں بھی دوڑتی بھاگتی کام کر رہی تھی۔

☆.....☆

رات ڈنر کے بعد اشعر اس کے پاس آ گیا تھا۔ دونوں کو باتوں میں کافی دیر ہو گئی تھی۔ چشم کو لڈ ریک غمرہ کے لیے خوشنما سے کہنے آیا تھا۔
"میں جیو بوتل بھیجنا گا سوں میں ڈال کے نہیں دیتا۔" وہ اسے ساتھ ہی ہدایت بھی دے رہا تھا۔
وہ شگ کپڑوں میں ملبوس کچن میں کھڑی نرے ترتیب دے رہی تھی۔

اسی وقت زہرت مای بھی کچن میں آ گئیں۔ وہ دونوں ہی ایک سائیڈ پر ہو گئے۔ البتہ زہرت ان سے فکاہ نہیں ملا رہی تھی۔
"تم بھی آ جانا۔" وہ پیش کن کے سامنے فرینک انداز کا ہانڈ دیتا تھا۔ تاکہ زہرت ان دونوں کی ان

من سے کچھ بھی اخذ کر کے نظر میں پائے نہ رہیں۔
"وہ مجھے عشاء کی نماز پڑھتی ہے۔" اس نے آہستگی سے عذر پیش کیا۔
"مسلم دد جا کر کے چلی جانا وہ کچھ نہیں پوچھ رہا تھا اور شاید کچھ ضروری بات بھی کرنی ہے۔" اس نے

زہرت کی موجودگی کو اگور کر کے خوشنما سے بتایا۔
زہرت کے دل پر جانے کیوں آرے چلے گئے۔ سب جی وہ ان دونوں کو ساتھ دیکھتی تھیں انہوں نے ہمیشہ کبھی بچھا اور سوچا تھا بابا جان جو ہم اور بیگم کی شادی کریں گے مگر انہوں نے تو کچھ اور ہی کر دیا تھا۔
خوشنما اشعر کی شکل میں ساتھ ہی چل دی۔ زہرت کو تجسس بھی ہوا کہ اشعر آخر خوشنما سے کیا ضروری بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ بھی کچھ دیر میں ڈرائنگ روم کے باہر کھڑی ہو گئیں۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بڑے بڑے دبیز پردے پڑے تھے۔ ان کی ہمت نہیں تھی کہ آگے بڑھ کے کچھ سہیں۔

"انی کیا بات ہے آپ وہاں کھینچ کر کھڑی ہیں؟" فاران کو ریڈور سے گزر رہا تھا انہیں یوں کھڑا

خامسوں دیکھ کر حیران بھی ہوا۔
"وہ آں ہاں کچھ نہیں۔" وہ گڑبوا گئیں۔

"اعمر کیا کوئی آیا ہوا ہے۔" وہ اللتان سے سوال کرنے لگی۔
"ہیہ نہیں۔" وہ آگے بڑھ گئیں۔

فاران نے خود ہی آگے بڑھ کے اعمر جھانک کے دیکھنے کی کوشش کی۔

"اوہ..... اشعر آیا ہے۔" وہ رک گیا۔

"مگر امی! اس طرح کیوں ابھر جھانک رہی تھیں۔" فاران کو تشویش بھی ہو رہی تھی اگر ہشتم اور خوشنما ہی اچانک سے باہر آجاتے تو کتنی شرمندگی کی بات ہوتی۔

فاران سے رکنا نہیں گیا وہ ان سے باز پرس کرنے چلا گیا تھا۔

"مجھے نماز پڑھنی ہے۔" وہ کھڑی ہوئی۔

"بھائی! آپ سے جو کام کہا ہے اس پر عمل کریں گی۔" اشعر کا لہجہ برا اس لیے ہوئے تھا۔

"اشعر بھائی! مجھے پہلے اس بات سے بات کرنی ہوگی۔ میں پہلے سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔" خوشنما کے لیے

یہ حیران کن جھٹکا تھا۔ اس نے تو کبھی اشعر بھی نہیں کیا تھا۔

"یار! تم ہی کچھ میری سفارش کرنا۔" اشعر نے ہشتم سے معصوم صورت بنا کے کہا تھا۔

"اوکے..... اوکے۔" وہ مسکرایا۔

خوشنما چلی گئی تھی۔ دونوں پھر باتوں میں لگ گئے۔

"یار فاران کی بہن جو ہم بھی بری نہیں ہے۔ تم اسے دیکھا کہ لو ایک نظر پھر ہی کوئی فیصلہ کرتا۔" ہشتم

چاہتا تھا کہ جو ہم سے ہو جائے تاکہ نہ بہت مامی کا سوڈا ہی ہو جائے۔ اشعر ایک قائل بزنس میں تھا۔

خود رو تکبر اس میں نام کو نہیں تھا۔

"یار! سوری میں نے صرف ایک لڑکی کو ہی دیکھا وہی مجھے اچھی لگی۔" اشعر نے کہا کہ کوئی ارادہ نہیں تھا

مگر امی نے اپنی ایسی قسم دی کہ مجھے پھر ماننا پڑا مگر لڑکی؟ میں نے کہا آپ کی پسند کی لڑکی سے کروں گا مگر

امی نے کہا کہ تم اپنی پسند سے کرو جب کہ اس پر بھائی کا تجربہ اور حال میں بھولنا نہیں ہوتا۔

"جب تک انسان خود کچھ نہیں چاہے تو کچھ نہیں ہو سکتا۔" اس نے اشعر کی جانب دیکھا۔

"یار! امیر اول ڈر بھی رہا ہے، کیوں کہ میں نے پکارا وہ باہر جا ہوا تھا کہ کبھی بھی شادی نہیں کروں گا۔"

وہ گہری سوچ میں ڈوب کے گویا ہوا۔

"بھئی! یار! یہ تجربہ بھی کرنے بہت مزے کی لائف ہوتی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"گلتا سے لفٹ کرا دی ہے بھائی نے۔" اشعر نے معنی فیزی سے اسے مسکرا کے چھیڑا۔

"فضول بچو اس مت کرو۔" وہ جھینپ گیا۔

دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے پھر اشعر کو وقت کا احساس ہوا تو وہ اٹھ گیا۔

ہشتم بھی اٹھ کے کمرے میں جانے لگا۔ کافی تھکا ہوا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھولا تو کمرے میں امیر

تھا۔ تانٹ بلب آن تھا اور وہ شاید سوئی ہوئی۔

آج تو پوری جگہ گھبرے لگنی ہوئی تھی۔ نماز کا وہ پند بند کے اسٹائل میں لیا ہوا تھا صلح اس کے دائیں

طرف پڑی تھی۔ شاید پڑھتے پڑھتے اسے خیز آئی تھی۔

وہ دواں روم میں پہنچ کر نے چلا گیا۔

"کاش یہ لڑکی مجھے ایسے حالات میں نہ ملی ہوتی۔" وہ پہنچ کر کے آ گیا تھا۔

خوشنما اور لڑکیوں سے بہت تعلق اور سادہ تھی۔ اسی طرح اس کے گھر والے بھی تھے۔ مگر اس نے ابھی

تک اسے معاف نہیں کیا تھا۔

کیا اسی طرح وہ بچے بہار کو ترستار ہے گا۔ اسے آج تک کوئی نہیں سمجھ سکا تھا مگر یہ اس کے اپنے ان کا دکھ تو اسے بھولی ہی نہیں رہا تھا۔ نزہت ماما کی نگاہوں میں خوشنما کے لیے طنز اور نصیحت ہی نظر آتی تھی۔ وہ اتنی مفرد اور تکبر والی کیوں تھیں۔

وہ بیڈ پر جگہ بنا کے اس کے اتنے قریب لیٹ گیا کہ دونوں کے بازو مل رہے تھے۔ وہ اسے بخورد کچھ رو تھا۔ خوشنما کے چہرے پر بناوٹ اور مکاری ڈرا نہیں تھی۔ وہ اول روز کی طرح آج بھی ایسی ہی تھی خود دار۔

اسے کتنا عرصہ غماؤں کی بھی کسی لڑکی کا سیر نہیں ہو گا مگر جب اوپر والے کی مرضی ہوگی تو بندہ کچھ نہیں کر سکتا اسے۔ خوشنما کی کہ جس سے اس کی شادی ہوئی تھی اسی لڑکی سے محبت بھی ہوگئی۔

خوشنما نے کروٹ لی تو اس کا ہاتھ ڈشمن کی ناک سے ٹک گیا۔ اس نے بمشکل ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھا وہ اس کے اتنے قریب تھی۔ تسبیح اس نے اٹھائی اور اٹھنے لگی۔ ڈشمن نے شاید اس کا ارادہ بھانپ لیا تھا۔ اس کی کلائی پکڑ لی وہ اس کے سینے پر ہی آ کے گری۔

”کیا بد تمیزی ہے چھوڑیے۔“ سانس تیز تیز چلنے لگا۔ ابھی تک دونوں کی اجنبیت کی دیوار نہیں گری تھی۔

”یہاں بیوی کی ایسی بے تکلفی کو بد تمیزی کب سے کہنے لگے۔“ اسے خوشنما کی وجود کی لرزہ اٹھ محسوس ہو رہی تھی۔

”پلیز چھوڑو۔“ اس نے منہ پھیرا ہوا تھا مگر وہ ڈشمن کے لہجے کی شوخی کو سمجھتی تھی۔

”اچھا یہ بات ہے چلو آؤں۔“ تکلفی کی ابتداء کر دیتے ہیں، پھر تمہیں اچھی بھی لگنے لگے گی۔“ وہ معنی خیزی سے شوخ ہو گیا۔

”شٹ اپ۔“ زبردستی خود کو پکڑنا کرنا ہے جیسا کہ اس کے سینے بھی ہاتھوں سے پھونٹنے لگے۔

”میں تمہارے شٹ اپ کے رعب میں آج آئے والا نہیں ہوں میں اگر جو رکھا ہوا ہوں تو صرف اس وجہ سے کہ زبردستی کا قائل نہیں ہوں لیکن اگر تم نے مجھے زیادہ ٹھٹکایا تو پھر میں غلط نہیں کروں گا۔“ وہ اس کے کان میں ہر کوشش کے انداز میں بول رہا تھا۔ خوشنما نے اب تسبیح لے لیے تھے۔ وہ اتنی جلدی اس کے آگے

کر رہی تھی کہ وہ کہہ کر لہجہ مری تھی اور ڈشمن کو ایسے بھی بھی مساف نہیں کرنا چاہتی تھی۔

”چھوڑیے مجھے ہاؤں اور تمنا ہے۔“ اس نے جان چھڑانے کے لیے یہی مناسب سمجھا۔

”تسبیح میں جانا ہے یا تمنا ہے؟“ اس نے اس کا پورا وجود اپنے حصار میں لے لیا۔ وہ تو کرنٹ کھاسے رہ گئی۔ آج سے پہلے ڈشمن نے اتنی بے تکلفی بھی نہیں کی تھی۔

”چھوڑو۔“ وہ چیخی۔

ڈشمن قہقہہ لگاتے دوڑ ہو گیا۔ وہ دوپٹہ کھول کر اتر بیٹھی۔ نماز کے بعد وہ ایسے ہی لیٹ گئی تھی۔ تسبیح دراز میں رکھی اور واش روم میں گھس گئی۔ دل کی دھڑکنوں سے شوکر دیا تھا۔

☆

حسی کا دل اتنا گھبرا ہوا تھا اس سے کچھ کھایا یا پیا بھی نہیں جا رہا تھا۔ وہ صبحان میں صرف ایک دن تھا آج

اس کا جھنڈ وغیرہ بھی جا رہا تھا۔ رخصت بار بار اس سے کہے جا رہی تھیں سوٹ کس میں لاک لگا دے مگر وہ تو روئے جا رہی تھی۔

”ارے حسنیٰ! بیٹا لاک تو کر دو تمہیں پتا ہے تمہارے اتنے اچھے اور قیمتی سوٹ اور چیزیں! ادھر ادھر ہو گئیں تو تم بعد میں پریشان ہوتی رہنا۔“ رخصت اس کے پاس چلی آئیں۔

وہ لہنی ہوئی تھی۔ ذہن اس کا بہت منتشر اور پریشان تھا۔ شہریار نے بھی اس دوران بات کرنا بند کر دی تھی اس نے شکر ادا کیا تھا۔ مگر اسے یہ بھی پریشانی تھی پتا نہیں بعد میں اس کا کیا رول نکلتا ہے۔

”حسنیٰ بیٹا! میں تم سے کچھ کہ رہی ہوں۔“

”اوہو ماما! آپ تو مجھے سزا پر مانتی ہیں۔“ وہ جھنجھلا گئی۔

”رخصت پھوپھو..... رخصت پھوپھو! سجد یہ کی آواز پر دونوں عی چونک گئیں۔ شادی والا گھر تھا مگر لگ نہیں رہا تھا۔ کوئی رشتے وار وغیرہ ایسے نہیں تھے جو کہتے۔ سجد یہ کہے مگر والے بھی اس کے پاس گئے مگر رکے ہوئے تھے۔ یہاں تو جگہ نہیں تھی کہ وہ دیکھ کر کہے کہ سب کو چلے جانا تھا۔

”سجد یہ! آگئی ہے اچھا ہے وہی تمہارے کام کر کے گیا۔“ رخصت جیسے بری الذمہ ہو گئی تھیں۔

”حسنیٰ سو رہی ہو ابھی تک کیا؟“ وہ سکرانی ہوئی اس کے پیٹھ پر بیٹھ گئی انگریزی شیٹوں جا رخت کے کپڑوں میں بلبوس لائٹ میک اپ میں سجد یہ بہت عیاری لگ رہی تھی۔

”پوری رات تو ویسے ہی نہیں سوئی ہے۔ وہ سب عی رات کو ہی اور کچھ مئے تھے۔“ رخصت نے گویا تفصیل بتائی۔

”ہاں رات حزمہ بھی بہت آ رہا تھا۔“ وہ بولی۔

”میں اس سے کہہ رہی تھی۔ اپنے سوٹ کس چیک کر کے لاک لگا دے کیوں کہ سارا سماں آج ہی جائے گا۔“

”چلیں میں کچھ چیک کر لوں گی مچے پھوپھو نے تو سارا سماں پیک کر کے رکھا ہوا ہے فراخ انہیں لکے تو جلدی بیچ دیں گی۔“ اس نے خرید تفصیل سے بتایا۔

حسنیٰ تو ایسے لٹی ہوئی تھی جیسے ان دونوں کے درمیان موجود ہی نہیں ہو۔

سجد یہ نے زبردستی اسے اٹھایا اور اس کی ساری چیزوں کو سینٹا شروع کر دیا۔ سجد یہ دو دن کی دلہن تھی مگر اس نے اور لڑکیوں کی طرح ذرا خڑے نہیں دکھائے اور ولیمہ ہوئے بغیر ذمہ داریاں اٹھانا شروع کر دی تھیں۔ نسرین نے ذرا بھی مروت میں نہیں کہا کہ وہ رہنے دے نسرین کو تو ایک مگر سنبھالنے والی چاہیے تھی جو مگر کی ذمہ داریاں اٹھائے اور خود روز انداز اپنے رشتے داروں کے وزٹ پر روانہ ہو جائیں۔

”سجد یہ! بس کرو بیٹا آرام کرو تمہاری شادی کو بھی کون سا زیادہ دن ہوئے ہیں۔“ رخصت نے کہا۔

”ارے پھوپھو آرام کر کے کرنا کیا ہے جب ساری زندگی جی کام کرنے ہیں چند دن آرام کر کے کوئی فائدہ نہیں۔“ حسنیٰ کو ایسا لگا وہ طنز کر رہی ہے۔ کیوں کہ راسی نے بھی تو اسے کام میں لگا دیا تھا اور ابھی مروت نہیں برت رہی تھیں پتا نہیں وہ اتنی خود غرض کیوں تھیں۔

”کیوں، کیا تم سے بھابھی نے کچھ کہا ہے۔“ رخصت جیسے سمجھ گئی تھیں وہ نسرین کی عادت سے بھی واقف تھیں وہ اتنی روٹی اور بے مروت بھی تھیں۔

”نہیں وہ میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔“ سعدیہ گڑبڑا بھی گئی۔
 مگر حسنی اپنی ماں کو جانتی تھی وہ بھی سعدیہ کی تعریف تو کرتی نہیں تھیں چاہے وہ گھر میں کھوہو کا نکل بن کے کام کرے۔

”سعدیہ میں تمہاری باتوں کا مفہوم سمجھ گئی ہوں۔“
 ”حسنی تم تو پاگل ہو گئی ہو۔ میں نے تو دیسے ہی ایک بات کہہ دی تھی۔ پھر پھو اکیلی سب کیسے کریں گی۔ میرا فرض ہے کہ ان کا ہاتھ بٹاؤں۔“ اس نے سکرا کے سہولت سے بات بنا دی۔ رفعت تو خوب جانتی تھیں نسرین کیسی ناشکری اور بے مروت عورت ہیں۔ دوسروں کو سزا پہنا تو وہ جانتی ہی نہیں تھیں۔
 ”بھائی کو تو کرانی چاہیے تھی وہ مل گئی انہیں۔“ رفعت نے سوچا بکر منہ سے نہیں کہہ سکتیں۔ انہیں سعدیہ پر ترس آنے لگا۔

سعدیہ نہیں کچھ عادت کی تھی۔ جب سے یہاں سے گئی تھی وہ کچھ سنجیدہ ہو گئی تھی کیوں کہ نسرین نے استے واویلے کیسے تھے فراج کی پسندیدگی پر کہ وہ تو پشاور چلی گئی مگر نسرین کے ذرخیز دماغ میں تو ہر بات اپنے مطلب کی آتی تھی۔ بھائی کا بھی خیال نہیں کیا بلکہ یہ سوچ کے فراج سے اس کی شادی کی گھر میں کام کرنے والی تو آئے گی۔ سعدیہ شاید یہ بات نہیں سمجھ رہی تھی یا پھر وہ جان بوجھ کے انجان گئی۔

☆.....☆

وہاں ہندی سے اتنی دیر میں واپسی ہوئی تھی۔ سب ہی صبح دن چڑھے تک سوتے رہے تھے مگر حجاب کو اپنی شادی کا لہنگا لیا تھا۔ جودہ گھر ہی چھوڑ آئی تھی۔ اس لیے وہ زمین کے ساتھ گھرا گئی تھی۔ اکرام ماموں کا اشعر اسے چھوڑنے کے چاہتا تھا۔

آتے ہی کمرے کو صیقلیوں کے ضمن ان نے اچھا خاصا پھلایا ہوا تھا۔ وہ کل تیار ہوا ہو گا تو ہر چیز ایسے ہی پھیلا کے چھوڑ دی گئی۔

کب سے صحن میں کچھ آوازوں کا شور تھا اسے اتنا تو پتا تھا آج آدم ابھی تک اسنو نہیں گیا تھا۔ وہی اشعر کھانے پینے پر شور کرتا تھا مگر یہ شور کدوڑا والا نہیں تھا اور ہی نوعیت کی تھیں۔ حجاب جس کے مارے لہرا رہی آتی۔

سائینے لاؤنچ میں عتیق احمد کو دیکھا کہ وہ تو حیران رہ گئی۔ رضوانہ سامنے صوفے پر بیٹھیں رو رہی تھیں۔ آدم قابووش تھا محل اور طلحہ بھی اتفاق سے گھر پر ہی تھے۔ عتیق احمد کی موجودگی حیرت سے کم نہیں تھی۔

”چلو آدم! تم اپنے کام پر جاؤ۔“ رضوانہ نے اسے اٹھایا۔

عتیق احمد کا سر جھکا تھا نہیں طرحت سے یا پھر صے سے وہ اندازہ نہیں کر سکتی تھی۔

”حباب! سلام کرو اپنے سر کو۔“ تو حیرانہ نے گلابی کپڑوں میں حیرانی سے دیکھ لیا تھا۔

عتیق احمد کا اسی وقت سر اٹھا تھا حباب سلام لانے آئی تھی۔

”جیتتی رہو! اس وقت میرے پاس تمہیں منہ دکھانی میں دینے کو کچھ نہیں ہے۔“

”ارے کوئی بات نہیں۔“ وہ مسکرائی اسے ان کے سامنے ٹھکانے اور شرم بھی آ رہی تھی۔ کیوں کہ آج

س نے یوں پہلی بار انہیں یہاں دیکھا تھا۔

نورادانہ مجسٹ [21] اگست 2014

”ضمیر ان کب تک آتا ہے؟“

”وہ کبھی چھ بجے یا آٹھ بجے تک آتے ہیں۔“ وہ سائید والے صوفے پر بیٹھی قدرے توقف سے گویا ہوئی۔
”بیٹا! تمہیں حیرانگی ہو رہی ہوگی۔ میں آج یہاں کیسے۔“ وہ خود ہی جیسے اس کے آنکھوں میں سوال دیکھ کر سمجھ گئے تھے۔

”آج اگر میری آنکھیں وہ وہ بنی نہیں کھلتی تو یہاں میں کبھی نہیں آتا۔“
”چھوڑو یہ ایسا! آج ان سب باتوں کو ہمارے لیے یہاں کافی ہے کہ آپ لوٹ آئے ہیں۔“ آدم نے ان کی بات کاٹ دی۔

آدم کو لوہن کی محفل سنہری اور کچھ داری پر ابھی تک حیرانگی تھی۔ وہ را شدہ چھو چھوکی ایک ہی بیٹی ثابت ہوئی۔ لوہن اور کرن کو تو سوائے میک اپ کے کون سے شین کے کوئی انہیں کام نہیں، یونہی تھا۔ البتہ ان بیٹے لوہن کو اکثر یہاں بھی اپنی پڑھائی اور کام میں مشغول ہی دیکھا تھا۔ وہ فضول باتوں میں بھی نہیں بیٹھی تھی۔ آج انہیں وہ ہور ہاتھ لوہن اچانک سے اسے اتنی اچھی لگیں۔ لگنے لگی تھی۔ آدم پریشان ہو گیا تھا۔
”میں اب یہیں اپنے بچوں کے پاس رہوں گا۔“ انہوں نے مسکرا کر خوش ہو کے کہا۔
”میں ان سب کا گناہ گار ہوں۔“

”آپ ایسی باتیں نہیں کریں آپ کے بچے ایسے نہیں ہیں کہ آپ کو یوں مجرم بنا دیکھیں وہ بہت خوش ہیں۔“ رضوانہ کے دل کو بھی جیسے قرار مل گیا تھا۔ مگر کا ماحول اچھا لگتا تھا۔ رضوانہ اور خوش باش ہو گیا تھا۔ رضوانہ کو سکون مل گیا تھا۔ اسے برسوں بعد شوق احمد نے ان کی حیثیت جان لی تھی اور انہیں یہاں کافی تھا۔
ضمیر ان شام میں چھ بجے ہی آ گیا۔ حزل نے جو اسے کال کر دی تھی وہ یقیناً وہ لگے لگے آنکھوں میں نمی لے مسکرایا۔
”ایو! آج آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہے آج ہمارا گھر اتر پورا ہو گیا ہے۔“ وہ ان کے ہاتھوں کو تھام کے چومنے لگا۔

حباب نے شام کی جانے پر خاصا اہتمام کر لیا تھا۔ خوشی کا دن جو تھا۔
”تم کیسے آگئیں۔“ ضمیر ان نے اس کی موجودگی پر پوچھا۔ آج ہی تو شہریار کی شادی تھی۔
”مجھے کپڑے سادے رکھے تھے۔ تمہیں زمین کے ساتھ آگئی تھی۔“ اس نے بتایا۔
”رات تم بہت عیاری لگ رہی تھیں۔“ ضمیر ان اس کی پشت پر کھڑا ہونے پر ہم سے غور سے لہجے میں بولا۔
”وہ ڈریسنگ ٹیبل کی دروازے کا سیکس کی چیزیں نکال رہی تھی۔ حباب کی نگاہیں اٹھ رہی تھی۔
”تم عجیب لڑکی ہو۔ لڑکیاں تو شوہر تعریف کریں خوش ہوتی ہیں تم خوش ہی نہیں ہوتی ہو۔“ وہ کہہ گیا تھا۔
”یہ تعریف اس وقت اچھی آتی ہے سب کچھ پلاننگ سے ہو۔“ وہ سچی خیر سے بولتی دروازہ بند کرنے لگی۔
ضمیر ان کے خاک بھی پلے نہیں پڑا، وہ ساری چیزیں بیگ میں رکھ رہی تھی۔ ضمیر ان خاصا بد مزہ بھی ہو گیا تھا وہ منہ لپیٹ کے پڑ گیا تھا۔

☆.....☆

اس نے گھر میں جیسے ہی قدم رکھا حساب کے چھروں پر پریشانی اور ہوائیاں دیکھی تھیں۔

روزانہ مجت [22] اگست 2015ء

"خیرت تو ہے۔" اس نے چھوٹی مای سے پوچھا۔ وہ ہال کمرے میں خاموش بیٹھی تھیں کیوں کہ اسے سارا ماحول ہی خاموش لگ رہا تھا۔

"آں..... ہاں؟" وہ جیسے کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔ ہوشم کے بولنے پر اچھل ہی گئیں۔

"مای آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہیں اور کمرے کے باقی لوگ کہاں ہیں مانا جان بھی اپنے روم میں نہیں ہیں۔" اس کو بہت پریشانی اور نگرہ مور ہی تھی۔

"دو سب بھائی کے کمرے میں ہیں۔" وہ بتانے لگیں۔
"ایسا کہا ہو گیا خیرت تو ہے۔"

"ہوشم! تم ابھی آس سے آئے ہو فریش ہو جاؤ پھر تمہیں بھی سب پتا چل جائے گا۔"

"مجھے ابھی بتائیے۔" وہ تو بے چین تھا۔ بڑی مای کے روم میں وہ جان کے نہیں جا رہا تھا۔ کیوں کہ بڑی مای اس سے کون سا خوش نہیں۔

"قاران نے شادی کر لی ہے۔"

"واٹ.....؟" وہ تو بیٹھے سے اچھل کے کھڑا ہو گیا۔ کیوں کہ شاید وہ مای نے لگا تھا کوئی بم پھاڑا ہو۔

"بھائی کا روم دیکر برا حال ہے۔"

"مگر مای یہ کیسے کر سکتا ہے۔ قاران سے مجھے اس بے وقوفی کی توقع نہیں تھی۔" وہ تو بہت زیادہ نگر مند ہونے لگا۔

"ارے بیٹا یہاں تو بس کیا کر دل کیا ہو رہا ہے مجھے پتا ہے۔ یہ سب قاران نے کسی مجبوری میں ہی کیا ہوگا۔" شاید کادل ہاں نہیں رہا تھا کہ قاران اپنی ماں کادل دکھانے کے لیے ایسی کوئی حرکت کرے گا۔

ہوشم گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کل تک بڑی مای اسے کیا کیا نہیں کہہ دی تھیں اور آج ان کے خود کے بیٹے نے ایسی حرکت کر دی لیکن بڑے بول سے پتا نہیں کیوں ڈر نہیں لگا تھا۔

اس نے تو خیر اپنے بڑوں کی مرضی جو اس کے اپنے تھے۔ مانا جان ان کی مرضی سے شادی کی تھی جب بھی بڑی مای کو یہ سب پسند نہیں تھا۔

"کچھ نہ کچھ تو کہیں گڑ بڑ ہوئی ہے۔" وہ غور پر لب کو کیا ہوا۔

"گڑ بڑ اسے اس نے تو اچھی خاصی گڑ بڑ کر دی ہے۔ بھائی کو تو قاران پر فخر تھا۔ ان کی مرضی کے بغیر کہیں شادی نہیں کرے گا۔"

"مای یہ بولنے لگی ٹھیک نہیں ہوتے اتنا فخر اور احماد بھی نہیں کرنا چاہیے۔ قاران ہا شعور کچھ دار ہے وہ اپنی مرضی سے کیوں شادی نہیں کر سکتا۔"

"ابھی تو تم کہہ رہے ہو کہ اس نے یہاں چھانٹیں کیا اور اب یہ بات۔" وہ جیسے کبھی نہیں۔

"میرا مطلب ہے کہ قاران کو اپنی پسند کا اختیار ہے یہ اس نے غلط کیا اچانک سے شادی۔ پہلے مگر والوں کو بتانا تو سیدھے طریقے سے اس کی شادی کرتے۔"

"ارے بیٹا مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔" وہ ہاتھ لگیں۔ ہوشم نے بھی اپنے روم کا رخ کیا اس وقت مای کے روم میں جانے کی اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

اعدرا کیا تو خوشنما اسی وقت عمر کی نماز پڑھ کے فارغ ہوئی تھی۔ دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا اس کے

لب مل رہے تھے صاف واضح تھا۔ وہ دور کر رہی ہوگی۔ جائے نماز تہہ کر کے ڈرائیگ روم میں رکھی اور خود سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔

”یہ سب گھر میں کیا ہو رہا ہے۔“

انسان کو اتنی اکڑ بھی نہیں رکھنی چاہیے اس ذات پاک کے آگے وہ پل میں کیا سے کیا کر سکتا ہے۔ دیکھنا یہ سب اللہ کو ناپسند ہے۔ ”وہ گھر میں ہوئی اسکا بات سے خوش تو نہیں تھی۔ مگر تڑپت ماما سے افسوس ہوتا تھا جو ہر وقت اسے حقیر جو سمجھتی تھیں۔ غریب ہونا اس کا گناہ تھا۔ عزت، شرافت، انسان کی کوئی حیثیت نہیں رکھتی وہ کون ہوتی ہیں۔ اس کی لب مل میں بے عزتی کرنے والی۔

”بچی بات اگر میں تمہارے لیے کہوں؟“ وہ شرٹ کے بٹن کھول رہا تھا۔ آتے ہی وہ فریش ہو کے ایزی سائٹیں شلوار پہنتا تھا۔

”تم بھی تو مجھے حقیر اور ناپسند کرتی ہو۔“

”میں نے کبھی آپ کو حقیر نہیں سمجھا ہے بلکہ حقیر اور ناپسند تو آپ نے کیا ہے۔ انا چور کو تو آل کو ڈانٹتا ہے۔ وہ تو تنگ ہی گئی۔ لاشم لب سمجھ کر کہہ گیا کیوں کہ وہ کبھی ہاتھوں کا حوالہ دے کر اسے شرمندہ کرتی رہتی تھی۔

”جب سے میں تم سے ملتا ہوں کتابچے پناہ چار کرنے لگا ہوں۔ تم میری سزا کب ختم کر دو گی۔ وہ خاما سنجیدہ لہجے میں گویا ہوا خوشنما نے اسے بغور دیکھا وہ ضرورت سے زیادہ خاموش اور افسردہ بھی لگ رہا تھا۔ شاید گھر کے ماحول کی وجہ سے یا پھر اس کے اندر کبھی خالی بن چکا تھا۔ بار بار احساس دلاتا تھا کہ وہ تنہا ہے۔

”ہاں یہ مجھے کیا ہوا میں اتنی جلدی اس کے بارے میں اتنا نرم کیوں سوچتے تھی۔ اس شخص نے مجھے سب کے سامنے رو دیا تھا۔“ وہ فوراً ہی سر دہرا اور سخت بن گئی۔

”آپ کے چار کا کیا پتا کہاں کہاں نہیں چھا اور کبھی ہوں۔“

”اب تم یہ مجھے قصہ دلانے والی بات کر رہی ہو۔“ وہ ایک دم ہی ریش ہو گیا۔ چتون تن کے آگے آئے کر دار پر تو اسے انگلی تک اٹھانا برداشت نہیں ایسی ہی بات بڑی ای نے بھی تو کہی تھی، اسے اس وقت ان کی بات کا افسوس تو ہوا تھا مگر جلد بھول گیا تھا مگر خوشنما کے منہ سے یہ بات ہالکی گوارہ نہیں تھی۔

”کیوں جھوٹ تو نہیں ہے۔“ وہ دور صوفے پر بیٹھی اسے سگائے جا رہی تھی۔

”جسٹ شٹ اپ بہت ہو گیا، جس کا دل چاہتا ہے میری تھیک کرنا رہتا ہے۔ میرے ماں وہاں نہیں ہیں کہ جس کا دل چاہے گا وہ مجھے بے عزت کرنا رہے گا۔ میں نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ مجھے شرمسار ہونا پڑے، میری تربیت میرے نانا جان نے کی ہے۔ مجھے حق ہے میں ہر بری صحبت سے بچا ہوا ہوں۔“ وہ تو پھٹ پڑا۔

خوشنما اس کے اتنے درشت لہجے پر چراغ پا ہونے پر وہ سمجھی گئی لب سمجھ لیے وہ لیے لیے سانس بھرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

”اف..... انکل تو قصہ بھی آتا ہے۔ خوشنما آگے تیری خیر نہیں جو مزید تو نے بکواس کی تو۔“ وہ لب بکل رہی تھی۔ اسے لاشم کی فکر بھی ہو رہی تھی جو پہنچ نہیں کہاں نکل گیا ہوگا۔ ویسے ہی گھر کی فضا افسردہ تھی۔

(جاری ہے)

ایک چاند ہنسے

وفاقی حقوق

"آر سی ہے بی جس کا تم کو تھا انتہار؟" شفا نے کہا
 اپنا تک کر کے میں غافل ہو کر اسد کو بے لگب کیا جو
 اپنے گھیرے سیاہ بالوں میں غلبا "ایک ہفتے سے برش
 کرنے میں مصروف تھا۔
 "بھلا مجھے کس کا انتہار تھا؟" پہلے تو تو حیران ہوا پھر
 برش پر ہنس نکر کہہ دیا۔ "شفا آر سی ہے کیا؟"
 "ہاں شفا اپنے والدین کے ہمراہ اپنی خاتہ جلیا کے
 یہاں پر سونے چوڑی کر رہا ہے منٹ پر بیٹھ کر انورز ہو رہا
 ہے۔" شفا نے باقاعدہ غور نہ کرنے کے انداز میں کہا۔
 اسد کا خوشی کے مارے پر اسٹاپ ہو گیا۔
 "یار پر سوال آج نہیں ہو سکتا" وہ سنی نہ کہہ سکا
 یوں پڑ کر بولا تب تو پر سوال کو تھمبوت کر آج سے ہی
 تو تھمے گئے۔
 "اسب اتنی بے خبری بھی اتنی نہیں ہوتی۔" اس
 نے اسد کو قہقہے لہا رہتے کا مشورہ دیا۔ "ابھی یہ خبر
 میں نے کہی تو تم میں خانی سب سے پہلے یہ خبری بنا رہا
 ہوں۔ اسب تو میرے پاس تکہ ڈاؤننگ کر کے میں تو
 اپنے گھر بلاؤ گئے۔ ابھی یہ اطلاع سب کو پہنچا ہے۔"
 "ہاں کے ہاتھ کے بعد وہ مارے کر رہ گیا
 :پہلے اپنا کر اپنے نکامہ خوشی اتنی زیادہ تھی کہ
 سب کے نہیں سمجھ رہی تھی۔ "شفا آر سی ہے۔"
 وہ سوچ سوچ کر خوش ہو رہا تھا اور خوش ہو کر سوچ
 رہا تھا۔

لگا اس کی بڑی مہنگی مہنگی مہنگی
 لگا مہنگی ہونے پر خوش نہیں ہو رہا تھا بلکہ اس
 نے اس کی خوشی میں ڈاؤن ہو رہا تھا کہ وہ اس
 کے لئے خوشی کے ڈیڑھی پر غلبہ میں سموس کرنے
 تھے لہذا اس کی خوشی میں شفا کو آخری بار
 اس نے اس وقت کے ہنسنا شروع کیا۔ اسے پہلی کی مہنگی
 آگے پہنچا تو اس کے ذہن میں اس کا ہنسنا ہمارا رہتا تھا
 اس کے پہلے اس کے ہنسنا کے ذہن میں اس کے ہنسنا
 ہرگز نہیں لگایا جاسکتا۔ "اسی قول کر کے اس نے
 اس نے شفا کو اپنی تصویریں دیکھار سے کہی اور اس
 تھا۔ جیسے ہی اس کا خیال تھا کہ وہ تصویریں دیکھے
 "سب والی تاؤ دم" اور پھر ہنس کی کوئی چیز نکلتی ہے۔
 پڑا کہ پہلی سے ات سمجھانے کی خوشی کی تھی کہ
 ہمیں شکل ہوگی دیکھا ہی تو اسے گا لیکن وہ ہرگز یہ
 ماننے کے لیے تیار نہیں تھا کہ اس کا چہرہ ایسا ناخوار اور
 شہوانی ہے جیسا کہ تصویروں میں نظر آتا ہے۔ اس
 لیے اس نے اپنی تصویروں کی پر غائبی دیکھی پتہ نہ لگا
 لگا ہی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ شفا پر اس کا ناخام
 ہنسنے سے پاس۔
 "کیا بات ہے اسد؟ بیسے خوش نظر آ رہے ہو؟"
 اسی نے اس کے اوتھیر پیت کا اشارہ بنے چہرے کو
 حیرت سے دیکھا۔
 "کلم کوئی خاص بات نہیں ای۔" وہ گڑبڑا گیا



بہو نے تو ازمن اور احمد علی کی تدش اپنانا سکے لیا
 اسی دن خانگی جنگوں کا اختتام ہو جائے گا اسد نے
 یہ سن کر اس نے اپنے باہر دوں سے سیکھا تھا اور وقتاً فوقتاً
 اپنے گزرتے کو بھی رونا مانا رہتا تھا تاکہ کم از کم اس کا
 خاندان کن فضول اور جاہلانہ قسم کے جنگوں سے
 محفوظ رہے۔

باہر سے اچانک شور و غل سنانی دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ
 شہنی پورے وطن کے ساتھ رھا اور اول دیکھا ہے۔ تینوں
 گھروں کو ملا کر ایک اچھی خاصی جنگیں جمع ہو جاتی
 تھی۔ بڑے ناؤں کے سپہ سالار تھے۔ جنھیں عرف
 شہل المارقی سماجہ اور مینا تھے جس کا نام امر اور اول
 چھوٹے ناموں کی آنکھوں کے مارے تھے۔ تینوں
 گھروں سے چھوٹے تھے۔ یوں سب اپنے اپنے
 اسیوں چھوٹے ہوا۔ اہل اہل کا سہل بندھ جاتا۔

دو باہر سے سب نے کہاں بجا کر اس کا استقبال
 کیا اور اس کے لئے لگا کر اسے مبارکباد
 دی۔

"یار! مبارک ہو آؤ! شفا نے وار ہوئے کا
 ایلہ کر لی لیا۔ ورنہ میں تو جھٹکا لگا کر چلے جوں
 بھل کر کسی لال بندر سے باہر چا کے لیا۔"
 "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ برطانیہ میں رہتے رہتے
 خود بھی اہل بندر بن چکی ہوں۔" بلال نے خیال
 افرالی کی۔

"مگر ایسا ہو اہو تب بھی کوئی خاص مضائقہ نہیں
 ہے۔" ظاہر نے اطمینان سے کہا۔ "بلال تو بیزار یا
 اور باستانی لشکر کی بیوزا، خوب ہے گی۔"

"اپنے بارے میں لیا خیال ہے!" اسد نے اسے
 گھورا۔ "اسی شخص شکل ہے کہ وہ کچھ لوٹر پورا دن
 سو گیا اور گزرا ہے۔"

"پہلے بھی یہ دونوں تو لڑنا شروع ہو گئے۔" بلالی
 نے کہا۔ "کیوں نہ ہم باہر نہیں ان دونوں کو
 لڑنے مرنے دو۔"

"گھلہ تیز یا پ شفا باہی کے آنے کی خوشی میں ہم
 نہیں کہ ہم کھائیں گے۔" تنویر اچھل کر بولا۔

اب ای کو کیا بتا تاکہ مگھتر کے آنے کی خبر سن کر اس
 کے دانت اندر چبانے کا نام نہیں لے رہے۔
 "مہم ہو ناگھر! میں ذرا بھائی جان کی طرف جا رہی
 ہوں۔" شکر سے کہ انہوں نے زیادہ کرید انہیں ورنہ
 اسد کے لیے مشکل ہو جاتی۔

"جیتی رہیں ای۔" اس نے زیر لب دعا کی اسے
 اپنی ماں کی یہ عادت تھی کہ کسی بات
 کے پیچھے نہیں بڑتی تھیں۔

دو دو بھائیوں کی اکلوتی بھینسوں کے دونوں
 ماہوں اکلے گلی میں ہی ساتھ ساتھ دو دو گھلوں میں
 رہائش پذیر تھے۔ فاصلہ کم ہونے کی وجہ سے دونوں
 خاندانوں کے افراد جب ہی چاہتا منہ انہاں سے لگا کر
 دوسرے کے گھر پہنچ جاتے۔ اپنی اکلوتی بھینس ہونے کی
 وجہ سے بڑے اور چھوٹے دونوں ماہوں کے لاڈ
 سمیٹتے۔ حد تو یہ ہے کہ بڑی ممالی اور چھوٹی ممالی
 بھی ان کو ان کی اولاد سمیت بہت عزیز سمجھتے۔

اس کا واضح ثبوت بڑی ممالی کا اپنی لاڈلی اور اکلوتی
 بھانجی شفا کو اسد سے منسوب کرنا تھا۔ اس محبت کا
 سارا کریڈٹ یقیناً ماہوں صاحبین کو جانا تھا۔ مروا کر
 رشتوں میں توازن قائم رکھنا چاہے تو بیوی کی بھلی
 نہیں کہ سسرالی رشتوں کو نظر انداز کرے اور نہ

والدین اور بھائی بہنوں کو یہ حوصلہ ہو کہ وہ سب سے گھر
 سے آندرائی لڑکی کو بیٹ پر اپنی لڑکی سمجھ کر بیگانی اور
 سرد مہنی سے پیش آئیں۔ اسد کو ماہوں پر تیرت
 ہوئی تھی کہ کس خوبی سے انہوں نے رشتوں میں
 توازن اور اعتدال برقرار رکھا تھا۔ ورنہ اب تک کے

مشائدے میں اس نے یہی نوٹ کیا تھا کہ مروتوازن
 روہ نہیں اپنانے ایک طرف جنگ جانیے ہیں یا تو
 بیوی کی محبت میں سرشار ہو کہ والدین اور بھائی بہنوں
 سے الٹک ہو جاتے ہیں یا پھر بھراؤوں کی چاہت
 میں شریک حیات کو ہر کی خوبی سے زیادہ اہمیت دینے
 کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ دونوں صورتوں میں ایک
 فرق کے ساتھ زیادتی ہو جاتی ہے اور گھر کا سکون اور
 محبت بھری فضا درہم برہم ہو جاتی ہے۔ جس دن

درازا جھٹ

28 اگست 2015

WWW.PAKSOCIETY.COM

ONLINE JUDGMENT FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

"آپس کہ ہم کہا میں گے؟" شہلی نے اس کی عقل
 آزاری پہ اور غل غبارتے نامیابی ابا کریں گے؟"
 "ہیں مامانی کے بڑے صاحبزادے ادا کریں گے
 بات تو ایک ہی ہے۔" جھمنٹ سے اس نے جواب
 دیا۔ شہلی کا منہ بند کیا۔
 "کوئی ضرورت نہیں ہے باہر جانے کی۔ ہم گھر
 میں ہی ٹھہک ہیں۔"
 "جو ہوش بچوس میں گے مڈر اما خرچ کرنے میں
 جان جاتی ہے۔" "تین بڑی بڑائی۔"

نے بے نیازی سے کہہ دیا ہے اچھا ہے۔
 "میں جیسے بدھن آدی سے مکی امید تھی۔ جس
 طرح کہ گدھا کیا جلسہ زعفران کا بھلاؤ اور بندر کیا جانے
 اور ک کا مزہ! اسی طرح یہ جد جدر ملو اور بولا جا سکتا ہے کہ
 شہلی کجا جانے فارسی کی ہمارا! "اسد نے ملامت آمیز
 نظروں سے اسے دیکھا۔ "گھنٹی پھاری اور خوبصورت
 زین ہے! بندہ فارسی میں کھلاں بھی دے تو کانوں کو
 بھلا لگا ہے۔"

"شاید فارسی بولنے والے کے بارے میں ہی شاعر
 نے کہا ہے کہ
 استے شیریں میں نیرے لب کہ رقیب
 کھلاں کہا کے بے مزہ نہ ہوا
 طارق نے خیال آئی کی۔
 "و کھلوت تو میں لیں۔" "تو نے فرادی لیتے میں
 کہا۔ "چھوٹا ہونے کا یہ بھی نقصان ہے کہ بڑے بات
 بنا نہیں سنتے۔"
 "جلو ہم نے جس اجازت دی اپنی بات فرمانے
 کی۔" "اس نے شہلانہ سخوت کا مظاہرہ کیا۔

"فارسی میں کہتے ہیں کہ آدی سنگ یعنی کتابو
 جائے مگر گھر میں چھوٹا نہ ہو۔"
 "اور کیا صحیح کہتے ہیں اس کے کہ تو بھر بھی عزت ہوتی
 ہے بڑے سے بڑے بچے خلیق اس کے سامنے سے
 کب کر گزرتے ہیں مگر چھوٹوں کو کوئی نفرت ہی نہیں
 کرتے۔" "ابال! اس نے فطرت سے کہا۔

"مگر لوگ اس فطرت کو کہتے ہیں کہ آدی سنگ
 جس کر بات کہا کہ لو اس سر پر چڑھ جانے ہیں۔" شہلی نے
 انہیں زانت ہانے کی کو بخش کی۔
 "واہ! ہم نے کب یہ فضول جہت کی ہے؟ آپ
 کہ سو پر چڑھنے سے بڑے کہ بندہ کہہ جاتا آڑی پر
 چڑھ جائے۔" "خوبی کی بات پر شہلی اگ بولا ہو گیا۔
 "نہ ہو آپ انجام پھوٹوں کو منہ لگانے کا۔ اپنی
 نکت قبول ہائے تو۔"

"تو نے جہاں سے کہا۔" وہ فارسی بولنے لگی۔
 "ورنہ کسی بہ بد نظریہ نہ سے نہ فہمیت۔" "خوبی نے
 کی اسے گرا ضروری سمجھا۔ آخر وہ بھی ان ذہنات
 پر ابر کا شریک تھا۔
 "جیسے فارسی استہ کوئی فہمیت نہیں ہے۔" "خوبی

"میں نہیں خوشی میں خرچ کر لوں۔" وہ بگڑ کر بولا۔
 "یہ کہا بات ہوئی! ہر مویج پر میں ہی ٹریٹ دلوانے بلتی
 سب فہمیتوں کہا! "اس کا غصہ پائل بجا تھا۔ ایسے کسی
 بھی مویج پہ بے چارے شہلی کو ہی اپنی جیب خالی کرنی
 پڑتی تھی۔ "خارش اسد اور اسر صاف اپنا واسن پچا
 لکھنے صفحہ ساہرا۔" "جین اور مینا تو بے چاری لڑکیں
 ہیں۔ ان کے خرچ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں
 ہوتا تھا۔" ریت بابا ان اور خوبیر۔ تو دونوں اسکول میں پڑھ
 رہے تھے۔

"آپ سب سے جتنے ہیں تمہاروں پر تو ویسے بھی
 بچوں میں ناخن ہونا ہے۔" شہلانہ نے جواب دیا۔
 "یہا ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ تم لوگ
 مجھے کچھ کرو۔" "ہر جہ ہوا۔" اس سے انہیں آگاہ
 میں سب سے چھوٹا ہوا۔"

"آپ کو آتے وال کا بھلا معلوم ہو جائے
 ہائی جہت توت تو کہا۔" آپ کو معلوم ہی نہیں چھوٹا
 دوسرے کے آؤتے نقصانات ہیں۔ شب ل کر ڈانٹتے
 رہتے ہیں اور بگڑنے لگتے ہیں۔ انکھات کی قبول بھی
 کرو۔ اس ریسے میں اس کی زانت خاصے ہنر سکوار
 تھے۔

"خوبی بھائی نے کہا۔" وہ فارسی بولنے لگی۔
 "ورنہ کسی بہ بد نظریہ نہ سے نہ فہمیت۔" "خوبی نے
 کی اسے گرا ضروری سمجھا۔ آخر وہ بھی ان ذہنات
 پر ابر کا شریک تھا۔

"جیسے فارسی استہ کوئی فہمیت نہیں ہے۔" "خوبی

کھنگو تازگ صورت اعتبار کر رہی تھی۔ موضوع تبدیلی کرنا ضروری تھا ورنہ شبلی کے ہاتھوں شوہر کا آئیٹ تیار ہو جاتا۔

"کیوں میرے پاس کاغذ کاغذ ہے؟" وہ پتاپہ پڑھ رہا تھا۔

"تم جیسے مفت خودیوں کے لیے اب میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔"

"اڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اسد نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "تم بلا بدولت سناٹہ بنا کر بیٹھتے ہوئے ہنسنے خوب میرا مطلب ہے کہ بڑا بے خود تم جیسے لکے کے لوگوں کو نصیحتیں دینے۔"

اسد کی اس حیرت انگیز آفر خاص طور پر نکاح کی یقین نہیں آیا۔ خاص طور پر شبلی غیر یقینی کیفیت میں تھا کہ اس بار اس کی جیب خالی ہونے سے بچ سکی ہے لیکن اسد سنجیدہ تھا۔ شفا کے آنے کی خوشی اتنی زیادہ تھی کہ اس کے اظہار کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ اس کی اس فراخ دلانہ پیشکش پر سہمی پھیل گئے۔

اب سب کا مطالبہ آکس کیم سے پرہیز کر سیکرڈ نلڈ میں ایک شاندار ڈیزنگ ماہر بنایا تھا۔ اسد نے لاکھ احتجاج کرنے کی کوشش کی لیکن آثار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے اسے ماننا ہی پرالہ ہو ل کی ہ سکون فضا میں بیٹھو پر ہلکہ خیال کر رہے تھے۔ سب کی کوشش تھی کہ ان موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔ ذرا اور وہ بھی اسد کی طرف سے ایسے عجیب بار نہیں ہوا تھا۔

"بارو! یہ خیال رکھنا کہ یہ ٹیٹ ڈیزاز اٹھیا کہ ستن کی طرف سے نہیں ہے۔" اسد نے دہلی دی۔ "بلکہ ایک پرائیمنٹ کیمپن میں بلب کرنے والے فریب کی طرف سے ہے۔"

"ابس بس ہم خوب جانتے ہیں تمہاری فریب کو نہیں بچھب تو کہا جاسکتا ہے لیکن غریب نہیں کہا جاسکتا۔" طارق نے بے نیازی سے کہا۔

"بار! ایک پھر کہا ہوا آئیڈیا آیا ہے میرے ذہن

میں۔" فریب جواب تک خاموش تھا پتلی بجا کر بولا۔ "شکر ہے ان کے چھوٹے سے سر میں بھی کوئی آئیڈیا آتا ہے۔" ہمیں نے شرارت سے مداخلت کی۔

"میں تو آج تک یہی سمجھا رہا ہوں کہ تمہارے سر میں فقط ایک بھوسے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔" اسد نے چھوٹی سمن کی آند کرنے ہوئے اسے پھینکا۔

"اچھا اور اپنی گردن پر رکھے اس توڑ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے! اس نے آنکھیں نکالیں۔

"وہ! اگر بھولتی ہے! آپ کوئی ٹریک بنا رہے تھے۔" مینا نے حسب عادت سیز فلڈ کرتے ہوئے اسمن کی نازت کا رکارڈ لیا۔

"ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اس میں بے نیازی ہر کسی کی طرف سے تھا۔

شبلی نے حسب معمول اپنی ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے فریاد کیا۔

"فریاد میرے بھائی! یہ تو بار ہے۔" طارق نے ہاتھ جوڑ دیے۔ "اب ایک جینے کے لیے فریاد کی کوشش فرماتے ہیں۔"

"میں یہ فرما رہا تھا کہ شفا نے اسد کو بڑے ہونے کے بعد سب دیکھا۔" آخر کار وہ اپنی ترکیب تاننے لگا۔ "کیونکہ ہم اسد کو ایسے بلے میں تانے لائیں کہ شفا سے اپنا سامنا ہی بنانے کے خیال سے ہی کلب اٹھے۔"

"تو ایک بے تھوڑی سی انجوائے منب رہے گی۔" شبلی نے سب سے ہلے تانے کی۔

"حیرت ہے کہ اتنی لاابواب ترکیب شریعت کاٹنے کے انورنے پیش کی ہے۔" طارق نے کل حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"اس پر ضرور عمل کرنا چاہئے۔ بہت فریاد آنے لگا۔" اسد نے ہر جوش ہو کر کہا۔

"اسج لو! کیس سواہی نہ دیتا! اسد ڈرانہ! میرا نہ ہو کہ وہ اپنے کی لڑکی سے صاف انکار کر دے۔"

فریاد اٹھتے۔

30 اگست 2015ء

آخر دلائی سے آ رہی ہے۔ باخوب کا کچھ تاثر ہو گا۔

”ہیسا کچھ نہیں ہو گا۔ آخر یہ لڑکیاں کس دن کام آئیں گی! شہنی نے اسے دلا ساوا۔“ یہ شفا کی کھل جا سوس کر بس گئی اور جیسے ہی معلوم ہو کہ شفا انکار کرنے والی ہے، ہم ڈر اسے کا ڈراپ سین کریں گے۔“

”لیکن اس ڈراپ سے کہیں میں ہی نہ ڈراپ ہو جاوے۔ اسد کو فکر لاحق ہو رہی تھی۔“

”کہہ جو وہ کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ شہنی کو غصہ آ گیا۔“ شفا میری لاش پر سے گزر کر انکار کرنے کی۔“
”ٹھیک ہے لیکن باور رکھو کہ اگر کوئی ایسا ہی ہوئی تو میں تمہاری لاش پر سے گزر جاؤں گا۔ اسد نے دل ہی دل میں لاش بڑھتے ہوئے اسے دھکی لائی۔“

”اس کے بارے میں سوچو۔ اسد نے اپنے لاش کو غصے سے افراتفری مچا دی۔“

”یہ سب لوگ کبھی خوفناک باتیں کر رہے ہیں۔“ شہنی نے کہا۔ ”میرے لاشوں سے بہت خوف آتا ہے۔“

”اس میں ان بے جا ترسوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں نے معلوم ہی نہیں ہے کہ تمہیں اپنی زندگی کو کب کب سے کتنی ڈر ہے؟“

”جیسا تم اچھی باتیں کرتی ہو۔“ افسر نے کٹ کٹانے والے لہجے میں کہا۔

”بھاری بھاری کپڑے پہنے والے کی ایسی کی تھی۔ میں تمہاری بات کو گتہ سے کالٹ سے زناہ امتیث نہیں دیتا۔“

”تاہم تمہیں کیوں چارٹے ہیں؟“ لیکن جلال اللہ کے سامنے پیسہ کتنی گئی۔

”بس کہو۔ ایمانہ ہو کہ دیکھو کہ وہ کتنی ڈر ہے۔“

”اب شرفا کی جگہ ہے۔ شہنی نے اہلک کی طرف اشارہ کیا۔“
”اب خاموشی سے یہ سب ٹھوس ہو۔ جو پورا پورا جانی خاندان سکوا ہے۔ اسد نے سامنے رکھی ڈسٹن

کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کھانے کے سامنے ساتھ اس شرارت کو عملی جامہ پہنانے کا پورا کام بنانے میں مصروف ہو گئے۔ تبھی ایک ایسا ٹنڈ ہو رہے تھے۔ اسد کو خود ہی کی پریشانی تھی کہ کہیں شفا انکار نہ کر دے لیکن سب کی راج سے وہ خاموش ہو گیا تھا۔ ”جو ہو گا دیکھا جائے گا۔“ اس نے دل کو تسلی دی۔

گھر واپسی تک وہ اس بات پر مشغول ہو چکے تھے کہ شفا کے سامنے اسد کو انتہائی غبی نگاہوں سے دیکھنا اور گھماڑا شخصیت کے رویے میں پیش کیا جائے گا۔

”بارہ لڑکیاں کہیں گڑبڑ نہ کریں۔“ افسر نے فکر مند سے کہا۔ وہ لوہ اسد شہنی کے گھر رک گئے تھے تاکہ اس سناٹے پر مزید سوچ بچار کی جاسکے۔

”تمہاری پریشانی بجا ہے۔ لڑکیاں مشکل ہی سے کوئی بات ہم کو سناتی ہیں۔“ اسد بیٹے پر دراز ہوتے ہوئے بولا۔

”ایمانہ ہونے شفا کے سامنے سارا راز لاش کو دیکھیں اور ہم اپنا سامنے لے کر رہ جائیں۔“

”سن کی بجائے کہ یہ حرکت کریں۔“ شہنی نے غصے سے کہا۔ ”سن کی باتیں کٹ کر ہاتھ میں پکڑا دل گے۔“

”کم از کم سامعہ اور مینا کی طرف سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ طارق نے کہا۔ ”وہ ہمیں نہیں ہیں۔ لہذا او بھی حرکت نہیں کریں گے۔“

”تمہارا مطلب ہے کہ جبیں کسی انصافی گیرے کی سن ہے۔“ اسد بھڑک گیا۔ ”اس کی طرف سے بھی مطمئن رہو۔“

”چلو دیکھیں گے کہ لڑکیاں کتنے پانی میں ہیں! شہنی نے آنکھوں پر ہاتھ رکھے۔ ”بہ سونے کی گرو ہمیں تو جانا ہے اس نم دونوں پر اسے سوتے رہو گے۔“ اس نے افسر اور طارق کی طرف اشارہ کیا۔

”اب ہمیں بھی یہ خود ہی جانا ہے۔“ افسر نے اطلاع دینے کی بجائے کہا۔

”خوب لگتا ہے۔“ اسد نے کہا۔ ”اسد خوش ہوا۔“

”خدا ہو گی۔ کیا سوچیں گے وہ لوگ ایک ان تم جلدی گھر میں آئیں گے۔ رشتے کی نزاکت کا احساس نہیں ہے گھر میں۔ ایک دن ذرا پہلے آپا نے سے کہنی دیوالیہ تو نہیں ہو جائے گی۔“ وہ کلن دیالے امی کی بڑ بڑا بیٹ سن رہا تھا۔ جیسی ابو کی مداخلت سے اس کی غلطی خلاصی کرائی۔

”آپ اس وقت تک بیٹھے رہیں گے جب تک ہم بوڑھے نہیں ہو جاتے۔“ انہوں نے کرک واد آواز میں بوا سہ دیا۔
 ”ابو جلی! آپ تو کبھی بوڑھے نہیں ہوں گے۔“ طارق منگلیا۔ بوا! انہوں نے کڑے تیوروں سے اسے حورو۔

”بھگوانا کب۔ چاہتے ہیں کہ میں بوڑھا ہو جاؤں۔ کمال جا سیری اولاد اور میرے ہی بارے میں برا چاہتی ہے۔“ ان کی تنگی سراسر سنوئی تھی۔ جیسی میا شیر ہوئی۔ ”ابو جانی! آپس بھی لے چلیں نا۔“
 ”بس میں نے کدہ دیا۔ تم لوگ۔ بس ان کا استفہلی کو لے آؤ۔“ حتمی لہجے میں کہہ کر انہوں نے بات ختم کر دی۔ بحث کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔ سو اب وہ گھر پر انیس خوش آمدید گانے گانے تیار تھے شفا سے لے کر سبھی کو سہ چینی تھی۔

”ایسا نہ ہو شفا صاحبہ منی انکرت فور باؤز میں پرے جھٹائی چلی آئیں۔“ انہوں نے خدشہ ظاہر کیا۔ ”پھر تو بے چارے امجد کی امینوں کا چرل گل ہو جائے گا۔“

”نہیں یار! ایش اور آئی کی تربیت میں کسی کی کا اہلکار نہیں ہونا چاہیے۔“ انہوں نے بھینکے میں کہا۔ ”اور یہ سب وہاں میں بھی ہو کر چلے ہیں۔“ حتمی اور عقیل اور حتمی نظر آئی ہے۔“

”شفا سے ملنے کے بعد انہیں احساس ہوا کہ شمولی نے جی ہی کہا تھا۔ وہ شمولی کا لباس پتہ خاصی پر اعتماد اور چونڈ دکھائی دے رہی تھی۔ چونکہ باقی پارہ وہاں رہتے تھے۔ ایک جھک سی آگے گدی ہو گی۔ لڑکوں نے تو جو جو گونگے کا کرکھا لیا تھا۔ سب ہوں پاپ ہو کر بیٹھی تھیں جسے منہ میں زبان ملی نہ ہو۔ طارق کو ان لوگوں پر سبہ ملنے غصہ آ رہا تھا اور خواتین کے ساتھ کسی گز بھری زبان ہونے فادعوی کرتے ہیں۔“
 ”یہاں پر کچھ نہیں ہونے۔ یعنی سامعہ ایسا اور شمولی کو کچھ نہیں ہونے۔ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ شفا کا آواز کمال سے کیا جائے!

”خدا بخوانا ہے چارے کو کیوں پریشان کر رہی ہو؟ کوئی سرکاری جاب تو ملنی ہے کہ جب تی چاہے چھٹن لے کر بیٹھ جاؤ اور ہم چارے ہیں انہیں لینے ایک امجد کی نیر ہوگی سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔“

”کیسے فرق نہیں پڑے گا؟“ وہ لڑچ ہو گئیں۔
 ”بھانپتے بیٹے کو سمجھانے کے لانا اس کی طرف داری نہیں گئے۔“

”تم کبھی سمجھ کرتی ہو۔ کون سا بھی پارت چارہ ہی لے کر نہ لے کر آؤ۔“ وہ بوا ضروری تھا۔
 ”مداہنی کی کبھی نہ لے کر آؤ۔“ انہوں نے کہا کہ تک۔
 ”یہ بوجھت چھوڑ کر آؤ۔“ انہوں نے کہا کہ پندرہ میں انت شہدہ لوگ اسے لے کر آؤ۔“ انہوں نے کہا کہ پندرہ میں پھر ہوا ان خصوص جملہ کہتے ہوئے انہیں حرکت ہوں۔“

”بھانپتے بیٹے خوش رہو تم لوگ۔“ یہ بھی لڑچ ہو گئیں۔
 ”گھٹت با سلطان ہو نا تھا۔ رشتہ داری اور صبر اور صبر۔“
 ”بھانپتے بیٹے شمولی میں اپنی دست سخت تھیں۔ بی بی ایسا نہ کہہ سکتے ہیں۔“ انہوں نے کہا کہ غل اندازی کرتی تھیں اور وہ لڑکے کے ساتھ تھے۔ غل دیا انہیں پسند نہیں تھا۔ ان کا روز شمولی کے ساتھ رہتا مگر بڑے ہونے پر وہ شمولی کے ساتھ رہتی تھیں۔
 ”کوئی کچھ ایسے روت نہیں جائے گا۔“ انہوں نے کہا کہ خدشہ ہے۔
 ”خوش رہو۔“ انہوں نے کہا کہ خدشہ ہے۔
 ”انہوں نے کہا کہ خدشہ ہے۔“ انہوں نے کہا کہ خدشہ ہے۔

”ہر بچوں کی صف میں کب سے شامل ہو گئے! شمولی نے سہ بڑا بڑا۔“

نفا اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر سب کے چہرے شاید
منہ زبانی یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”میں۔۔۔ افسوس۔۔۔ شوبلی کا فرسٹ کلاس۔ سب
سے پہلے افسر نے ہمت کی۔

”اچھا! کون سے محلے کے؟ شفا نے دلچسپی سے
اسے دیکھ لیا۔

”یہ کئی دنوں پہلے کے گریڈڈ ڈیوٹی ہونے کے ایک
بہت بڑے افسر ہیں۔ شوبلی نے حسب اس کے سوال کا

جواب دیا۔ افسر اس تعارف پر کھل کر ہنس پڑا۔

”اور یہ وہی افسر ہیں جن کے بارے میں ایک بڑا
مشہور فلمی ڈانک ہے کہ سب سے اترا میرا بڑا افسر ہے۔

کیا ہے بل یا اب تو یہ سلائی مشین چلانا بند کر کے
طارتی نے شفا کی مصلحت میں اضافہ کیا۔

”واقعی؟ اس نے آنکھیں پھیلائیں۔ ”کون سی
فلم کا ڈانک ہے؟

”موتو جی کو کچھ خبری نہیں۔ شوبلی نے ماتھے پر ہاتھ
لدا۔ ”یہ ہماری ہر وہ سری فلم کا ڈانک ہے۔

”آپ مذاق کر رہے ہیں۔۔۔ اسے یقین نہیں آتا
تھا۔

”جی بی ہمارے ہیں ہلائی ڈی طرح کی فلمیں نہیں
ہوتیں۔ شوبلی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”یہاں نہ ایکشن ہے اور نہ فکشن صرف نشتر ہوتی
ہے ہر کردار اتنا تیس ہوتا ہے کہ چلا چلا کر مکالمے

اور کچھ جاتے ہیں۔ یہ وہ ہیروئنوں کے ساتھ وہ سنگ
باتیں اتنی بلند آواز میں کرتا ہے کہ سارا محلہ سنتا

ہے ہمارے ہیں ڈانس کے ہم پردہ من کی ہیروئن
کہتوں میں اچھل کود کرتی پھرتی ہے جس کی وجہ سے

کمزری نعلیں پتہ ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات تو
زیرے کے جھکے بھی محسوس کیے گئے ہیں۔ اس نے

بڑی تفصیل سے پاکستانی فلموں کا نقشہ پیش کیا۔ شفا
کی آنکھیں ہارے حیرت کے پھیننے کے قریب ہو گئی

تھیں۔

”ہماری فلموں میں ایک تھمہ ہارنے سے اتنا شور
ہوتا ہے جتنا سلی اور وہ سری جنگ تنظیم کی فلموں میں

بھی نہیں ہوتا۔ افسر نے اس کی حیرت میں مزید اضافہ
کیا۔

”شرم نہیں آتی۔ اپنی چیزوں کی برائی کرتے
ہوئے۔ ملاحظہ سے برداشت نہ ہوا تو بول پڑی۔

برطانیہ ہٹ لڑکی کے سامنے اپنی فلموں کی بے عزتی
اسے اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ بجلا اپنے دہی کو کھٹا

کرن کہتا ہے!

”میں تو اپنی خامیاں بتا رہا تھا۔ جب تک خامیوں کا
اساس نہ ہو اصلاح کیسے کی جاسکتی ہے؟ شوبلی کی

بات بالکل درست تھی۔ ”اسٹیشن ملازمین نے کیا ہے
اور ہماری فلم انڈسٹری میں اتنی تیز نہیں تھی کہ

اور کوئی ملنے کے فرق کو سمجھ سکے۔ وہ جھجھکیا اور چلا
چلا۔

”میں سمجھ گئی آپ وہی افسر ہیں جس کے دور
میں آئے ان فلمیں سلائی مشین چلانا بند کر دتی ہیں۔

اس نے کوششیں کر کے کی غرض سے شرارت
سے افسر کی طرف سے۔

”یہ میرا نام ہے محترمہ اپنا تعارف کروانے کے سلسلے
میں آپ کی مصلحت خاصی ہے۔ اس نے جھلک بوجھ کر

جلد اور حور اچھوڑ دیا کہ عمل مند کے لیے اشارہ کافی
ہوتا ہے۔

”مجھے معلوم ہے۔ وہ مسکرائے۔ ”میں تو مذاق
کر رہی تھی۔

”بھر ٹھیک سے میں مذاق کا برا نہیں مانتا کرتا۔
”یہ تو بہت اچھی عادت ہے۔ وہ خوش ہو گئی۔

”اور ہلی لوگ! اس نے سوالیہ انداز سے جہنم پر نظر
ڈالی شوبلی اور اس کے بھائی بنوں کو وہ اچھی طرح

جانتی تھی لیکن ہلی چہرے نا آشنا سے لگ رہے تھے۔
شاید تصویروں میں دکھاتا لیکن ٹھیک طرح یاد نہیں

آ رہا تھا۔

”یہ میرے چھوٹے بھائی ہیں بلال عرف۔ بلو۔ افسر
نے بلال کا اپنے انداز میں تعارف کرایا اور وہ اپنی اچھی

ابھی اچھلو ہونے والی عرفیت پر تڑپ کر رہ گیا لیکن یوں
کچھ نہیں کہ جسے بھائی سے منہ دکا کر اپنا سلا تاڑ

غلط قائم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کو غلط سلاہت عرفیت رکھنے میں کمال حاصل تھا اور وقتاً فوقتاً وہ اپنی لاپرواہی سے عرفیت میں ردوبدل کرتا رہتا تھا۔ اس کی اس عادت سے ابھی عاجز تھے۔

۳۱۔ اس کی پھولی بہن ہے جبین عرف۔ جو باور بھائی تو بہت عزیز تھے۔ اس نے مزید تعارف کرایا۔

”جی نہیں سوائے شہلی بھائی کے ہم میں سے کسی کی کوئی عرفیت نہیں ہے فن کو تو ہمیں شوق سے اٹنے سہولت سے ہم رکھنے تک جبین نے فوراً بد اخلاقت کی۔

بھلا وہ اپنی بے عزتی پر ہواشت کر سکتی تھی اور وہ بھی اس کے ہاتھوں۔ ایسا تو ممکن ہی نہیں تھا۔ شفا کی ہنسی نکلتی تھی اس کے انداز پر۔ پھر جیسے اسے ایک مدعا آیا۔

”وہ نہیں ہیں؟ اسد کا نام لیتے ہوئے اسے کچھ پتہ چلا ہے؟“

”نہیں کون شہلی مجھ کو انجان رہا۔“

اس اسد کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ اس کی بار اس نے دیکھ کر سب سے ہم لیا۔ (آخر یہ طایفہ میں پہلا بڑھی گئی)

”ہیں اسد اس نے حیران ہونے کی آنکھ کی۔

”بار کھلی ہوا جاتا ہے وہ آج کل؟“ طایفہ نے پوچھا جیسے کسی چوائے کے بارے میں پوچھ رہا ہو۔

”ہیں ہوا جاتا ہے۔ اپنے کراچی میں۔“ طایفہ نے جواب دیا۔

شفا کو کچھ تو ہی ہوئی۔ معلوم نہیں موصوف نے کیوں نہیں لپٹے۔ بار طایفہ میں قیام کے دوران اسد نے بھی فن سے زیادہ فکرمندی کی کوشش نہیں کی تھی۔ کہیں یہ متناظر نہ لے لیا۔ اس کی بے زاری کا مظاہرہ نہیں ہے اور ایسے ہی۔

”بھائی کو آتش کا کوئی پلم تھا۔“ جبین نے کہا۔ اس کے تاثرات بڑھ کر وضاحت کی۔ ”دور نہ وہ اس سے ملنے کے لئے بہت بے چین ہو رہے تھے۔“

”ہیں کابو چھتا تو وہ سر کے بل چل کر تم سے ملنے کے لیے آئے۔ شہلی کی بات پر وہ سسکادی۔“

”کیوں کیا فن کی ناگہمیں وارغ مفارقت دے گئی

اس؟“ انک انک کر حملہ لڑا کیلا۔

”ہیں۔ اتنی گاڑھی اندھا سب حیران ہوئے ایک ولایت پلٹ لڑکی کی جناب سے ایسی فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ ہوا تو حیران کن تھا۔“

”کچھ مشکل الفاظ میں نے رٹ رکھے ہیں تاکہ تم لوگوں کے سامنے رعب متا سکوں۔ وہ نہیں۔“

”تو پھر جن لوگ ہم کسی کے رعب میں آنے والے نہیں ہیں تمہارا یہ رہا چنانچہ ہم گیلہ طارقی نے بے نیازی سے اطلاع فرما دی۔“

”مشیر یہ تو مذاق کی بات تھی۔ دور نہ میری اردو اتنی کمزور نہیں ہے۔ وہ سچیدہ ہو گئی۔“ اور بھتی میری رواں اردو پر ہم لوگوں کو اتنی حیرت کیوں ہے۔ اسیر سے

مئی لور ڈیڈی کی آدمی زندگی تو پاکستان میں گزری ہے میں نے اردو ان سے سیکھی ہے۔ مگر میں ہم اپنی اسی باری اور پیشگی زبان میں گفتگو کرتے تھے تاکہ ہمارا تعلق اپنے وطن سے لور اپنی زبان سے قائم رہے۔

”یہ تمہاری اپنی طئی ہے شفا لور انکل اپنی کی بھی کہ وطن سے دور ہوتے ہوئے بھی اپنی ثقافت اور اپنی زبان کو محترم جانا اور ان سے تعلق استوار رکھنا

دور نہ ہمارے ہاں تو یہ ریت چل نکلی ہے کہ یہاں کی مشہور و معروف شخصیات زیادہ زانگریزی میں ہی بات کرنا پسند فرماتی ہیں لور جو بھی اردو میں بات کرنا

ہے تو سب یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کی اردو اتنی اچھی نہیں ہے اسی لئے وہ انگلش میں بات کر رہے ہیں۔

حالا کہ ہمارے نقطہ نظر سے یہ ڈوب مرنے کا مقام ہے اگر انسان اپنی باری اور قومی زبان سے آشنا نہ ہو۔ طارقی نے دل کی بھرا اس نکلا۔

”تم حیران ہو گئی ہمارے الیکٹرانک سیز کی بعض نشریات دیکھ کر اور سن کر۔ سامع نے طے ہوئے بجے میں مزید انکشاف کیا۔“ کچھ لوگ کس طرح اردو کی

تعمیر کرتے ہیں۔ انگلش کا کوئی لفظ بتا کر کہیں کے ہرگز نہ سیکھی نہیں نہیں معلوم کہ اسے اردو میں کہا کتے ہیں۔ کئی بہت قابل فخریات ہو۔ اس کا جو سرخ ہو گیا تھا۔ ایک ایسی خوش و خرم جس پر

وہ اور اس کے لیے بہت سے دوسرے نفاذ اپنا دل جلا سکتے تھے لیکن کچھ کر نہیں سکتے تھے۔

"تمہاری امداد میں کراہم اسی لئے حیران ہو رہے تھے کہ جب وطن میں رہنے والوں کا یہ حال ہے تو پھر پردیسیوں سے کیا توقع رکھی جائے! افسر نے وضاحت کی۔

"بلکہ افسر کا تو یہ خیال تھا کہ تمہارا کمرٹ میں بیوس ہوگی۔ شہلی نے بتایا۔

"عامانہ دل والا تو ہے وہ جینٹلمن کی طرح نہیں ہے جو میں مانگے گا لہاں نہ سنی۔ بسنی میرا کمرٹ ہے۔

گھر میں رہ رہا ہوں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ چڑیا کی کھلی پن سے اسی طرح میرا خیال ہے کہ مسلمان کہیں بھی رہے اسے مسلمان ہی رہنا چاہیے۔"

"تمہارے خیالات مجھ سے کس قدر ملتے ہیں! شہلی اس کے برابر آئی۔

"صرف تم سے ہی نہیں بلکہ ہم سب سے اس کے خیالات ملتے ہیں! افسر نے فوراً براہ غلطی کی۔

"خدا کا شفا کو امیر نہیں کر کے رقیب رو سیاہ سواری رقیب رو سفید بننے کی کوشش مت کر۔"

"کبھی افضل کی باتیں ہو، وہ شرمندہ ہو گیا۔ سب کو اپنی طرح مت سمجھا کر۔ وہ ابھی مزید اسے بگڑتا کہ نور نے اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔

"اسد بھائی آچکے ہیں۔ گلی کے گلزار کھڑے آپ کی بلار ہے ہیں۔" اس نے سرگوشی میں بتایا۔

وہ اسد کے پاس پہنچا تو دیکھتے ہی اس پر چمکے اور۔

"ایک ٹھنڈے سے باہر کھڑا خازن ہو رہا ہوں۔ نور باہر نہ نکلا کسی کام سے تو میں بس کھڑے کھڑے فوت ہو جاؤں سب اندر مرے ہونے نہ کسی کو میرا خیال نہیں آتا۔" وہ خاصا بے زار لگ رہا تھا۔

"باہر کھڑے ہونے کی کیا ضرورت تھی! گھر میں بلک کر نہیں بیٹھ سکتے!"

"گھر جا کر دیوانہ دل سے سر پھوڑانا با فرنیچر سے

ہاتھ کرنا! گھر والوں نے تو ہمارے گھر ذریعہ والا ہوا ہے۔" منگھلایا ہوا جواب آیا۔

"دماغی اس کے ساتھ زیادتی ہو گئی تھی۔ سب اسے گھر فراموش کر کے شفا کے ساتھ باتوں میں گمن ہو گئے تھے۔

"شام کی جائے تک نہیں لی میں نے نہ بھوک سے مزاج دار ہوں۔"

"ایک دن چائے ہے چلیے۔ میں نہیں بھوکے! شہلی نے اسے گھورا۔

"مجھ جیسے چائے پینے والے نے چڑی کے پاس سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ میں واقعی اور نقلائی کر چلاؤں گا۔"

"تو اب کبھی کبھی کہتے ہیں کچھ۔" اسے اسد نے نرس آبلہ "تو اب کبھی کبھی سنا ہوں ایک بڑھایا ہوا کہیں سے سنا تھا کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے چائے پانی کا انتظام کرے دیے بھی نہ ہوں کہ کھینچ لھاننا عین کار تو اب ہے۔"

"کیا! میرے بارے میں ایسے کھتا اور پتے لگاتا ہے! وہ تھلا گیا۔

"تھک ہے بھو۔ میرا کہا ہے ابھی رہا ہوں شفا کے سامنے اپنی انٹری تم کرنے رہنا اتفاق۔ وہ طیش میں بھرا ہوا شہلی کے گھر کی طرف چل رہا۔

"آؤ بھائی! میرے میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔" اس نے اسد کو بازو سے پکڑ کر روکا۔ "نفسہ تم کو دد اور حرو کو نے میں۔"

"ایک مسئلہ اور بھی ہے۔" وہ رک گیا تھا۔ "میرا انکل اور اتنی سے ملنا ضروری ہے۔ ورنہ وہ سبھی طرف سے بدگمان ہو سکتے ہیں۔"

"تمہاری بات درست ہے۔ شہلی نے سوچ انداز میں کہا۔ "تج تم نے ان سے ملاقات نہ کی تو وہ سمجھیں گے کہ لڑکا ہنس پر چڑھ گیا ہے۔" وہ خود ہی دیر تک اس مسئلے پر سر کھپانے رہے۔ آخر کار وہ طے پایا کہ جبکہ جنریشن شفا کو اسد کے گھر لے جائے گی اور اس مسئلے سے فائدہ اٹھائے ہوئے اسد شہلی کے

ساتھ اپنی ہونے والی سائن لورس سے ملاقات کر لے گا اور پھر کچن میں جا کر کچن کچی اشیاء سے اپنی بھوک مٹائے گا۔

اسد شفا سے ملنے کے لئے پوری طرح تیار تھا۔ آج بھونے ماہیوں کے میاں سب کی دعوت تھی۔ اس نے مصروفیت کا بہانہ بنا کر معذرت کر لی تھی اور اب بدگرام کے مطابق ڈنر سے فارغ ہو کر شفا کو میاں لایا جانا تھا آگہ وہ اپنے ہونے والے شوہر امداد کا زہر لار کر سکے۔ وہ خاصی محنت سے تیار ہوا تھا۔ گھر سے نکل کر رنگ کی پینٹ گھر سے نیلے رنگ کی شرت پر زرد پٹی اور سر پر ہلکا والی ڈوٹھی پہن رکھی تھی جسے دیکھ کر بھونے لگا تھا جیسے سر پر بکری کا پتھر اٹھایا گیا ہو۔ اس نے کچن میں مصروفی کے بعد اس کو ملنے کا لباس منتخب کیا تھا۔ وہ کچن میں سبز سے مدد لے کر۔ الگ سے شاپنگ بھی کر چکی تھی۔ چونکہ اس قسم کی خراجات تبدیل گھریں میں سے نہیں کیے جاتے تھے اس لیے ان گھریں کی خریداری کرتے کرتے ان کی خریداری تھی۔ نہر چلایا اب وہ تیار تھا۔

اسد یہ تم ہو! بھونے نے دکھا تو ہنس پھینک کر بولے۔ پتہ ہو گیا۔
 آج کل کے ماہیوں میں؟ اس نے متوار سے بے میں نے جو ہے۔
 ایک بڑے بڑے مٹا ہونے والی اس سٹو اور وی۔ شفا نے کسی کی نوپا گل ہو جائے کی شفا نے بھونے کے رہا تھا۔
 اسد بھائی! بالکل سرکس کے تجربے کرتے ہیں۔
 بھونے نے اپنے ہمارے بھائی کو اس لیے میں نے جو ہے۔
 وہ پائی ہوئی۔ ہم کریں ہر ٹانگ ورنہ میں ان کے شکایت کر دوں گی۔ اسے یہ سب ایک آنٹھ میں بہا کر خانا اس کمرہ میں لے لے میں شفا کے ساتھ اس کے بھائی کی کیا عزت رہ جائے گی۔
 شوہر اور جو تم نے رنگ میں بنگلہ۔ اللہ! انہر میں

وقت بر میدان میں کود پڑا۔ وہ اٹھی ابھی آیا تھا۔
 "اب تو اپنی زمین بند رکھا کریں۔ اس نے ترخ کر بواب دیا۔"

"جیو! وہ سلطان رائی کے انداز میں چلا با۔
 "تھماری جرات کیسے ہوئی میرے سامنے لڑکی آواز میں بات کرنے کی؟"
 "جیو! انم میں سے جاؤ۔ اسد نے بروقت مداخلت کر کے اس کو اس کے ہاتھوں خلع ہونے سے بچایا۔ وہ منہ بنائی اور اس کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورتی ہوئی باہر نکل گئی۔"

"ابھی اب میں شفا کو لے کر آتا ہوں۔ بھونے اسے اپنے چلا گیا۔
 "میں چھت پر رہوں گا تاکہ اگر ہمارے بڑے آتے نظر آس میں تو تمہیں اطلاع کیا جاسکے۔ تمہیں انفارم کر سنے کے لئے میں لوکی آواز نکالوں گا۔ تم فوراً اپنے گھر سے میں ملے جاؤ۔ بہ نہ کرنا ورنہ رگے ہاتھوں پکڑے جاؤ گے اور ہمارا سارا پروگرام بھرا کا دھرا د جائے گا۔ ڈانٹ الگ پڑے گی۔" اس نے اسے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ ویسے ہر نہیں لوکی آواز نکالنے سے بچنا ہر محنت میں کرنی پڑے گی۔"
 "بھونے نے بھونے کی کوشش مت کرو۔
 "شفا کے ہاتھوں میں شفا کو دیا گیا اس نے سخت پرمان کر اسد کو دھمکی دی۔
 "ارے تم تو میرے پارٹنر دوست اور سگن ہو۔
 وہ اس کے گلے لگا رہا تھا۔ بھونے نے شفا کو بتایا۔
 "میں شفا کو زانگہ دم میں تھا آتا ہوں۔ وہ اور دفتر چھت پر پلے گئے۔ اسد شفا کے پاس آیا تو وہ ملازمنہ نظروں سے ہر چیز کو دیکھنے میں مصروف تھی۔
 اس کے ہاتھوں نے بڑھائی کی طرف متوجہ ہونے سے بچنے کے لئے بھونے نے اسے ایسے ایسے بچے ہوئے کر کے اس کو سگن ہونے سے بچا دیا۔
 "کھان بیل آتا ہے؟" حیرت زدہ سے انداز میں سوال

”ہم اسد ہیں۔ فوراً جواب آیا۔“

”اسد! مارے صدمے کے وہ گنگ رہ گئی۔ اس نمونے کے ساتھ زندگی گزارنے کا خیال ہی سونہا مدح تھلا۔“

”اعلیٰ کیجئے گا پہلے آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ روزی کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں اس کے گل کوچہ جاہلی میں حاضری دینے کے لئے توجہ خالص اہتوں کی طرح ریدے پھلائے وہ اسے دیکھتے ہوئے کب رہا تھلا اس کے انداز پر شفا کو کوفت ہونے لگی۔ ایک لمحے میں اس کے دل نے اسد کو نامعلوم کر دیا۔“

”ہمیں چلتی ہوں۔ وہ دروازے کی طرف بڑھی۔ اس فضول سے شخص کو وہ ایک منٹ کے لئے بھی برداشت میں کر سکتی تھی زندگی گزارنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

”اور محترمہ! ایسے کہنے جا سکتی ہو!۔ وہ اس کا راستہ روک کر کھرا ہو گیا۔ ابھی تو میں نے تمہاری من موہتی صورت کو ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں۔ ایساں سے تم بڑی ظالم ہو۔ اور وہاں یہ حل ہے کہ تمہارے عشق میں کھینچ و زار ہوئے جاتے ہیں۔ کھانا پینا سونا جاگنا سنا دھونا کھانا بیٹھنا سب محبت میں بھلائے بیٹھے ہیں۔ دلی بھر کر وہ بھڑا اور کلی سب تمہیں رکن کر چکے ہیں۔ وہ بغیر فعل اسباب اور توڑے کے بول رہا تھلا شفا کا غصے کے مارے برا حل ہو گیا۔ ”شٹ اپ اپنا نازو کاٹھ کباز آپ اپنے پاس ہی رکھیں مجھ کو رکن کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”جھے ”شٹ اپ نہ کہو شفا! وہ دلی صورت بنا کر بولا۔ ”میں مردوں کا شمار ہے بغیر۔“

”آپ جیسے بے گئے الو کے پچھے اتنی آسانی سے نہیں مرا کرتے۔ مارے غصے کے وہ اوب و آواب سب کچھ بھول چکی تھی۔ ہائے ان کو دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق نہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حل اچھا ہے! اس نے اتھلی اٹھانہ انداز میں شعر راجد شفا کو اس کے کھل پائل ہونے کا پکا یقین ہو گیا۔ بے

چارے والدین نے شاید محبت میں اس پتلے بھرتے پائل خانے کو گھر میں رکھ جوڑا ہے۔ وہ نگوٹ سے سامنے کھڑے اسد کو دھکیل کر آگے بڑھ گئی۔

”مٹی ٹپکے وہ پیچھے دوڑا۔ ”ہمیں تمہاری محبت کے سمندر میں گردن تک غرق ہو چکا ہوں۔ تم میری چاہت کو آزما سکتی ہو میں تمہاری خاطر پار سے چھلانگ لگا سکتا ہوں۔ بشرطیکہ بہانہ صرف پانچ فٹ بلند ہو۔“ وہ اس کی بکواس سن کر ان کی کھینک پر نکل گئی۔ اس کے باہر جاتے ہی اسد نے بڑی مشکل سے ہنسی کو دھائے ہوئے تھا جس میں اس نے اپنے اور شفا کے باہر کی سب کو سنا ہے۔“

شفا مسلسل سوچتے چلتے ہوئے کہتے ہیں ایک سرے سے وہ کسے سے کسے کسے کسے کسے کسے کسے کہ سامعہ، جبین اور بیٹا بیدار ہو گئے۔ ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ”مگر تم اسی طرح شیطانی تو نہیں کرو تمہاری ناکسیں تمہیں کر آدمی وہ جا میں کی۔ جبین کے اپنے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی۔“

”آخر ہوا کیا ہے؟ کچھ ہمیں بھی بتا چلے! اسامہ نے زرب لب مسکراتے ہوئے پوچھا۔“

”جبین تمہارے بھائی ایسے کیسے ہو گئے؟ جبین میں تو خاصا معقول سلجھا ہوا بچہ تھے۔ وہ رو دینے کو تھی۔“

”بھلا ایسے سے کیا مراد ہے تمہاری؟“

”ایک دم کارٹون؟“ اس کی نظروں میں اسد کا سراپا گھوم گیا۔

”کچھ بتاؤ کچھ بڑھا لکھا بھی سے موصوف نے یا تم لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہو؟“ وہ شک و زن سے انداز میں نہیں دیکھ رہی تھی۔

”ہم نے کوئی غلط بیانی نہیں کی ہے شفا۔ وہ تعلیم یافتہ بھی ہیں اور اچھے خیالات کے مالک بھی۔ جبین نے بھائی کی حمایت کی۔“

تھی لیکن شفا کا خیال کرتے ہوئے میں نے کبھی
 مزاحمت نہیں کی۔ اسد کے سوا سب گئے تھے۔ اس
 اوٹ پڑا تک بلبے میں اگر وہ باہر جاتا تو سب کی ناک
 کھینچا جاتا۔ مجھ کو بھی اس میں وہ گھر پر ہی رہا۔

”یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ جب تک یہ لائق جاری
 رہتا گا وہ ہمارے کسی بھی حکم میں حصہ نہیں لے
 سکے گا۔ طارق کو اٹھائیں۔“

”اسد سب لے کر آفریقہ کرنے کے نفاذ تھے اس لئے
 کسی ایک کی ہی بھی بہت شدت سے عکس ہوتی
 تھی۔“



شفا کو علی الصبح اٹھنے کی نوبت تھی۔ آج بھی
 حسب معمول اس کی آنکھ سویرے ہی کھل گئی۔ اتوار
 کا دن تھا۔ اس لئے سب سوئے ہوئے تھے۔ صبح کی
 ٹھنڈی ہوا کا مزہ لینے کے لئے وہ لان میں آگئی۔ موسم
 بہت خوشگوار ہو رہا تھا۔ وہ لمبی لمبی سانسیں بھر کر تازہ
 ہوا اپنے اندر اندر لے رہی تھی۔ تم آگے نکھاس پر تنگے پاؤں
 چلنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ یہ کسی آنکھیں موند کر اس
 نے آسٹریلیا کی طرف رخ کیا تھا کہ کسی سے بڑی طرح
 نکلا ہے۔ میرا کر آنکھیں کھولیں۔ سامنے ہی اسد
 بیٹھ کر عکسوں میں لباس میں اسٹون۔ چھینے شکل لئے کھڑا
 تھا۔ اس کی جینٹ پر سیاہ اور گرین دھاری دار شرت
 پہنے تھے۔ اس نے اپنا ہوا سا رخ بدل لیا۔ اس کی جینٹ بل کر
 رہی۔

”ہائے شفا! اس نے پوری تیش کی نشانی کی اسے
 معلوم تھا کہ شفا عریض ہے۔ جیگ نہ دینے سے سویرے
 تیار ہو کر آتا تھا۔“

”جیج تیرے اسد بہاؤ کی بی بی۔ اہانت نکال۔ اس
 کے پاس بی بی جینٹ ہائے کا ساکھنا کر رہا تھا۔ اس کا
 ہاتھ اس کے راتوں کا پورا سبٹ نکال کر اس کی
 کمر باندھ دیا۔“

”یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ جب تک یہ لائق جاری
 رہتا گا وہ ہمارے کسی بھی حکم میں حصہ نہیں لے
 سکے گا۔ طارق کو اٹھائیں۔“

”خوش ہے اچھے خیالات میں سن چکی ہوں۔ مجھے تو
 تم سے انہوں نے ساری عمر گھاس کھودی ہے یا نکل
 چکا ہے۔“

”یہاں ہڈیاں شفا! ہم لوگ خودوں کی حرکتوں سے
 بچوں ہیں۔ اسد نے مصنوعی رقت طارنی کرتے
 ہوئے کہا۔“

”میں خود شرمندگی ہوتی ہے بن کی حاضری
 پر۔ یہ سب نے بھی اس شکل بتائی۔“

”لیکن یہ سب ہوا کیسے؟ حسداری۔ خیالی میں تو سبھی
 مذہب اور شاکست ہیں۔“

”میں میں یہ سب عمران سیریز کا کابو چرا ہے۔
 علی عمران کے لئے گرویدہ ہیں کہ بالکل اسی کے انداز
 میں باغی ہو گئے ہیں۔ سب من کا معقولیت کے
 باسے ملنا آتا ہے۔“ ”میں نے اس سانحہ عظیم
 کی وجہ بتانے کے لیے۔“ ”بروقت عمران سیریز پڑھتے
 ہیں اور خود کو علی عمران سمجھتے ہیں۔“

”ہوشیار اس کی پوزیشن کا کابو ہو گئی۔“ ”اسی
 اختلافہ حرائق صرف کیا ہے۔ اس کی پوزیشن اگر
 حقیقت میں ایسے کردار چمکے تھے تو لوگ اسے
 نکل خانے میں بھرتی کر دیا ہوتا۔“ ”میں نے اتنا
 سارے بھائی کو بھی پاگل خانے داخل کر دیا ہے۔“

”یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ جب تک یہ لائق جاری
 رہتا گا وہ ہمارے کسی بھی حکم میں حصہ نہیں لے
 سکے گا۔ طارق کو اٹھائیں۔“

”لیکن۔ اس نے روزانہ کوڑھ پڑی۔“ ”مجھے
 کسی ذیبا انجوائس شخص کے ساتھ گزارا ہے۔“

”یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ جب تک یہ لائق جاری
 رہتا گا وہ ہمارے کسی بھی حکم میں حصہ نہیں لے
 سکے گا۔ طارق کو اٹھائیں۔“

”یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ جب تک یہ لائق جاری
 رہتا گا وہ ہمارے کسی بھی حکم میں حصہ نہیں لے
 سکے گا۔ طارق کو اٹھائیں۔“

اسد پہلے ہنس بھی آواز میں تنگنا با۔ وہ بھنا کر
چلی۔

"ارے ارے میں نے تمہیں دیکھا صرف دیکھا"
مقبوضہ کتھ اس نے باقاعدہ ٹیپیکور کا اسٹائن دینے
کی کوشش کی۔ شفا کو اور کتھ نہیں سوچھا ازلان میں
رکھی گئی تھا اگر اس کے سر پر وہ ماری ہی۔ وہ گراہ کر
رہ گیا نگاہوں کے سامنے پورے افسانے میں طبق روشن
ہو گئے تھے شو سنی قسمت کرنا ہی نہ کہہ سکتے کا وہ باہر
منظر طاری اور شہین نے دیکھ لیا تھا۔

"اگلی لوگوں کو بھی ابھی بیدار ہونا تھا۔ وہ بڑبڑایا۔
"خود ہوئی بار ایک چھنا تک بھری چھو کر ہی گتے
ہٹ گیا۔ طاری نے اسے شرم دلائی۔

"مرد ہو کے ایک لڑکی سے مار کھا گیا افسوس صد
افسوس۔" شہین نے اسے ماستی نظروں سے دیکھا۔
"تس چاہتے ہوئے بھی بولی کاروانی نہیں کر سکا۔"
اس نے سر مٹانے ہوئے کہا۔ "محبت آدی کو بربل
بنادتی ہے۔"

"نسماری محبت بربل ہونے کے ساتھ ساتھ لیلی
اور لنگڑی بھی ہے۔ مجھے نظر آ رہا ہے تمہارا کریک
شدہ مستقبل۔ شہین نے اس کے آنے والے دنوں
کی برفناک انداز میں فہور بھی کی۔ "ذرا کوئی بات
اس کے مزاج کے خلاف ہوئی اور ہاتھ میں اپنی چتر
تسارے اس ہنسنے سے ناراضی پر پہنچ مارے کی۔
اس نے اسد کے سر کی طرف اشارہ کیا۔

"بلکہ میں تو سوچ رہا ہوں کہ شادی کے موقع پر
اسے ایک بھانڈوں تھے میں دس دنوں کو عزم
فٹے میں اسے نصیبار کے طور پر استغناء کہا تمہارا
مرمت کرنے کا بیٹن بھی پرانا ہو جائے گا اور صاحب
بماور بلکہ بادل کا بیٹن بھی پٹن ہونے سے بیخ
جائے گا۔ طاری نے اسے خود پر ہمت شاندار خیالی
پیش کیا تھا۔ اسد سنا سے گھبرا کر نہ گیا۔

"اس خیال میں نہ رہنا۔ وہ فخر مند مکن کی طرف
نہر بھی جس تو میں چھٹی کی طرح بندھا ہوں۔ خوب
گزرے گی تو مل نہیں کے دلوا سٹو۔"

"چھا اب اس بحث کو چھوڑو۔ پہلے سے نکلنے کی
گرو۔ امی نے نہیں اس نلے میں دیکھ لیا تو سارے
کے کرا سے برائی پھر جائے گا۔ کھلی نے اسے باہر
دھکیلتے ہوئے کہا وہ باہر نکلے ہی گھر کی طرف دوڑا کہ
کس کسی بڑی کی نظر نہ پڑ جائے اس لباس ناخروہ
میں خود کسی کو مند دکھانے کے قابل نہیں تھا۔

شفا کو اسد سے لے کر احمد کی نا پوری ہوتی تھی۔
جلا تک پہلے سے پیسے جانے والے بیٹوں میں اسد کی
مغزنیوں کی بھرا ہوتی تھی۔ انہی خشک کھری اور ان میں
اس نے اسد کے خیالی پیکر میں بوسے چاؤ سے رہنے
کھینچے تھے لیکن اس کی مثلی شخصیت کا بت ایک
کھینچے میں پھنس چکا ہو گیا تھا۔

"کس کو تو بربل اور فغول بندہ ہے!" اس نے
بے زاری کہے۔
"اس سحر سے کے ساتھ پوچھا براہ زندگی پر ایک
قدم بھی نہیں رکھ پاؤں گی لیکن چھری زندگی کی بات
ہے!" وہ نہیں رہے قرار سے نکل رہی تھی۔

"حیرت ہے! امی اور ڈیڈی اس سے لڑ چکے ہیں
پھر بھی انہوں نے کسی قسم کی مایوسی یا ہراس نہیں ظاہر
نہیں کی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس سحر سے بااثر
مظہن ہیں اور ان کا اس نسبت کو توڑنے کا وہی ارادہ
نہیں ہے۔" وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر نہر سے
جھک بی۔

"کاش! وہ امی جھٹکے غیر نیلے میں سامنے نہ تھا
ہو مازہ یہ سب کچھ کتنا خوشگوار لگتا!" وہ نچلے لان میں
تھلے ہوئے خوبصورت پہلوؤں کو دیکھنے لگی۔ امی
بھولوں کی طرح نہیں "بھو" اور کوئل اس کی محبت کا
اساس تھا جو سب میں کے سحر سے بین اور تھا انہوں کی
دعوت میں دھیرے دھیرے مرخص ہوا تھا۔ وہ یہاں تھی
اسنے سنا ہے ہونے لوگوں میں ایک نوہ نہ کہان سے
ان مرخص "شہین جھانی اور طاری شرارتی ہونے کے
باوجود کس قدر باوقار شخصیت رکھتے ہیں اور اشرہ"
اس کا بہن تک ہی تک افسر کی طرف چاؤ گیا۔

خمس؟ کوئی رہتا ہے انہیں میں کیا؟
 وہ سسکا دی پھر سنجیدہ ہو کر پوچھنے لگی۔ "ایک
 بات تو بتائیے۔ اسد تب لوگوں سے اتنا مختلف کیوں
 ہے؟"

"اتنا مختلف تو نہیں ہے۔" اس نے حیران ہوئے
 کی اداکاری کی۔ "اس کی بھی ہماری طرح وہ آنکھیں
 ایک ناگ اور دو کلن ہیں۔"

"ہائس ایک دم بھی ہوتی ہنڈر کی طرح۔" شفا کی
 زبردست براہمت پر وہ بے ساختہ ہنسنے لگا۔ وہ اسے
 دیکھنے لگی۔ "تھی ڈرگس نہیں ہے ان کی اور ایک وہ
 ہے جو ہمہ وقت انگور کی طرح دانت گلو سے رہتا
 ہے۔" وہ پھر لاشعوری طور پر اس کا اسد سے موازنہ
 کرنے لگی۔ ان کی آنکھوں میں کچھ تھا جس میں ایک
 دم سے خاصہش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ نپ کی
 شخصیت بہت باور دل ہے۔ "شفا کی بات پر اس کے
 دلخ میں خطرے کی گھنٹی پورے زور و شور سے بجنے
 لگی۔"

"اچھا چلو کسی کو تو میری شخصیت اچھی لگی۔" اپنی
 بوکھلاہٹ چھپا کر وہ جگمگاتے ہوئے انداز میں بولا۔ "اور نہ
 جین کر تو میں ایک دم بوگس اور وابستہ نظر آنا
 چاہتا ہوں۔"

"بہر ذوق ہوگی۔ اب ہر کوئی میری طرح قدر دان
 نہیں رہا تو فرما سنجیدہ۔" ان کی نظروں کے سامنے
 خطرے کا دور اکھنڈ گھر لہرا اٹھتا تھا۔ یہ کیا پتھر تیلے والا
 ہے اس کی تاہم حساب ہے وار ہوئی تھی۔ "نہیں
 یہ چھوٹا سا مذاق کن ہی ٹریڈی میں نے بدل جانے
 لگتا ہے سوچ میں ڈوبا چھوڑ کر اندر چلی آئی تھی۔"

"اسے جلد ہی معلوم ہو پتا چاہئے کہ میرے ہنڈ
 حلق نہیں کے ہم کھنڈ ہو چکے ہیں۔" اس سے پہلے
 ہی اس نے کہا۔ "جس بے لگم ہوں۔" وہ نیملہ کر کے
 ہنسنے لگا۔ "خدا کا خیال نہتے ہی اسے شادی
 طرف چل رہا ہے۔ میں اسے دیکھتی ہوں۔ شادی ہو گئی۔"

وقت شوخی اور شرارت میں بھر رہا تھا۔ لیکن اس کی
 شرارتوں میں حقیقت نہیں بلکہ ذہانت نظر آتی ہے۔
 سستی سے اور پھر کش شخصیت کا مالک ہے۔ "وہ دل
 ہی دل میں اسد اور اس کا موازنہ کرنے لگی۔"

"ہوسو! اسد تو اس کے بیروں کی دھول بھی
 نہیں۔" نتیجہ صاف ظاہر تھا۔ اس کے حلق میں
 نرڈ ایٹھ مہل کی۔ برا سا منہ بناتے ہوئے اس نے
 انہیں نظر ڈالی ڈوبے ہوئے سورج کی شکل کرنوں
 سے بہاؤ مند وری ہو چکی تھی۔ وہ سنسکر کی سحر انگیزی
 میں گر ہوئے تھی۔

"اگر وہ اسد کے ساتھ اس خوبصورت سے کوشیز
 کرتی۔" اس کی سوچ پھر بدیں جا گئی۔ "تب شاید
 انہیں حسن عذرت ہو جاتا۔" وہ صوف کو قیقینا یہ طلوع
 ہو گا اور سوچ ابلے ہونے لگے۔ "افرائی ایڑے کی
 مانند نظر آتی ہے۔" اپنی سوچ پر مسکرا کر وہ کسی نئی
 چیز پر توجہ دے کر نظر کرنے لگا۔ وہ منظر جو اسے سامنے
 اور قدرت کی صنائی میں کھینچ کر اپنے کی نظر میں
 قدرت کے ایک ٹیبلٹ کا رنگ و روایت رہا ہے۔ وہ پھر
 سے مسکور ہونے لگی۔ "جی افسوس! وہ ان کے اسے
 چھو گیا۔" وہ اس وقت ان چھوٹی سی باتوں سے اسے

توجہ دے رہی تھی۔ "وہ ان کے لان میں حد انیاز کا سامنا کر رہی
 تھی اور اسے پھیلا پھیلا کر کہہ ایک دوسرے کے
 کمرے میں کھینچ کر گت سے بنانے کا تکلف کرنے کا
 مشق کر رہی تھی۔"

"میری بے۔" اس نے اس کی طرف کہاں منڈلاتی پھر
 وہی سوچ۔ "ساری خلد اس کے ہاتھوں میں ہے۔" وہیں
 سے اس نے ہاتھ بلند ہو کر اس کی طرف اشارہ کیا
 پڑھیں اور ان کے مختلف آنکھوں کو دیکھ کر
 اور اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا اس ہو؟" اسے معلوم تھا اس کی اب اس کا عجیب
 کے خدا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔
 "نپ کو کیا لگتا ہے؟" وہ انہیں سے پوچھنے لگی۔
 "مجھے تو نہیں ہر وقت اچھا اچھا لگتا ہے۔" وہ یہ
 لگتی ہوئی "میں سنا۔" اس میں اسے پتا چلا۔

وقت گھر سے نکل گھرے ہوئے شیطان کی طرح۔
”ساری چائے کی خوشبو سمجھ لائی ہے مجھے اور
میں کے ذہان کے سے بندھا چلا آتا۔“

”ہاں ہر چائے نہیں بناؤں گی میں۔“ اس نے
سنگ اٹھا کر کہا۔ ”نوروزی وہر میں بھائی آجائیں گے تو
دونوں کو بنا کر دے دوں گا۔ اس وقت تک مہر سے
انتظار کرے۔“ اس فریاد کو دیکھ کر اس نے سیدے
کا اضافہ کیا۔ (پہلی غزوات)

”مگر وہ مرتبہ چن میں رہی جاوے تو نہیں نہیں جاوے
گی۔“ وہ چ کر بولا۔

”تو کیہ رہی ہیں آپ پھولی جان یا آپ کے جسم کی
کیا عزت افزائی ہو رہی ہے؟“ وہ امی کے پاس پہنچ گیا۔
جین بڑی بڑی ہولی مکن میں چلی آئی۔ امی کی بدالت
میں بیٹھے کے بعد اس کی فرمائش کو رو کر بنا مکن نہ
تھا۔ عاقبت اسی میں بھی کہ بنا کے چائے کی پیالی اس
کی تاک رہا روئی جائے۔

”دور اپنا مزہ خوشگوار کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ مزاج کی
ساری کڑواہٹ چائے میں گھل جائے۔“ دروازے
کے فریم میں کھڑا مشورہ دے رہا تھا۔

”مگر اتنی بات ہے تو جا کر اس سے چائے کی
فرمائش کریں جس کے پاس غلوں کی ڈھیر ساری
تیرتی ہوئی ہو۔ مہر پاس نہیں ہے۔“

”بٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے معلوم
ہے۔“ وہ اطمینان سے کرسی سمجھ کر ڈاؤنٹنگ ٹیبل کے
ساتھ بیٹھ گیا۔ ”شاید تمہارے ہی بارے میں اپنے
پند فیر جیل علوی نے فرمایا ہے۔“

ان کی آنکھیں مٹھا مٹھا لیزر کی
لہن کے چہرے میں بٹکانوں سے
گنتی کیسے قریب جائے گا!

”وہاں ہے جس کو بہن بھاری ہے
وہ اس کے تپے ہوئے چہرے کو دیکھ کر مزید بولا۔

”لیکن لوگ سن لیں کہ میں ہوں وہی وارنہو اپنی جان
بھٹائی پر رکھ کر سر سے نین باندھ کے موت کی فرشتی
کے قریب جانے کے لیے تیار ہے۔“ وہ بے ساختہ

مکراہت کو چھپانے کے لیے سرخ سوڑھی
”ہائے بڑی بھدوری اور ہاشمکی ہو تم۔ ہمیں
احساس ہی نہیں ہے کہ دنیا کا حسین ترین ٹوی تم پر
مرتا ہے۔“

”یہ تم نے کہا کہ آپ حسین ترین آدمی ہیں۔“
اس نے ایک ایک لفظ پر زور دے دیا۔ ”اس نے شکر اکر
انکشاف کیا۔“

”کننے سے پہلے آئینہ دیکھ لیتے تو کھلت
معلوم ہو جاتی۔“ اس نے پوٹ کی۔ ”تو کھلاؤں ان کی
آنکھوں میں جھانک کر بولا۔“

”تو کھلاؤں ان کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔“
نوروزی کی آنکھوں میں کچھ زیادہ ہی درد و مشک ہو رہا تھا۔
جین کے چہرے پر کچھ سو گئے۔ لڑکوں کو پہلی سے
انہوں میں اور کچھ لڑکیوں کی۔

”چائے نوش فرمائی آپ نے اب چائے پیل
سے تھے ہزاروں حکم کرنے ہیں۔“
”مرا اپنا حکم کرو۔ میں اپنا حکم کر رہا ہوں۔“
کے سامنے ہم کہہ کر آہو گیا۔ ”آنکھوں میں چائے
بلکورے لے رہی تھی۔ جین کے لیے سبزیدہل غم
دشوار ہو گیا۔“

”کیا نہ کہیاتے تب کو امی آنکھیں تو کیا سوچیں
گی! اس کی نظروں کی چٹیاں سے جھرا کر پو بول۔
”سید بھائی آگے تو دونوں سے سزا دیا۔“

”سزا بھانسنے کے لیے پہلے سزا کرنا ہو گا اور یہ بات
طے شدے کہ وہ اپنے ہونے والے سبوتی کو گنجا کرنا
ہرگز پسند نہیں کرے گا۔“ اور ہلا کا اطمینان تھا۔

”دورانے استخوان سے فارغ ہو جائے۔ وہ مہر نہیں
اپنے گھر متکوٹوں تک است نہیں نہیں۔“

”ہو نہ۔ منہ دھو رکھی اپنا اتنا آسٹن نہیں ہو
کا جسے منگو اتا اور۔ کیا مطالبہ اس کی راٹن یا سوا
سلف پاپ کی چیزوں کو مجھے منگوا یا جائے گا۔“ اس
نے نوروزی پر ہل ڈال کر کہا۔ ”دانا“ عرض ہے کہ
ہم باندھے والوں کو کچھ نہیں دیتے۔ اگر وہ جس کے بازو پر

فریادی جو ہوتے ہیں۔

”جو میری طرف سے بھی اعلاناً عرض ہے کہ ہم جیسے نئے وطن میں سے نہیں اگر اسد کو اپنا مسلمان بنانا تو میرا نام بھی افسر نہیں ہے اسی رکھ دیتا۔“
”میرا خیال ہے آپ ابھی سے اپنا نام بدل لیں۔“
”وہ سارا نام زیادہ سوٹ کرے گا آپ پر۔“ اس کے گھورنے پر اس نے پری۔

”اب بھی وقت ہے۔ اقرار کرو میری چاہت تک۔“ اس پر بدستور عشق کا بھوت سوار تھا۔
”کیوں؟ کیا اس کے بعد آپ ’گندو‘ بن جائیں گے؟“ وہ صاف اپنا پلہ بچا گئی۔

”سوچ لو یہ سناؤ تو تم آزاں رہ جاؤ اور کوئی مجھے لے اٹھے۔“ اس نے اپنی اہمیت بتائی۔

”کیوں نہیں؟“ وہ اطمینان سے کہتی ہوئی فریاد میں منہ ڈال کر کہتی ہوئی۔ افسر اس کی پشت پر مل کھاتی ہوئی چلی گئی۔ ”کیس یہ لارو اسی افسر اور سبے پانڈیا۔“

”یہ سوچ چلے بھی تھی ہمارا اس کے ذہن پر جو چھک رہے تھے۔“ اس کی بار بھری باتوں کا جبین پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

”بٹھ بس کر مل جاتی تھی۔“ شاید میں اس پر زبردستی مسلح ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ وہ اچھا بوا کھڑا ہوا۔

”اب تو یہ سب سرفہم جولے کے ساتھ اس کی شکر کی ہے۔“ اس سے انتظار کر رہی ہوں لیکن دونوں صاحب ہیں۔“

”تو یہ کون کون ہے؟“ اس نے نور جہاں سے کہا۔ ”ابھی نہیں۔“ اس نے کوشش کی۔

”میں بس میڈم نے سن لیا تو ہارت ٹل کر رہ گیا۔“ اس نے کہا۔ ”سلاہ نے عین وقت پر است روڑا باندھا۔“

”تو اب ان تک تو آواز پہنچ جاتی۔“
”پلو سب مل کر ڈنڈ کریں گے۔ ہو سکتا ہے تم نے سہرے جیسے ڈنڈی ہادی ہو۔“ وہ - اسن ناڈو کا نام پٹھکے کے لیے تیار ہو گیا۔

”بلبل کلا ہے؟“

”نہ پٹھکے پہلے موجود ہے۔“

”تو ہو گی۔ اسی ٹھیک کہتی ہیں کہ گھر میں کوئی نہیں نکلتا لیکن ہم بھی کیا کریں ساری مدق تو کوھر گئی راتی ہے۔ تمہارے گھرا پھر اسد کے گھر۔“ اس نے گھر سے عتاب رہنے کی وجہ بتائی۔

”تو لے کو باکوھر توڑی ہی مدق اور سہرے چرا کر۔“ سلاہ نے سنی فیڈ مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

”اس موضوع پر مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔“ افسر نے اسے راز دار بنانے کا فیصلہ کیا۔ وہ آسانی سے معلوم کر سکتی تھی کہ جبین کے دل میں کیا ہے۔

”کون سی بات؟“ وہ جلتے جلتے رک گئی۔

”اس وقت نہیں۔ ابھی سب کھانے پر انتظار کر رہے ہوں گے۔“

وہ سلاہ کو جنس میں ڈال گیا تھا۔ جلدی جلدی کلم غمنا کر وہ فارغ ہوئی تو افسر جا چکا تھا۔ وہ دیکھے سے ای کو بتا کر باہر نکل آئی۔ ورنہ کوئی نہ کوئی پیچھے لگ جاتا۔ اس گھر میں بائوسکی کا اپنی تصور نہیں تھا۔

”اب بعد وقت ایک دو سہرے کے سر پر سوار رہتے تھے۔ افسر سے وہ ضروری بات معلوم کر کے ضروری تھا۔“

”ابھی رات خبندہ آئی۔ افسر کی اہمیت من مہرہ ہوئی۔“

”اسی معمول کی بات کے لیے تم نے مجھ پریشان کیا۔“

”یہ معمول ہی بات میرے ذہن سے بہک گئی ہے۔ تم نہ اس کا عندیہ معلوم کرنے کی کوشش کرو۔“

”تو بیٹہ تمہارے۔“ وہ وہی چاہتے لیکن

”تو بیٹہ تمہارے۔“ وہ وہی چاہتے لیکن

”تو بیٹہ تمہارے۔“ وہ وہی چاہتے لیکن

”تو بیٹہ تمہارے۔“ وہ وہی چاہتے لیکن

دنوں حسب وعدہ جین سکے پاس جا پہنچی۔

"کچھ معلوم بھی ہے تمہیں! اسرار اس غلط فہمی میں جکلا ہو گیا ہے کہ خدا نخواستہ تم اسے پسند کر گئی ہو۔" وہ جانے ہی شروع ہو گئی تھی۔ "یہ کھنڈ غلط فہمی ہی ہے؟"

"یہ سوال تم کر رہی ہو! جین سے پوچھنا چاہیے۔"

"تو پھر جاننے کو بولتے اسے شکست کیوں کر رہی ہو؟"

سرمعد نے فوج ہو کر کہہ

کیوں نہیں تمہیں کہ تم بھی ایسی چاہتی ہو جو چاہتا ہے۔"

"ہر بات کا اظہار ضروری نہیں ہوتا۔ بعض

جذبے ان کے اچھے لگتے ہیں۔"

"اس کے اطمینان خاطر ایک بار اسے بتا دو جو

تمہارے دل میں ہے۔" سرمعد کا حق خوب ادا

کر رہی تھی۔

"گباری کی باتیں آنکھوں سے چہرے سے عیاں

نہیں ہوئیں۔ لفظوں میں بیان کرنا لازمی ہے؟" اس

کا نقطہ نظر اتنی آسانی سے نہیں بدل سکتا تھا۔

"ہونہ بڑا بھاری سے سو صوف کو زیارت کا۔ میں تو

بھی اقرار نہیں کروں گی۔ پہلے ہی انٹروڈکشن پیری

سے اتر جانا ہے۔ میں نے کچھ کہہ دیا تو مزید پھیل

پاسے گلہ میرا اپنے پہروں پر گلکاری مارنے کا کوئی

ارادہ نہیں ہے۔"

"حسن کا لہجہ اٹھ گیا۔

۴۰ لسنے سنا تو اطمینان و خوشی کی ایک لہر اس کے

رگدے میں سرایت کر گئی۔

"تمہیک بے جبر! میں نے بھی تمہاری زبان سے نا

انگوا یا تو میرا نام بدل دیا۔"

اس وقت چاروں لڑکیاں چنگ کار ہو گیا م بارہا

تھیں۔ فکر چیس کی پلیٹ سامنے رکھی تھی۔ شفا کو

کراچی کے نوے تھیل ویدر سٹیشن کی سیر کروانی

جانچنی تھی جو باقی رہ گئے تھے ان پر نور خوش ہو رہا

خدا۔

"میں چاہ رہی ہوں کہ رمضان سے پہلے ہم سرد

فنزین کا پروگرام عمل کر لیں۔ تاکہ پھر سکون سے

عبادت کی جاسکے۔" سرمعد کشن نے کراٹھیں پر دراز

ہوتے ہوئے بولی۔

"ہاں! یہی نووہ سونہ ہے جس میں ہم تھوڑے

سے شریف اور عبادت گزار ہو جاتے ہیں۔ درنہ سہل

کے گیارہ ماہ من مانوں اور نازناہیوں میں ضائع ہو

جاتے ہیں۔" جین نے استغیث سے کہا۔

"پہلی مرتبہ میں رمضان اور عید کے عہدوں میں

اپنے وطن میں سناؤں گی۔" شفا پھر کھنڈ ہو گئی۔

"میں اپنی عملات اور تہوار کا سزا ہی کچھ اور ہو گا۔

پہلی بار خراہش تھی کہ میں یہ سب اپنے وطن میں

لڑائی کے ساتھ شہر کر دوں۔ وہاں بھی ہم روزے

رہتے ہیں۔ عید جاتے ہیں اور تہلی کرتے ہیں لیکن

یہاں جیسی چار شہر تھے۔" شفا پھر بولی وہاں کہیں۔

میں اور ڈیڑھی سے یہاں پہنچے سنا کر گئی تھی اور میرا

شوق سوا ہوا جا گیا تھا۔"

"پلو اب تم یہاں کی مدفن کو کچھ بھرا کر انہماک

کرنا۔ لی لیل چنگ کار پروگرام فائنل کر کے جی

سرمعد نے اصل موضوع کی طرف توجہ دلاتے ہوئے

کہا۔

"میرا خیال ہے اس بار خدا کر کے بیوں کو بھی

شامل کر لیا جائے۔" شہنہ وہ غل جاتے ہیں۔ "میانے

اپنی برائے کا انکار کیا۔

"بھر کلہاڑی ملتی ہے۔ اسے سنبھالنے کی اجازت تو ملے

گی نہیں بیوں کو لازمی جانا پڑے گا۔" جین کی تجویز

شادمان تھی۔

"یہ کلہاڑی کیا بنا ہے؟" شفا کو یہاں کی مشہور

جگہوں کے بارے میں معلومات تھیں۔

"بہت خوبصورت جھیل ہے اور کراچی سے باہر

تہ۔" سرمعد نے اسے بتایا۔ وہ وہاں پہلے بھی گئی بار

جا چکے تھے۔ سہمی کو وہ جگہ بہت پسند آئی تھی۔ چاندنی

رات میں جھیل کا حسن دیکھنے سے "ملتی رہتا تھا

چاند کی روشنی میں جھیل لہلاہوں رکھتی رہتا تھا جسے

میں سے وہاں تک چاندی بچاؤ کی گئی ہو۔

”کبھی مطلب؟“ شفا اس کی بات سمجھنے سے قاصر رہی۔

”مسکرتی یعنی افسر کی دفعہ“ بلبل نے گویا اس کی جملات پر افسوس کرتے ہوئے اس کی معلومات میں تصدیق کی۔ (جس میں کے آنکھیں دکھانے کے بلا جوں) ”واقعی!“ وہ اچھلی پڑی۔ افسر کی شریر نظریں جس پر جمی ہوئی تھیں جس کا چہرہ مارے حیا کے سرخ ہو رہا تھا۔

”تم لوگوں نے مجھے پتیا نہیں۔“ وہ شگفتی لہجے میں بولا۔ اب اسے اپنی فضیلت سوچ پر شرمندگی ہو رہی تھی۔ دونوں ساتھ ساتھ کتے اچھے لگ رہے ہیں۔ اسے واقعی اس انکشاف سے خوشی ہوئی تھی جب کہ افسر نے بہت کھل جانے پر شکر ادا کیا تھا۔ اب وہ نظر پردہ ہو گیا تھا اور کوئی اس پر بری نظر ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

”صل میں پہلے ذکر ہی نہیں کیا اور پھر مجھے تو یاد بھی نہیں تھا۔“ سادہ نے فوراً وضاحت کی۔

”بھئی میں نے تو آج بہ خوش خبری سنی ہے لہذا مجھے نہت چاہئے۔“ اس کی فرمائش پر افسر نے جب سے ایک سوئے کا ٹکڑا اٹھ کر اس کی پھٹی پر رکھا۔ ”اب بلا بلاں کھا لے گا۔“ اس نے بڑی خیر پر اٹھا پھوٹا سا کہ۔ ”شفا نے پرسی کے لئے نظر ڈالو۔“

”تو نے سے نام چل جائے؟“ غالی بڑھا ہوا ہے۔ وہ چل کر بولا۔

”بات کو ذاتی میں نہ پھور نہ میں اور سے ہانے کا بڑھانہ بھی شامل کھولوں گی۔“ اس نے دھمکی دی۔ وہ فوراً راور است پر آیا۔

”ٹھیک ہے بلبل بلبل کی موٹ جلی ہی ہو گی تا!“ وہ سر سمجھانے لگا۔ ”جہاں تم گود میں چلیں گے شام کو۔“

”بھائی! اس سے فائدہ ہو گا۔“

”نیک ہے لوگوں کو بتایا جائے گا پھر ملتی انظلمات ان کے ذمے ہم اپنے نازک کندھوں پر بوجھ کیوں اڈو رہے؟“ سادہ تھی۔ ”جب گھر میں اتنے سارے گدھے موجود ہیں۔“

”یہ کس نے ہمیں گدھا کہہ کے اپنی شامت کو اترا ڈالی ہے؟“ افسر ایک دھماکے کے ساتھ کہنے میں داخل ہوا پھر جین گود کچھ کر چو نکا۔

”رے جو! تم میں کیا کر رہی ہو؟ میں تو تمہاری شگفتی میں گریں جاگ کر کے جنگل میں نکلنے ہی والا تھا۔“ جین کو افسر کی اس خود ساختہ عرفیت جو سے جتنی جتنی لگتی تھی اسے نیک کرنے کے لئے اسی چہرہ بکا کر رہا تھا۔

”خبردار! مسکرتی کے جو کہا تو اچھا نہیں ہو گا۔“ وہ آہستہ چرھا کر بولی۔

”میں تو یہی کہوں گا کہ تم لوگوں کو نہ جانے اور نہ جاننے سے گویا ہوا۔“

”افسر بھائی پلڑا!“ جین روہا سی ہو رہی تھی۔

”میں نے تو تم کو کیا جاسکتا تھا لیکن وہوں جس جہاں میں اسے پتہ تھا وہ ہے کہ میں نے جانے سے زیادہ مشکل تھا۔“

”بھائی! تم نے تو تم سے بھائی کے لئے کر کے۔“

”بھائی کہنے پر راکھوں میں رہے ہیں؟ جین نو ہوسکی چھٹی ہو گی آپ سے۔“ شفا کو اس کے لئے کی

”کچھ میں نہیں آتا۔“

”شفا بھئی! آپ کو ابھی معلوم نہیں۔“ بلبل نے جھری آ رہا تھا۔

”ابا نہیں معلوم!“ وہ مزید ترانہ مانی۔

”یہ بونے والی ٹیکٹری ہیں۔“ اس نے جین کی طرف اشارہ کیا۔

جانے گی۔" اسامہ نے اسے یاد دلایا۔

"اور یہ بھی اصل ہے کہ کسی اصول کو توڑنا نہیں جائے گا۔" جبین نے کڑک دار لہجے میں کہا۔ وہ لعدنی آہ بھر کر خاموش ہو گیا۔ آثار بتا رہے تھے کہ فن اس کا پورا جیب خرابی خراج ہو جانا تھا۔

اسامہ نے ٹھہری جانے والی تصویر کو دیکھا اور کہا۔
"بس میں کچھ نہیں جانتا مجھے کبھی کسی طرح نے جلو ظالمو ناہنجارو!"

"اب مجھے فٹ کے بندے کو تو چھپا کر سنبھالنا پڑا جانتا۔ البتہ اگر تم کوئی چھوٹا موٹا سائلن ہوئے تو بیک میں رکھ کر لے جاتے۔" شہلی نے ہوس سے اس پر نظر ڈالا۔ اسے نوز موزڈ کر بیک میں چھپانے کا کوئی چانس نہیں تھا۔

"یہی طریقہ ہے جسے سنبھالنے کے باوجود سنبھالنے کی بجائے جانیں یا پھر سنبھالنے کوئی اور ذمہ کرنا ہے جو جڑ۔ اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں۔" افسر نے کہا۔

"بھریہ بد گرام ختم کرو۔" اسامہ کسی طرح بھی تیار نہیں تھا کہ اس کے بغیر یہ بیک مائل جانے۔ مجھے زبان کی آڑ میں دودھ کی مٹی کی طرح پھیل کر پھینک دیا گیا ہے۔ خوب نفرت ہے پوری ہے میرے بغیر پائے تھے ملنا ہو گئے۔ اٹھ سب کے ساتھ کہیں باہر نہیں گیا۔ اگلے سڑکوں پر کھوٹے گھوٹے تھک گیا ہوں اب نو سڑکیں بھی مجھ سے سوال کرتی ہیں کہ پر خوردار اکیلے تو انہیں کتے کی طرح لکھ بیٹھ رہے ہو؟ منہ سے وہ تپتا ہوا اس سنگی سا مٹی کی گولی رہ گئے؟" فریاد کرنے کوئے اس نے تنگی میں گگ کے بجائے گگ کا استعمال کیا۔ "میں پہلے بنا رہا ہوں عید تک یہ سلسلہ ختم ہو جانا چاہئے میں اکیلے عید نہیں منائیں گے۔"

اور پھر اس کی وجہ سے بد گرام عید تک موخر کر دیا گیا۔

جبیں کچھ دنوں سے نوٹ کر رہی تھی کہ افسرانہ کسی نکلاں۔ فیلو کا بڑے جوش و خروش سے سزا کرنے کا ہے۔ لڑکے کرید کرید کر افس کے بارے میں سوال کرتے تھے اور جواب سن کر آہیں بھرتے تھے کہ ایسی لڑکے عالم ظالم سب سے نہیں کھیل نہ لی۔ ایک دن نوحہ ہو گیا جب وہ اس چل چل (جبیں کے خیال میں وہ اسی لقب کے لائق تھی) کی تصویر کے انبا۔ منہ کی تصویر دیکھتے ہی دل کا درد پڑ گیا جو ایک جنت بدھی اسامہ کی سینٹل کی چوٹ سے ٹھکنے سے ٹھکنے سے ٹھکنے سے

اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے فلاں پلائے تھے۔ اس کی کوہ جیتی، پھل پوری پسند آئی تھی۔ ان تمام باتوں میں اس کی تصویر دیکھ کر سوجان سے لدا ہو گیا۔ جبیں نے اس کی تصویر کا منظر ہر کرتے ہوئے نوزیر ایک نظر ڈالنے کی ریت بھی گوارا نہیں کی۔ حالانکہ اس کے دل کی کیا آواز اڑا رہی ہو تھی۔ اشرکارا یہ بھی تو بدل گیا تھا۔ روز روز وہ بھی جلنے کا تھا۔ رقبہ روخ کی تصویر (اس کا نام تھوڑا سا) ہمہ وقت اس کے دل کے قریب (جیب میں) رکھی رہتی تھی جسے وہ وقتاً فوقتاً نکال کر آنکھوں کی روشنی بڑھاتا رہتا تھا۔ جبیں کو وہ ایسے نظر انداز کرنا تھا جیسے ان کے درمیان کوئی معلق رہا ہے نہ ہو۔ کسی کو احساس نہ تھا کہ شیریں کم سن زیادہ اسکی جگہ پر قابض ہو رہی ہے بلکہ سب کا اصرار تھا کہ ان کی یہ نفس نفس ملاکت کرائی جائے۔ ان میں اسامہ بھی شامل تھا۔ اس کا اپنا بھائی وہ سبوں سے کہا شکوہ کرتی۔

"مہرے میرے ساتھ جی جی وی سلوک کیا ہے تو کوئی بھی افسرانہ یکے بڑی کے ساتھ کرنا ہے ایک سے دل آگیا تو وہ سہی رکھ لی۔" وہ افسروں کو اپنے کی کو شش کیے جانی اگر اس کا جی چاہتا ان افسر سے خوب لڑے اور دیکھے کہ اگر شیریں کی کوئی خاص حیثیت ہے تو پھر جبیں کا مقام کیا تھا اس کی نظروں میں لیکن وہ خاموشی سے اس صدمے کو جھیل گئی تھی۔

رازداری سے ابو کو مخاطب کیا جو ابھی ابھی اخبار لے کر بیٹھے تھے۔

"ہوں۔" انہوں نے امی کا جملہ سنا نہیں تھا۔ ویسے بھی اخبار میں زیادہ دلچسپ خبر تھی۔ ایک سیاستدان نے دوسرے سیاستدان کو ٹوکا کہ وہ اب دوسرے نے تیسرے کو گھوڑا اور تیسرے نے پہلے کو بھگوانا فرار دے دیا۔ جتنا کہ خیال ہی بے چند ہے کہ کون سے تھے اور عوام کو یہ بات معلوم تھی پھر بھی دو سر پہلے لینے کے لیے اخبار کا مطالعہ کرتے رہنا چاہئے۔ (آناٹس شرط ہے)

"افسوس! اس اخبار کی تو جہن چھوڑیں۔"

انہوں نے پہلی خواہش اخبار سے نظریں ہٹائیں۔ "کیا فریاد ہی تمہیں ہے؟" "آپ نے نوبت نہیں کیا۔ جب سے شفا تھی ہے۔ اسد کی آغوش کی مصروفیات کچھ زیادہ بڑھ گئی ہیں۔"

"کیا فضول بات کر رہی ہو۔ بہ محض ایک افغان ہے اس کی سوتی آج کل ایک نئے پروجیکٹ پر کام کر رہی ہے۔" وہ نوح ہو کر بولے۔ "آپ اسد کی مصروفیت نا بھلا شفا کی قدر سے کہا نفل سے! افسوس! لگاتار وہ اسد کو پسند نہیں آتی۔" انہوں نے آہستہ سے ظاہر کیا۔

"کیوں پسند نہیں آئے گی! ابھی نعل لڑکی ہے سلجھا ہوا سبز ج ہے اور ویسے بھی میرے بچے کی یہ عادت نہیں ہے کہ خواجواہ کسی کی ذات میں گھڑے نکالے۔" انہوں نے اس حد سے کو میسر مسترد کر دیا۔

"جب سے شفا آئی ہے وہ ایک بار بھی اسے لے کر باہر نہیں گیا بلکہ اس نے تو بھلی جان کے گھر جانا ہی چھوڑ دیا ہے۔" وہ اپنے موقف پر ڈٹی ہوئی تھی۔

"میرے ہاتھ تھے میں 10 بار اپنے ماں سسر کی خدمت میں جا کر رہی جانتے جانتے ہے۔ بلاوجہ دہم ہو گیا ہے تمہیں۔" انہوں نے دوبارہ اخبار پر نظریں جما لیں۔

وہ اپنا آپ اس پر میاں کیوں کرے اس نے اپنے لوہے بے نیازی کا خول چڑھا لیا۔ پہلے کی طرح بڑھ چڑھ کر مختلف مرکزوں میں حصہ لیتی کہ کوئی اس کے دل کی گھرائیوں میں اتر کر اس کے کرب کو جان نہ لے پہلے رات کو نیند کی دلدوزیوں میں جھکتے ہوئے اس کا کب ضرور بھیک جائے۔ اسی دوران رضیخا کی مبارک سنا نہیں روشنی کے منٹا شای رولوں کو نور نور کرنے کے لیے آچھکیں اس کی مصروفیات میں اضافہ ہو گیا تھا۔ سعی کا اہتمام کرتے ہوئے وہ اسد کو بگاڑنے کی کوشش میں پلٹنا ہو جاتی۔ امی ابو تو ایک توڑ میں بہدار ہو جاتے تھے اور نور کو وہ ایک عدد تھپڑ دسد کر کے ہوش کی دنیا میں لے آتی تھی لیکن اسد اب توجہ کرنا تھا۔ آخری حربے کے طور پر وہ جہل نسبت اس کے بھنگ پر چڑھ جاتی تب وہ بکا جھکا اٹھ کر ہونٹ لگاتے۔

"اسی چپل سے رہنا تم جانے کسی کسلا دینا ہی جاتی ہو۔" خیروار چھوڑا اسے اس کی ہونٹ کی حرکت کی۔ "وہ وہم کی دنیا لیکن وہ اس کی طرف سے اکتا تھا۔ افسوس محض ہر دو سر میں لڑنے کا جو نامہ ہو گیا ہے۔" "میرے ہاتھ نا پکا خوب جھٹلنے کا فور تصدیق ہے پڑھیں جائیں گے اس سکلوی کے ساتھ۔" "یہیں زلفیہ کالوں سے اس من ویسٹی لڑکی کو نوازتی۔" "آپ کے ایسے گھر میں کیا سحری انتظامی کا انتظام میں ہو گا! کیا وہ سادہ چھت ہیں۔" وہ کیوں خواجواہ اس کے باز آگئے۔

"بات دراصل یہ ہے کہ ابھی کہ امی سے ہاتھ کی بنی ہوئی ذائقہ وار چیزوں میں بھی مجھے وہ مزہ نہیں ملتا جو شفا سے ہاتھ کے بچہ شکل جذبات اور بڑے مزہ کھانہ میں ملتا ہے۔" اس کی وضاحت وہ مزید چرائی جا رہی تھی۔ "میں اس نے اپنے غصے کو ٹھنڈی کیا کہ روزے کی حالت میں فہم کرنا کوئی اچھی بات نہیں تھی۔"

"آپ کو کچھ خبر بھی ہے آج کل آپ کے ساتھ ہوا سے کے کیا اطوار ہیں۔" اسد کی امی نے بڑی

لولا پر اٹھو رکھو اور مطمئن ہو جاؤ۔

”پچھا بھی خوش رہیں آپ لوگ۔“ انہوں نے سرد تو بھرتے ہوئے ان کا زانگ ادا کیا جو شاید وہ بھول گئے تھے۔ جبین اندر داخل ہوتے ہوئے ابو کا جملہ اسی کے منہ سے سن لیں پس پڑی تھی۔

چاند کی چودہ تاریخ کو جبکہ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر جمعیت پر چلی آئی۔ آٹھن پر جو چوبیس کا چاند پوری آج و شب کے ساتھ چمک رہا تھا چاندنی رات کی بھی کیا جلا گری ہوئی ہے! صورت کی شدت کو برصاوتی ہے۔ محبت کا احساس ہو یا غرضت! ہسٹریا ہو یا پاپا گل پن خوشی ہو یا انسوی کی ہر جذبہ چاندنی راتوں میں سوا ہو جانا ہے۔ یہ چاند بھی کتنی دور سے انسانی جذبات و احساسات پر اثر انداز ہوتا ہے سمندر میں مد و جزر کا باعث بنتا ہے۔ اہرں سر اٹھا کر چاند کو دیکھتی ہیں پھر سر جھکا کر ساحل کو جو مکتی ہیں۔ یہ سارے نظارے خالق کائنات کی قدرت کو ظاہر کرتے ہیں۔ دست قدرت کا دائرہ کتنا وسیع ہے! انہیں سوچنے بیٹھے تو عقل خیرہ ہو جائے۔ وہ مندر پر جھک کر گزری عید کے لمحات سونے لگی۔ سب ایک دوسرے کو صفحے تھامنے دیتے تھے لیکن افسر کا گفت بطور خاص ہوا تھا۔

”شاید اس بار عید کسی نہ ہو میرے لیے۔“ اس کی آنکھوں میں ڈھیر سار اپنی جمع ہونے لگا۔ بھیجی افسر رحم و ہرم کرنا ہوا اور چلا آیا۔ اسے دیکھتے ہی اس نے ایک سدر وچ ماری اور وہ دم ہیچے ہٹ گیا۔
”کیا بات ہوئی؟“ جبین نے بے زاری سے پوچھا ویسے بھی اب اس کی شکل دیکھنے کا دل نہیں چاہتا تھا۔
”باندھ لیا تم ہو۔ میں سمجھا گئی تھی بل راستہ تنگ کر زمین پر لینڈ کر گئی ہے۔“ پری کے بجائے چڑیل کا لفظ استعمال کر کے اسے غامض عید جھد کرنا پڑی۔
اس وقت وہ واقعی حور پری کی مانند دکھائی دے رہی تھی۔ چاند کی روشنی میں اس کی آنکھوں کا جھللا پاپائی وہ دیکھ چکا تھا اس کا دل شدت سے اس ننگوں

مظالم سمندر میں ڈوبنے کے لیے چمکنے لگا۔ یقیناً وہ اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ مسکراہٹ کو دہکتے ہوئے اس نے سرگوشی میں پوچھا۔ ”تمہارا منہ ہو؟“

”میں کیوں ناراض ہونے لگی؟“ تنقید کر جواب دیا۔ اپنی خودی کو بلند رکھنا جبین کو خوب آتا تھا لیکن تازے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔ زبان انکاری تھی لیکن نقلی بھری آنکھوں سے لڑکھٹے تھے۔
ناراضگی کا پادوسے رہے تھے۔
”پھر سو کیوں خراب ہے؟“ وہ کہہ اس کی زبان پر سے سج اٹھوانے کا تہیہ کر کے آبا تھا۔ اس نے کتنی

سب سے زیادہ تھا۔
”پھر سو کیوں خراب ہے تو یہ تصویر دیکھ لو شرطیہ سو فرسٹ ہو جائے گا۔“ اس نے جیب سے تصویر برآمد کر کے اس کی طرف اشارہ کیا۔
”مجھے چڑیلوں کی تصویر دیکھنے کا وہی شوق نہیں ہے۔“ وہ ایک قہر توڑ نظر اس پر ڈال کر کہیں سے بھاگ آئی۔ آنسوؤں کی بند باندھنا تو ہوا تھا۔ اس کے سامنے آنسو بہا کر دے اپنے آپ کو اور اس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نچے آتے ہی اسد سے کہی۔ اس کے سرخ چمکنے ہوئے چہرے کو دیکھ کر وہ چونک رہا۔ ”کیا ہوا جبین؟“

”کچھ نہیں۔“ بمشکل جواب دے کر وہ خراب سے اپنے کمرے میں گھس گئی۔ بھائی کو دیکھتے ہی اس کے کندھے پر سر رکھ کر روتے کی خواہش چمکنے لگی تھی لیکن وہ اسے اپنے آنسوؤں کا کہا جو ازبانی آئی۔
”تو ہے اس افسر کی کلاس کئی ہی بڑے کی۔“ وہ زیر لب بڑبڑاتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ اس کا کزن بھی تھا اور دوست بھی لیکن اپنی باری بہن کو رلانے کی اجازت نہ ہرگز نہیں دے سکتا تھا۔
”بھئی! اچلو تمہیں عید کی شاپنگ کرالار۔“ اسد وہیں سے بیکار کرولا۔ اس وقت اسے تھا پھوڑے کا مطلب تھا کہ وہ تو بڑی رہے گی۔
”یا کج منٹ میں نار ہو جاؤ۔“ وہ انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر میں جین بنا رہا ہو کر رہی۔

”ساحہ خوب تو کہنے ہوئے ملیں گے۔“

”میں تمہارے سامنے اس شریفانہ طیلے میں آسکا ہوں۔“ وہ نے یہی ہے اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔ ”ان میں تو جین ہی تھی۔“ وہ اس بڑی۔ اسے پہنے دیکھ کر اس نے اطمینان ناساس لیا تھا۔

”اگلے دن ساحہ نے بنا یا۔ افسر نے اپنی ہی میں شہین کو گد گویا تھا۔“

”میں سب جانیں گے اس کی مسکن خصوصیت سے لاجت کر سکتے۔“ وہ سنت پر جوش ہو رہی تھی۔ ”جین کے اور جین سے کوئی چیز ٹوٹ گئی۔ ان کے دکھ میں تو ابھی شریک نہیں تھا۔ رات کو سجد سے آتے ہی افسر اسے لینے چلا آیا۔“

”اب کے تم ابھی تک بنا نہیں ہوئیں۔“ اسے دیکھتے ہی دیکھتے وہ چنچل

”مجھے کہیں جانا ہے۔ ایک چھکی سی سکیا ہٹ

”میں نے سب کو لڑائی میں لیا۔“

”میرا موڈ نہیں ہے۔“ ”جین کے ساتھ اٹار گیا۔“

”تو کہ تم اس کا نامنا کرنے کے لئے ہو اس سے ملنے کی ہمت نہیں ہے تم میں۔“ وہ بڑھتے ہوئے

”تو کیا ہمت ہے تو پھر ٹھیک ہے میں ایک مرتبہ

”موت کر کے اس سے مل ہی لوں۔“ تاکہ یہ روز و زکی

”خبردار ہونا۔“ ”میں وہ فیصلہ کر کے بنا رہے

”ہوئے کے لیے چل دی۔“ ”میں نے اس خیال کو کہ ”وہ

”میں ناسا سنا کرنے سے ڈرتی تھی۔“ ”نظارہ جو ثابت

”تو اٹھ گیا۔“ ”تو اٹھ گیا۔“ ”تو اٹھ گیا۔“

”کر وہ باہر آئی تو افسر جیسے حیرت سا ہو گیا۔ اس سادگی میں بھی وہ نیا ست ڈھاری تھی۔“

”چوڑی نوپا کن لوہے میں لگے گا جیسے تم کوئی

”لوگ بنا رہی ہو۔“ ”جین کا دل چاہا کوئی چیز صحت کر ان کے سر پر مارے۔“ ”جین اس خواہش کو دبا کر وہ زحیر

”ساری چوڑیاں نہیں تھی۔“ ”شیلے کے گھر جب بیٹھنے

”سارے راستے بلر گیا۔“ ”وہ سارا ہی سنی لارینن

”دھڑکنوں کی بے زنجیری کو چھپانے ہوئے ان میں

”بنا رہی۔“ ”مید کی وجہ سے باہر کچھ زیادہ ہی روشن

”تھی۔“

”برلی“ کے ہر سکون اور خوبصورت سے ماحول

”میں جینہ کر افسر نے پوچھا۔“ ”اظہار اٹھ گیا گرم ہوا“

”سوزی کے ہاتھوں سب کا دل ڈر چکس کے تپ

”میں تھا۔“

”پہلے اٹھنا ہی لیتے ہیں پھر گرم ہوا اور پہلے گاہ“

”تو رہنے فوراً ہوا۔“

”بچوں کو ایسی جگہوں پر لانا ہی نہیں چاہئے فوراً“

”نیرتہ پن پر اتر آئے ہیں۔“ ”وہ ٹھما گیا۔“

”میرے اپنی کاہول نہیں ہے۔“

”بیمالت مجبوری سے ہی آئے ہو تو اب برداشت

”ہو۔“ ”شیلے نے ان کا فہم ٹھنڈا کرنے کے لیے

"چلو چلو زیاد بڑے بول نہ بولو۔ اگلی دفعہ پھر آجاؤ
 کے ہمارے پیچھے لگ کے تمہاری کوئی عزت تو ہے
 نہیں۔" شہلی نے چلن بوجھ کر اسے چھیڑا۔ شوہر چڑھا
 تھا اس لیے اسے بھیڑنے میں حرا انا تھا ورنہ چلنا
 ایسی باتوں کو دہرانے کی بیوقوفی نہ سمجھ کر نظر انداز کر جاتا تھا۔
 "میں کوئی کتابوں جو مجھے لکوں گا وہ حسب توقع
 ہتے سے اٹھ کر لیا۔"

"اپنے منہ سے بتانے کی کیا ضرورت ہے! ہم
 سب جانتے ہیں۔" طارق نے زبردستی چھیڑتے
 ہوئے کہا تو کھل طور پر ناراض ہو گیا۔ "تو کیا
 متناظر ہو گیا تھا۔"

"جلی میرا بچہ! میں تجھے باہر کی ہوا کھلاؤں۔ وہاں
 کی گرمی کچھ کم ہو گی۔" شہلی نے ہاتھ بڑھا کر اس کی
 جاس بوس کی۔ وہ نونگے پن سے اس کا ہاتھ جھٹکنے کی
 کوشش کرنے لگا لیکن شہلی اسے چھوڑنے کے لیے
 تیار نہیں تھا۔

"تم بیٹھو۔ ہم ابھی اتے ہیں۔ ہوں۔" اس نے
 چنگی بجا کو جلد آنے کا اشارہ کیا۔ بالی لوگ بھی اس
 کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ مساند اور شفا
 کو اٹھتے دیکھ کر جین بھی اٹھنے لگی لیکن افسرانے ہاتھ
 تھام کر روک لیا۔

"تم کیوں جا رہی ہو مجھے اکیلا چھوڑ کر؟"
 "ہاں تم بیٹھیں ٹھہرو۔" شفا نے اس کے شانوں پر
 دباؤ ڈال کر کہا۔ "میں کے مہمان تو معلوم نہیں کب
 آئیں ہم ذرا تازہ ہوا پانی کر آتے ہیں۔" وہ جڑ بڑ ہو
 گئی۔

اس طرح سب کے چھوڑ جانے کا کیا مطلب
 ہے! "آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد
 کر لیا۔ وہ دوپٹے سے اس کے اٹھے ہوئے چہرے کو
 دیکھنے لگا جین کو گرفت ہونے لگی۔

"کیا نام دیا تھا آپ کی مسلمان نے؟" اس کی بے
 باک نظروں سے بچنے کے لیے وہ پوچھنے لگی۔
 "میری مسلمان تو کب کی آپ کی ہے۔" شہلی
 "کیا مطلب؟" وہ ہوش دار گئی۔

"اسی بل میں موجود ہے۔" اس نے اطمینان سے
 دھا کیا۔

"میں کیوں نہیں آ رہی؟"
 "شاید تم سے ڈرنا ہے۔"
 "کیوں؟" جھلا جین کیا بازگشتی تھی اس کا۔
 "معلوم نہیں۔" افسرانے شہلی اچکا کر لاطعلی
 ظاہر کی۔

"کھل سے؟" وہ جلی جھٹکنے سے باز نہ رہی
 لڑکھوں کو دیکھنے لگی کہ ان میں سے کون کون سی ہو سکتی
 ہے۔

"ہیسا کہو۔ یہ تصویر دیکھ لو پھر پوچھنے میں شواری
 میں ہو گی۔" وہ تصویر کو اس کی ناک کے سامنے لائے
 اور اسے نظر پڑنے سے پہلے اس کے دل کی دھڑکن
 رکنے لگی۔ اپنی ہی تصویر دیکھتی ہی وہ ایک سینے سے
 کیجے سے لگنے پھر دھڑکنے جوت کی زیادتی سے وہ
 جھد ہو گئی تھی۔ لاطعلی میں اٹھنے آپ کو ہنسی پھل
 ہری اور چہل جیسے القابات سے نوازا رہی تھی۔
 شکر ہے کسی کے سامنے نہیں کما تھا اور نہ ہنسی
 رکھا کرتا رہتا۔

"میری میری، میری لیلی، میری صاحبی سو جاؤ
 اور میرا دھڑکنا صرف تم ہو جین۔" وہ اس کی
 آنکھوں میں جھانک کر بولا جہلی حیرت اور خوشی کا
 احساس گلے ملتا ہوا صاف نظر آ رہا تھا۔

"میرا مسلمان خصوصاً ہمارے علانہ اور کوئی نہیں
 ہے بے وقوف۔" یہ سب کچھ جین کی توقع کے بالکل
 خلاف تھا۔ اس کے لیے یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا۔
 یقین اور بے یقینی کی اس کیفیت میں اس نے وہی کیا
 جو عام طور پر ایسی صورت میں لڑکیوں کیا کرتی ہیں۔
 یعنی اس نے سر میں رکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے
 لگی۔

"مرے ارے۔" وہ اس کے رونے پر بو کھلا گیا۔
 "جب کر جاؤ لڑکی لوگ کیا کہیں گے! یہ ہونے
 سے غلطی کا گھر نہیں ہے۔"
 "اب نے کیا کہیں گے؟" ہنسی سسکیں کے

وہ یہاں اس نے ٹھوک کیا۔
 "تمہارے دل کا عمل جاننے کے لیے۔"
 "میری خوشی ہو رہی تھی، مجھے جلا کر۔" وہ
 سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"سب شہل تھے اس ذرا لاپرواہی میں۔" اس نے
 لڑنے کے آپٹیل سے آنسوؤں کو صاف کیا۔ سب
 کے باہر جانے کی وجہ اب سمجھ میں آئی تھی۔

"اس ذرا لاپرواہی کو کامیاب کرنے میں تمہارا ہی ہاتھ
 سب سے کم ہے کیسے یقین کر لیا کہ میں کسی اور سڑک لڑکی
 میں دلچسپی لے سکتا ہوں۔" ہمیں میرا اعتبار کرنا
 چاہئے تھا۔ اتنا عرصہ ساتھ رہنے کے باوجود تمہارے مجھے
 سمجھنے میں غلطی کی۔" افسوس نے ایک ملامت بھری نظر
 اس پر ڈالی۔

"یہاں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔" زوہر شرمندگی
 کا کوئی آثار نہیں تھا۔

"تمہارے چہرے کو ڈانٹو جنم میں۔" میں اپنی بات
 کر رہا ہوں۔" وہ جھلکا۔

"مجھ پر تو تمہارا ہونا چاہئے۔" ہمیں معلوم ہونا
 چاہئے کہ میں تمہارا ہی ذرا لاپرواہی ہوں۔

تمہارے سوا کہیں نہیں جائے۔

جیسے مجھے میں اپنی بے لوث ملامت کا اندازہ کرنا
 وہ اسے اپنی ہی ذلت میں معتبر کر لیتا۔

پھر آنسوؤں سے لبریز ہونے لگی۔

"وہ پھر جڑی سے اتر
 گیا۔"

"وہ ان سنبھل کر رہ گیا۔" مجھے فضول گوئی
 نہیں تھی۔

"وہ سب کچھ
 تمہارے وقت سے ابھی تمہارا وقت ہے۔"

میں نے اسے
 سنبھل کر دیکھا۔

"جس وقت تمہاری
 عمر ختم ہو گئی ہے اور تم اپنی کنیز
 کی طرح امارے آگے جیسے پھرا کر گئی۔" وہ مکمل
 آنسوؤں سے چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"مگر میں تمہاری خدمت میں عرض کر دوں گا۔ تم
 سے کونسا بات کہوں گی۔ رات میری ہے
 چھ ماہوں تمہارے ہی اچھل کی۔"

"کنسہ" سنبھل نے پیچھے سے اس کے کندھے پر
 ہاتھ مارا۔ "بہ شکر فریڈ کا ایک پہلو نہیں ہے
 گا۔"

"آگے واپس مارے ہو سنسک۔" وہ پھر
 پھرنے کے لیے۔ "الٹرا کو اس وقت ان کی مداخلت
 سخت ناگوار تھی۔"

"اور تم چھپ کر ہماری باتیں سن رہے تھے۔" جب
 وہ بار بھر سے دل بات چیت کر رہے ہوں تو ان کی
 باتیں سننا اتفاق سے گری ہوئی حرکت ہے۔" وہ
 ٹھٹھ کر بولا۔

"ہم نے تو کچھ نہیں سنا۔" طارق نے زہنائی سے
 کہا۔

"تم خود انا اونچا پہل رہے تھے کہ سب خود بخود
 سنائی دے رہا تھا۔"

"سب کچھ کھلاؤ گے بھی باہم بھوک سے فوت ہو
 جائیں۔" سادہ نے اس کی توجہ مہینو کی طرف
 دلائی۔ شفا نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ جین خواجہ
 پتل ہو رہی ہے۔ لہذا سنتوں میں موضوع تبدیل ہو
 گیا۔

"مگر رمضان بس چند دنوں میں رخصت ہونے والا
 تھا۔ یہ مبارک ساعین بھلا کب ٹھہرتی ہیں۔ آخری
 عشاء یہ اعلان کرنا ہو اجا رہا تھا۔"

"تم جتنی رخصتیں سمیٹ سکتے ہو، سمیٹ لو۔ پھر یہ
 مقدس اور پر نور گھڑیاں نصیب ہوں کہ نہ ہوں۔"

خوش نصیب تھے وہ لوگ جو صحیح سنبھل میں اس
 بار کت مینے سے فیض یاب ہو جائے تھے۔ شفا کے
 لیے تو یہ سلا موع تھا۔ رمضان کی دو تقریبوں اور عید کی
 تقریبوں کے لیے بہت اڑکھی تھی۔ وہ دو رات کو
 راتیں بے سہارے کے لیے نکل کھڑے ہوتے۔ اسے
 دیکھ کر کہیں کوئی قرآن کریم کی طرح پھرنا شفا کو

بست اچھا لگ رہا تھا۔ کراچی کی بد فضیلت اور اجالے
 اسے کشش کرتے تھے یہ محکم تھا کہ بہل برطانیہ
 کی طرح صفائی نہیں تھی۔ جگمگہ جگمگہ ہرزے اور
 پھولوں کے بجائے پکڑنے کے ڈھیر لگے تھے لیکن
 بہل کی فضیلتوں میں 'ہواؤں میں چہاست کی بہت
 انمول سی خوشبو رہتی ہوئی تھی۔ سرنگوں پر جھلکاٹی
 مرد شیروں میں اپنی بہت نا اچھا سا تھا جو کسی اور نہیں
 مل سکتا تھا۔ وہ تھی ہوا کی آواز کے گری می اپنے
 کراچی کی دونوں کو لپٹنے کے لئے کراچی کی بھری لڑائیوں
 کو اور انہوں کی چہاستوں کو۔ یہ تھی کراچی کی بھری لڑائیوں
 میں اسد کا خیال اسے ہوں اور اس کے لئے کراچی کے
 ہونے چاند کو بدل کا کوئی نکلنا ایک ڈھانچے کے
 عید بس ایک باورن کے فاصلے پر تھی۔ اگلے روز چاند
 نکل آیا تو رمضان کو اللہ کے عید کو خوش آمد
 کرنے کی مبارکباد شروع ہو جائے۔ انہوں نے بی بھر
 کر شاپنگ کی تھی۔ یہ تو لڑیوں اور منہ کی کی خریداری
 چاند نظر سے مشروط تھی آ۔ چاند رات کو بازاروں میں
 باجماعت پھرنے کا اپنی اسی خلف تھا۔

شفا اس وقت بہت پر اٹھ رہی تھی۔ ابھی ابھی ساہو
 بیچے تھی ابھی بھول کو چائے بنا کر پینا تھا یہ تاجپین کو
 بنانے لگی تھی تاکہ گورنر پورا ہو جائے۔
 "تاجپین سب سے اسد کو کسی ڈالو پر نہت کی
 طرح نظر انداز کیوں کر رکھتا ہے؟" اس کی سوچ نا
 بھارا اسد کی طرف جا نکلا۔ وہ کسی بھی موقعے پر ان
 کے ساتھ شریک نہیں ہوا تھا۔
 "اس کا جذبہ بھی تو لپٹا ہونا ہے کہ ساتھ چلنے والا
 نہیں رہتا کر جائے۔" تب کراچی نے سوچا۔
 "لیکن اس طرح اس کے محل پر چھوڑ دینا بھی تو
 صحیح نہیں ہے۔" وہ اس کے بارے میں اوروں نے غور
 کر رہی تھی۔

"سب سے اپنے جیسا بنانے کی کوشش کیوں
 نہیں کرتے؟ اس کی عقل کے گھوڑے کو گھاس
 پھوس سے منع کرنا ان سب کا فرض تھا جو اس کے
 اپنے پیچھے لیکن سب کا طرفدار رہا ہے کسی کو اس

خواب سمجھول بات ہی نہیں۔ غلہ جلی کو دیکھو
 بجائے کی محبت میں بلکن ہو رہی ہیں۔ یوں ذکر کرنا
 ہیں جیسے اس کی غم خیزت و سکت انتہائی پسندیدہ
 ہوں۔ می اور ڈیڑی تک کو اس میں کوئی عقل
 اعتراض بات نظر نہیں آتی۔ آخر یہ کیا جگر ہے؟ ان
 چست پر ایک سرے سے دوسرے سرے تک لپٹنے
 لگی۔ اتفاق سے اسد اور افسر رابر اولیٰ بہت بر سو جو
 نئے انہوں نے شفا کو دیکھ لیا تھا ایک مزید اور سی
 ملاقات کا موقع مفت میں مل گیا تھا۔ فوراً بال کو اسد
 کا وہ پونڈ فارم لانے بھیجا تھا جو لڑائیوں میں بھی خرید کر
 لایا تھا۔ دونوں چھتیس روپے تک لٹی ہوئی تھی۔ اس کے
 اسد لنگور کی طرح چھلا تک لگا کر بہت اچھا لگتا تھا۔
 "خوب لگ رہا ہے۔"

شفا نے اسے دیکھا تو اس کی اواز سن کر اچھل
 پڑی۔ اس کے دل میں یہ خیال نہ تھا کہ اس کی کوہنت کے
 بارے پر اچھا تو یہ خیال ہے جو اس کی ہونے لگا کہ
 اس کی فونٹ کے بارے میں اس نے سنا ہے۔
 "دیکھنا لگ رہا ہے؟" وہ شفا کو دیکھ کر
 سمجھ رہا تھا۔ اسون بہت کی شرت پر
 چھوٹی والی زرد تالی اور ریزن کرین چٹف شفا کا نام
 تھیں جا کر ڈوب سر سے یہ ہم مہر لوار گولڈ سے
 زیادہ بہتر تھا۔

"کیسے مزاج ہیں سرکار کے؟" اس نے دانوں کی
 نمائش کرنے ہوئے پوچھا۔
 "بہت بد مزاج ہیں میں۔" وہ کڑے نوروں سے
 اسے گھورنے لگی۔ "بہن اس نے ہاتھ بڑھا کر گلاب
 کی ایک پوری شلخ تیز لور کاٹوں سمیت اسے پیش
 کی۔

"بہت بھول لے لیجئے"
 "تب کا دلغ تو ٹھیک ہے اس کا کہا کروں گی
 میں ان کو۔"
 "بہت باہوں میں لگائیں۔" وہ کچھ سم کر بولا۔
 "میرا یہ کون سا لنگور ہے جو کہ وہ ایسا لگتا ہے؟"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

✦ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

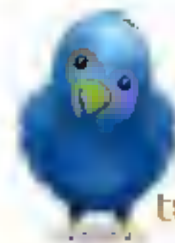
WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

شفا کا بلڈ پریشر ہلکا ہونے لگا۔ اس دن بڑی مشکل سے
پہنسی بند کی۔

"انہی آپ مجھ سے اپنی فحاشیاں رہتی ہیں؟ کیا
خواب ہے مجھ میں؟" وہ اس کے سامنے سُن کر کھڑا ہو
گیا۔

"خوابی آپ میں نہیں آپ کے گھٹنے میں ہے
جس کا دماغ ہوتا ہے۔" وہ دانت چس کر اُس کے بڑھی ہو
اسد نے چیخے سے اس کے آٹھل کا کوتاہی ملتی میں
دیا ہوا۔

"ہم چاہتے ہیں تم کو میری ان کا دل نہ توڑو
آپ بس کے بات کر لو۔" جھگڑے کی بات چھوڑو۔"
وہ اس کا آٹھل تمام کر مٹھکے خیر آواز میں گارہا تھا
میں بات سے سبے نیاز کہ اس کے گلے کا آٹھل پھٹ
دیا ہے۔

"تم سے لگا جاؤں اپنے نو بھاگ پھوٹے
اپنا چھوڑو۔" ہنس ہی ہوئے۔"
شفا کا کسی چہرہ ہلکے کے ساتھ ساتھ اس کا سر بھی
بہو ڈالے۔

"شفا! اس پر راضی چھوڑو۔" وہ آؤٹ آف
نفسی ہو کر بولی۔ ایک جھگڑے سے اپنا آٹھل چھڑا اور
بیزبونی کی طرف دوڑ لگا دی۔ پھر جھگڑے جاتے رہ
گئے۔

"پھر شفا کا کرنا لینا جانا تو زیادہ اچھا تھا اور
اتنے میں وہ دھلائی کر کا دینے بھی ہو تو جو ٹھوڑی بہت کر
اپنی سے وہ بھی اپنی ہو جاتی۔" طنزیہ انداز میں
مشورہ دینے لگی۔

بہت اذیت کر رہا تھا بے شک اس پر راضی
اور اب اس کا خوب صورت اور شفا کا مشورہ دیا
شفا نے "اگر سنڈرم کے چھیننے سے
تو وہ کلنی دہر تک شفا کا لال۔ بھوکا چہرہ باد کر رہی ہے
سب بھٹے میں طرف اور شفا کو اتنے اتنے تار میں
کھانے سے خبردار رہ جائے ہر اُسوس۔" وہ شفا صاحب
بہت چٹنے والے انہی کی طرح وحوش اڑائی دینے لگی۔

بھی ہوا؟" اسد نے معصوم بن کر اس سے
پوچھا۔

"تعمیر اس ہاتھ کے الو سے ہرگز شادی نہیں
کر سکتی۔" اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان
کہا۔ "میں بھی اور بڑی سے صاف منع کر دوں گی۔"
"تم میں اپنی بہت سے؟" جین نے اسے جوش
دیا۔ وہ جین کے ساتھ ابھی پہنچی تھی۔

"ہاں ہے۔" اس نے اطمینان سے لہجے میں کہا۔
"بس رہنے دوں۔ ابھی سارا جوش جھاگ کی طرح
بیتہ جاتے گا جب خند اور خلو جین کے سامنے جا میں
گی۔" مینا کو اتنے اتنے ہی کی ذریعہ نہیں تھی۔
"بہت بات ہے تو ابھی دیکھ لو۔" شفا کو غصہ آ گیا اور
وہ اپنے ڈیڑھی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"تو کیا کیا تم دونوں نے اب وہ انکار کر دے گی۔"
اسد نے دونوں کو گھورا اور شفا کے چہرے پر ڈیڑھی لیکن
اس کے ہاتھ آنے سے پہلے ہی وہ کمرے میں گھس
چکی تھی۔

"کب کیا ہو گا! اسد بھلی تو مجھے قتل کر دیں گے۔"
جین نے تصور میں اسد کو اپنے گلے پر چھری پھرتے
دیکھا۔

"اپنی بھائی میرا قصہ بنا کر تیل کوڑوں کو کھلا میں
گئے۔" مینا نے جھجھکی لگی۔

"میرا قصہ ہمارے لیے کوئی ڈانک سی عیبت ایجاد
کرنے کا اور پھر ہم اسی ہم سے مشورہ ہو جائیں
گئے۔" اسد نے بھی خیال اڑائی گی۔

"یہ سب احمد کن بائیں ہیں۔ ابھی تو یہ ہو جیس کہ
جب بیویوں پر ہلاری شرارت کا پھل ملے گا تو ہزاری
میں عزت اڑائی ہو گی۔" مینا نے اہستہ اہستہ مینا
شرفی کر دیا۔

"ملا کے تو صاف بیچ جائیں گے اور بیٹھنے گی ہماری
کلی کر لیں۔" جین نے اپنی ٹوک سی کر بن کو حسرت
دیکھا۔

"میں نے اپنے ہاتھ کا کہا دھرا ہے۔ اپنی کا دل
اسد نے مینا کو دیکھا۔ "سوجاتا ہے۔" مینا نے



تقریباً ایک وقت گزرے (فلسفہ کی طرف اٹھ گئیں۔
 "میری طرف کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ چڑ گیا۔
 "سارا تصور ان لوگوں کا ہے۔ یہ شفا کو روک
 نہیں سکتی تھیں۔ ایسے تو بڑا دعویٰ کرتی ہیں سروں
 کے شانہ بشانہ ملنے تک۔"
 "اچھا اور خود تو جیسے بڑے معصوم ہیں فرشتے
 ہیں۔" جنین غصے سے بولے۔
 "اگر یہ خرم لوگ کن غصہ نیات میں پڑ گئے سوچو
 میرا کیا بنے گا؟" اسد نے ہلکی سی
 "شفا سے شادی نہ اٹھائی تو تم کو کس دیکھانے دوں
 گا۔"

"یہ اراعت بھیجو اپنی شادی ہے۔" شادی ملنے والی
 شوق سزا کے خیال سے پریشان ہو رہا تھا۔
 "کیوں اراعت بھیجوں میں؟ میری شادی کیا کا
 ہے؟" اسد نے اس کی گردن دبوچ لی۔
 "تو میری شادی تو کئی غلط نہیں ہے سبھی
 شادی نے مشکل اپنی گردن میں کے ہاتھوں سے آزاد
 کرائی۔" شفا نے ہنسنے سے پہلے ہی اس کی وجہ سے
 انکار کیا ہے تاہم جب اسے غلطی ہو گیا کہ یہ سب
 ایک مذاق تھا پھر معاملہ سیٹ ہو گیا۔
 صرف ہماری عزت انسانی کا ہے جو ہرگز سزا
 شفا کو پریشان کرنے کے جرم میں کی جائے گی۔"

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس مذاق سے انٹل
 اور آئی یہ نیچے اٹھ کر اس کے میں ایک غیر سنجیدہ اور
 غیر ذمہ دار بندہ ہوں۔ لہذا وہ مجھے اپنی بیٹی کے لیے
 ناموزوں سمجھتے ہوئے نا منظور کر دیں۔ یہ بات ہرگز
 تک ہرگز نہیں پہنچنی چاہئے تھی۔" اسد کی دلیل میں
 وزن تھا۔

"واقعی! اس طرف تو میرا وہبان ہی نہیں گہلا۔"
 افسر سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ معاملہ زیادہ
 خطرناک صورت اختیار کر گیا ہے۔ "گھڑی کے ساتھ
 ساتھ سب کی صورت پر بھی بار بار غور ہے۔
 "اوس وقت بہت رات ہو گئی ہے۔ ہم چپکے سے
 جا کر سو جائیں گے۔ اب کل ہی ہماری کلاس لی جائے گی

غصے سے کہنے
 "عجب کتنی ڈانٹ برائے کی؟"
 "پلو لوگوں کو بتا دیں تاکہ وہ بچنے کے لیے تیار
 رہیں۔" جنین نے کہہ دیا اس کی طرف آگئیں۔
 جہاں نسلا کی جڑ (اسر) اپنی تمام شاخوں (یعنی تمام
 لوگوں) کے ساتھ موجود تھی۔
 "میں آپ لوگ خوش گہوں میں مصروف ہیں
 اور وہاں آپ کی نسل خواتین کا نظام ہو رہا ہے۔" جنین
 نے جتنے ہی اعلان کیے۔
 "نکل خواتین ہو ہمارے دشمنوں کی۔" اسر نے
 اسے مہورا۔

"شفا باجی نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ (بھوکھلی)
 سے شادی نہیں کریں گی۔" جیتانے یہ مدعا فرمایا
 سب کو سنائی۔
 "کیا؟" اسد نے حیرت منگوا کر کہا۔
 "آپ بیویں کو ہماری شرارت کا علم ہو جائے گا۔
 پھر ہم ہوں گے اور ہمارے اوروں کا اڑنا ہو گا۔" اسوں
 کی جو زبان ہوں گی اور ہمارے سر۔ "جنین کی بات پر
 سب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔
 "اے شفیق بھائی! آپ کیا دوا دے گا؟" نوبیہ رو ہانسا ہو
 گیا۔

"ہو رہے گا کہ نہ ہو۔" پھر انہیں کہا "شوبلی نے
 اس کی سنجیدہ بات کا اتنی غیر سنجیدہ جواب دیا۔
 "خیر ہمارا اوتھ نہیں ہو گا۔ میں اور بالل تو آپ
 لوگوں کے ساتھ شامل ہی نہیں تھے ہم صاف کھر
 جائیں گے۔"

"اویسے بھی ہم سچے ہیں۔ بیویں کی ہرکاد سے میں
 قوتے تھے۔" بال نے بھی نور کی نمک کی۔
 "ایک جھانپڑاؤں کا اگر زیادہ تر رتی نہ۔" شوبلی کو
 غصہ آ گیا۔ "ہم نہیں گے تو تم کو بھی پٹا ہو گا۔"
 "سب شامل تھے اس شرارت میں اس لیے
 پھر امت مار کھا میں گے۔" طار نے فیصلہ دیا۔
 "کس گدھے نے یہ ستموں بکوز پیش کی تھی؟"
 اسد کا مدنے کے مار سے برا حال ہو رہا تھا سب کی

کی اور بھی ٹھیک تھا کہ ہم کہہ "شہابی گھرانے کے لیے اچھے گھرا ہوا۔" عمری کا وقت خریدنا ہیئت کے ساتھ گزر گیا۔

"شاید ابھی ابو جلی کو بتایا نہیں گیا ہے۔ انکل اور آئی اے بھی خود اس معاملے پر غور کر رہے ہوں گے۔" شہابی نے ابا زادہ لگایا۔

"شام تک کھینچالی ہوگی۔" یہ طارق کا خیال تھا۔ آج تو ویسے بھی اظہار پر سب کو اکٹھا ہونا تھا۔ شاید آخری روز ہو یہ ان کے ہاں کا دستور تھا۔ آخری دو دن سے فیوں گھرانے مل کر اظہار کرتے تھے۔ سارا دن خاموشی سے گزر گیا۔

"مجھے تو یہ خاموشی کسی طرفوں کا پیش خیمہ لگتی ہے۔" سادہ نے شہابی کے گلن میں گھس کر سرگوشی کی۔

"اور سب سے زیادہ ڈانٹ مجھے پڑے گی۔ سب سے پہلے دنیا میں آنے کا جرم جو سرزد ہو گیا ہے۔ مجھ سے "شہابی نے بھی جوں "سرگوشی کی۔

"یہ جی تو اس قدر اچھے ایسے تیرا ہی کے کہ بہت اپنی نظر و سانس کی بول بول چال سے۔" سادہ نے بھی تو آئی ہے لکھو کہ وہ کون سا ہمارا۔

ہمارے لفظوں کی بار بار ہے کہ "شہابی نے کہا۔" "میتا نے بھی اظہار کیا۔" "یہ تو زیادہ لگتی ہے۔" "میتا نے بھی اظہار کیا۔" "یہ تو زیادہ لگتی ہے۔"

یہ تو زیادہ لگتی ہے۔ "میتا نے بھی اظہار کیا۔" "یہ تو زیادہ لگتی ہے۔" "میتا نے بھی اظہار کیا۔" "یہ تو زیادہ لگتی ہے۔"

یہ تو زیادہ لگتی ہے۔ "میتا نے بھی اظہار کیا۔" "یہ تو زیادہ لگتی ہے۔" "میتا نے بھی اظہار کیا۔" "یہ تو زیادہ لگتی ہے۔"

یہ تو زیادہ لگتی ہے۔ "میتا نے بھی اظہار کیا۔" "یہ تو زیادہ لگتی ہے۔" "میتا نے بھی اظہار کیا۔" "یہ تو زیادہ لگتی ہے۔"

یہ تو زیادہ لگتی ہے۔ "میتا نے بھی اظہار کیا۔" "یہ تو زیادہ لگتی ہے۔" "میتا نے بھی اظہار کیا۔" "یہ تو زیادہ لگتی ہے۔"

اپنی شرارت سے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا۔ لہذا ہم شفا اور اس کے مٹی ڈیڑھی سے معذرت گرنیس کے اور سر جھکا کر بیوں کی ڈانٹ سن لیں گے۔ بات ختم۔ "اس کی تقریر جاندار تھی۔ سب کے چہرے کھل اٹھے۔ پریشانی دور ہوئے ہی سب کو یاد آ گیا کہ آج متوقع جاندار رات ہے۔ آسمان پر جاندار کی تلاش شروع ہوئی۔

"یہ رہا جاندار۔" اچانک بلال چلایا۔ سب کی نظر آسمان کی طرف اٹھی۔

"تکلیں ہے؟" "آسمان کی طرف نہیں۔ میری طرف دیکھیں۔" "نہ ضروری پر ہاتھ رکھے گھرا تھا۔

"یہ جاندار ہے!" افسر نے اسے گھورا۔ "یہ جاندار کے نام پر بعد از جب ہے۔" بلال کا منہ بن گیا۔

"سب ہاتھ دے رہے ہیں۔" "تقدیر کیسے ہو جیٹا! پھول کی قدر تو صرف ملی کر سکتا ہے اور یہاں ملی کوئی نہیں ہے۔" شہابی نے چنگ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیلا۔

"کیسے کھو تو اس کی شکل اتنی لہتی ہے پھول۔" "گوجی سے۔" "بڑک کر مال نے اس کا ہاتھ جھانک۔" "پھولوں کے ساتھ غلط بیانی کرتے ہوئے سب کو شہابی اتنی چاہے۔" "تسک سے اسے دیکھا ہوا وہ۔" "بڑک کر پاس گھرا ہوا۔" "اس کی ہاتھ نویر داتا۔" "بہت آسانی۔"

"نظر اٹھایا عیرہ نا پند۔" "میتا نے اچھا کر نعرہ لگایا۔

تو ہم نے مغلی کھانے پر باغیچہ کی لکیر کی طرح وہ دیکھنے والی بچہ سے کہہ رہا تھا۔ جیسے دیکھو کہ شہابی قدرت کا ایک انمولی شاہکار ہوں وہ احساس ہوں جو حناق کائنات کی "سورجی پر ایلین کی شمع روشن کرتا ہے جو بندے کو "موجود کی موجودی کا احساس دلاتا ہے۔" "تو بچہ دیکھو اس رازق "اس دن آتا کہ اس کی سے جو۔"

"یہ تو بچہ دیکھو اس رازق "اس دن آتا کہ اس کی سے جو۔"

"یہ تو بچہ دیکھو اس رازق "اس دن آتا کہ اس کی سے جو۔"

جس نے اس کا ہاتھ تھلا۔

"پاکار! تم میں نے تو انکار نہیں کیا۔" وہ کڑوا ہوا مٹی۔ شفا کے اعتراف پر وہ اچھل پڑے (خوشی کے بارے)

"نہم جو غیبے میں انکار کرنے مٹی تھی ہمارے سامنے!" سامع نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں مٹی تو تھی۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"لیکن مٹی اور ڈھیلی کے سامنے جا کر خیال آیا وہ اس مٹی سے کتنے مطمئن ہیں۔" جیسے انکار کرنے سے ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔

ان کی خوشیوں کا پاس نہیں رکھا۔ میں اپنی خوشی سے بے خبر ہوں کہ ان کو دکھ دینے جا رہی تھی۔

میں پھر میں نے۔" وہ مٹی کے کچھ دیر کے بعد سر درد کا ہلکا ہلکا کر کے مٹی سے کچھ دیر کے بعد سر درد کا ہلکا ہلکا کر کے مٹی سے کچھ دیر کے بعد

گرد و آلودگی میں آگئی۔" اس نے سانس سے ہلکا ہلکا کر کے مٹی سے کچھ دیر کے بعد

سے ہاتھ ہٹا کر نہیں ہٹتی تھی۔" شفا نے اس کے سامنے اسد بھائی اسحق اعظم کے طور پر پیش ہوئے۔

اس کے ہاتھ جو اس کے ہاتھ پر تھے اس کے ہاتھ جو اس کے ہاتھ پر تھے اس کے ہاتھ جو اس کے ہاتھ پر تھے

ایسی تڑپائی کی امید میں تھی بلکہ شفا کی خوشی میں تھی۔

انہیں نے برطانیہ میں ضرور پرورش پائی ہے لیکن میری رگوں میں مشرق کا پائیدار اور قدس خون گردش کر رہا ہے۔" وہ سر جھکا کر دھیرے دھیرے کہنے لگی۔

"میں یہ ریت کیسے فراموش کر سکتی تھی کہ مشرق کی گود میں پلنے والی لڑکیوں اپنے والدین اور بزرگوں کے ہر فیصلے پر خوش خوشی سر جھکا جاتی ہیں۔ ہم سب میں ہزار خاصاں ہوں۔" مٹی نے کوئی خوشی تلاش کر کے اس کے سامنے زندگی کا سفر تمام کر دیا تھا۔

میت کی ایک نظر کے لیے ساری زندگی تاک کر رہتی ہیں خود مر جاتی ہیں لیکن دفا کے آپٹل گوانڈار نہیں ہے۔" اس نے اپنی سیرا ضمیر بھی تو اسی مٹی سے اٹھا لی تھی۔

نہ "نا" دھیرے دھیرے میں اپنے پاکیزہ اور انمول خزانہ لائبریری کو مٹی کے دل میں اتر گئی۔

نہ "نا" دھیرے دھیرے میں اپنے پاکیزہ اور انمول خزانہ لائبریری کو مٹی کے دل میں اتر گئی۔

نہ "نا" دھیرے دھیرے میں اپنے پاکیزہ اور انمول خزانہ لائبریری کو مٹی کے دل میں اتر گئی۔

نہ "نا" دھیرے دھیرے میں اپنے پاکیزہ اور انمول خزانہ لائبریری کو مٹی کے دل میں اتر گئی۔

جب جب یہ چاند کھلے میں اسے اپنے پیاروں کے ساتھ دکھوں شفا کی عمر اسی میں۔" اسد کے ہونٹوں پر ایک دعا نما ہنر کھری تھی۔ سب عید مبارک عید مبارک کا شور مارتے تھے۔

"میں کیا پیار کر کے کی طرح منہ لٹکائے کبڑے ہو!" شفا نے اسے ٹھوکا۔

"وہ کھو۔ عید کا چاند کتنا لگ رہا ہے۔" میں کیا دکھوں! میرا چاند تو پہلی میں چھپ گیا ہے۔" اس کے سنجیدگی سے کہنے کے باوجود سب کو ہنسی آئی۔

"میں مگر نہ کرو۔ ہم کھد کر باہر نکل نہیں گئے۔" افسر نے اسے تسلی دی۔

"میں نے کر آئی ہوں۔ بھائی کے چاند کو۔" جس نے نے بیڑھیوں کا رخ کیا۔

"سامع! شفا کو اس برقی ہوئی لو مری آ رہی تھی۔"

"بچے چاند کے رول کے سے بڑھا خود چلا آ رہا ہے۔" وہ ایک کر شرات سے اسد کو دیکھنے لگی۔

"میں لوگ بغیر بتائے ہی چاند دیکھنے میں چلے آئے۔ مجھے اکیلا۔" وہ انہیں شکوہ کنٹی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ اسد پر نظر پڑنے ہی ٹھک کر رک گئی۔ سیاہ جبڑی پنٹ پر سر کی شرٹ پہنے وہ خاصا بلو قار اور سویر نظر آ رہا تھا۔ شفا کی

چشمیں کٹروں تک پھیل گئیں اور منہ کھلا کا کھلا وہ کیا اسے یوں اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اسد سر کھبانے لگا۔

"شفا! مانا کہ اسد بہت حسین ہے لیکن یہاں ہم بھی مواد ہیں۔" طائف کے لوگ نے پر وہ۔" نیچرپ

تھی۔

"اسد انہی جو اور جیسا نظر آ رہا ہے وہی ہے۔" پچھلا گیت سب کو محض نہیں سنانے کے لیے تھا۔ "شفا نے اسے اتنا برف گرم کیا۔

"ہم نہیں یہ حسب بنانے ہی والے تھے۔ تم۔" ذرا تھوڑا انکار کر دیا۔ اب سب کو زانوٹ پڑے گی۔"

ذرا تھوڑا انکار کر دیا۔ اب سب کو زانوٹ پڑے گی۔"

ذرا تھوڑا انکار کر دیا۔ اب سب کو زانوٹ پڑے گی۔"

ذرا تھوڑا انکار کر دیا۔ اب سب کو زانوٹ پڑے گی۔"

اے روپ نگر کے شہزادے!

اور روپ نگر کے شہزادے!

ہات میری سنتا جا رہا

گستا کیا ہے

ابو کا اشارہ

ہو نکل پر تیرے

مسکن یہ کیسی

سرد فضا میں

سوچ کی کرنوں بھی

چل رہی تھی

کسی پہلو سے

دنیا جیسے قدموں میں پڑی ہے

مڑ رہا ہے

نہوٹھا کھیل ہے

دور آکاش پر چلے

تھا جھکا جاند کھڑا ہے

دل تڑا ہے مگر

کسی جیسا

میں میں پیار میرا چھپا ہے

ہو نکل سے کچھ کہتا نہیں ہے

انگھول سے

بے زبان نہیں ہے

اور جیسے نیلے خیول ہوا ہے

خدی خدی خدی ہو گیا ہے

بس اتنا سمجھ لے

بچل کی یہ بھٹی ہے

دو جب بھی رہے

تجک کر دے

سماقادیں مگر

"اد سبے گفتگوں میں نے خود کو اس سرگرم
سے سخن کے ساتھ گزارا کرتے کے لیے تیار کر لیا
قلہ ہمیں واہ خیل ہو گیا! " فریجنگ کر بولا۔

"میں سچی رہی تھی کہ لن کی علو میں بدلنے کی
کہ شہزادوں کی۔ " وہ جھجک کر بولی۔

"تو نے ہونے ابھی سے یہ ارلوے ہیں۔ " سب
کو روں میں نکتے تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

"سب میں جوں سب " اس نے جالے کے لیے
ندم پر حلف لیا۔

"تو کو عبدنا چاند نوڈ کھتی جیو۔ " افسر نے نے لنگ
اس کا بازو پکڑا اور کھینچ کر اس کے سامنے کرتے

تے بولا۔

"تو عبد مبارک " شفا اس کے انداز پر نکل ہو
گئی۔ اس کی شوخ نگاہیں اسی کے چہرے کا طواف

کر رہی تھیں۔

"تو نے کاتھ کے الو کی طرف سے عید کی مبارک
پہنچا کر رکھا تھا تو اس کا جھکا

"تو نے کاتھ کے الو کی طرف سے عید کی مبارک
پہنچا کر رکھا تھا تو اس کا جھکا

"تو نے کاتھ کے الو کی طرف سے عید کی مبارک
پہنچا کر رکھا تھا تو اس کا جھکا

"تو نے کاتھ کے الو کی طرف سے عید کی مبارک
پہنچا کر رکھا تھا تو اس کا جھکا

"تو نے کاتھ کے الو کی طرف سے عید کی مبارک
پہنچا کر رکھا تھا تو اس کا جھکا

"تو نے کاتھ کے الو کی طرف سے عید کی مبارک
پہنچا کر رکھا تھا تو اس کا جھکا

"تو نے کاتھ کے الو کی طرف سے عید کی مبارک
پہنچا کر رکھا تھا تو اس کا جھکا

"تو نے کاتھ کے الو کی طرف سے عید کی مبارک
پہنچا کر رکھا تھا تو اس کا جھکا

"تو نے کاتھ کے الو کی طرف سے عید کی مبارک
پہنچا کر رکھا تھا تو اس کا جھکا

"تو نے کاتھ کے الو کی طرف سے عید کی مبارک
پہنچا کر رکھا تھا تو اس کا جھکا

ہمارے کئی حصار

”اب سمجھ آیا ہمیں، یہ زمانہ کے گھر سحری اور
 اظہارِ یوں روز کیوں پابندی سے چھوڑی پہلے ہی میں،
 اصل مقصد تو تمہارا اس لڑکے کو چھینا تھا، بڑی آیا
 کے الفاظ تھے یا کسی سحری تیرے حصار جو دل میں گہری
 ضرب لگاتے طے گئے حصار لگاتے ہی میں۔ وہ
 کی مرتبہ تو کوئی ہی نہیں تھی، جس کو سحری جو حصار سے



ادا ہوگی تک کا تو کبھی خیال نہ آیا۔ خدا کے آگے سجدہ کیے
 ہوئے تم لوگوں کو میں نے گزر جاتے ہیں اور سے کسی پر
 الزام لگاتے ہوئے خوف بھی محسوس نہیں ہوتا اور پھر
 سوچی ہو تم لوگوں پر نعمتیں برسیں، ارے تم لوگوں کو تو
 سبق حاصل کر کے خدا سے بہتری کی دعائیں مانگی
 چاہیے۔ ہوائے اس کے کہ حسد کرو، تم لوگ جیسے جینا
 چاہتی ہو جیو لیکن آج کے بعد اگر تم لوگوں میں سے کسی
 نے بھی ناز و بر الزام لگایا تو پھر مجھ سے برا کوئی نہیں ہو
 گا۔ ” وہ سخت کھنکھوڑے لہجے میں بولتے ہوئے اور سنجیدہ نگاہ
 ڈالتے ہوئے چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد وہ بھی

چوکتی ہو جس اماں کی دادی کی طرح سی شفقت
 میں پٹی بڑھی ہو اس کے تحت یہ الزامات زمین میں
 زندہ دفن کر دینے کے مترادف تھے۔ بڑی آیا اپنا
 غصہ کتنی ہی دیر زہریلے الفاظوں کے ذریعے نکالتی
 رہیں۔ باقی تین بڑی بہنوں نے بھی خوب تماشاً
 دیکھا۔ آپا نہ جانے کئی دیر اس پر تنجر کی گہری ضرب
 لگائی رہتیں۔ اگر سچ میں امان آجاتے، ایانے غصے اور
 نفرت سے آپا کو دیکھا تھا اور سخت لہجے میں بولے۔
 ”اس پر الزام لگانے سے پہلے اپنے گریبان میں
 جھانکو کہ تم لوگ کتنے سیدھے راستے پر ہو۔ فرض کی



زندگی تیزی سے سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ وہ سب اپنی جگہ ساکت ہی کھڑی رہ گئیں۔

☆.....☆

نماز کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو ایک ہل کے لیے سمجھ ہی نہ آیا کیا مانگے کس کے لیے مانگے ان کے لیے جن کی نافرمانی شاید کبھی ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ ہمیشہ بس یہی تو خواہش کی تھی گھر میں اتفاق اور محبت قائم ہو سکے جس طرح ہوا کیا نے تڑیل کی تھی اس کے بعد تو وہ ان سے کچھ مانگنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ آج پھوٹ پھوٹ کر دل کا دل چاہ رہا تھا۔ خود پر ضبط کیے ہوئے آسو بہہ گئے تھے۔ گھر سے دیکھ، تاسف اور افسوس کے ساتھ۔ ہاں ایک حقیقت یہ تھی کہ وہ اپنی چاروں بڑی بہنوں جیسی بالکل نہ تھی۔ وہ چاروں کتنی زیادہ زندگی کے رنگوں میں رنگی ہوئی تھیں وہ اتنا ہی ان سب سے دور تھی۔ اس کی تربیت میں دادی کا عکس نمایاں تھا۔ سب میں چھوٹی ہونے کے ناتے وہ دادی کے زیادہ قریب تھی۔ پھر انہوں نے اسے اپنے طرز سے پالا مذہب، ثقافت، روایت، تمیز و تہذیب..... ہر چیز سے روشناس کر دیا۔ دادی اس میں اپنا آب و ذال گیس اور ایسی جگہ پر رہ گئی جہاں ان چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ ان کا گھرانہ بھی معاشرے کے ان گھرانوں کی فہرست میں شامل تھا جو اپنی روایتوں اور مذہب کی اہمیت کو بھلا بیٹھے تھے اور اس میں بہنوں کا بھی زیادہ تصور نہ تھا۔ ماں نے جو تربیت کی بیٹیوں نے بھی وہی طرز اپنایا اور زیادہ افسوس تو اب رہا ہوتا تھا کہ انہوں نے بھی کبھی کوئی روک ٹوک ہی نہ کی۔ اس کی کمینش تربیت کی اس تخلیق کے مراحل سے نکل چکی تھیں، جس میں کسی گلی مٹی کے برتن کو اپنی مرضی سے کسی بھی طرز کا بنا لیا جائے لیکن اب وہ برتن سوکھ کر پتھر بن چکا تھا۔ جس کے ساتھ کھینچی تالی کا مطلب کلاڑے کلاڑے ہونا تھا۔ آج اب اولے تو لیکن تب جب پانی سر سے

اڑ چکا ہو گیا تھا۔ اسی لیے بڑی آیا نے الزام بھی آسانی سے لگا دیا۔ جو سر غلط تھا۔ اماں اور دادی میں اسے کبھی کوئی فرق سمجھ ہی نہ آیا تھا۔ اماں اپنی اولادوں کی بے اعتنائی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ ان کے بڑوں میں آ رہی تھیں۔ دادی سے ان کا کتنی بہنوں سے بھی زیادہ پیار تھا۔ پھر اماں کے شوہر کے گزر جانے کے بعد دادی نے ان کا اور بھی خیال رکھا تھا۔ اماں کی اولاد میں تو بس فقط خیریت ہی دریافت کر جاتا اور وہ بھی تن جو اپنے نماز روزے میں کتنی خود کو پرسکون محسوس کرتی تھیں۔

دادی شروع ہی سے انہیں رمضان کا عظیم عید بنی کر ہی لکھانا بھجواتیں، اماں کا حصر پہلے نکلتا بعد میں وہ خزانہ لگاؤ کی عادت دادی کے گزر جانے کے بعد ان نے کئی عادات بھی اور کئی کئی کو اعتراض بھی نہ ہوا۔ کیوں کہ یہ کچھ کئی عادات کی طرح ہی انجام دیا جاتا۔ لیکن بہنوں کو اب اعتراض ہونے لگا تھا۔ وہ نہیں سمجھ پا رہی تھیں کہ ان کے جہان جہان پیٹھے ہوئے اس کا شاندار رشتہ آیا اور ماں باپ نے اسے ہی کیوں حال لاکھ اس صورت حال میں ماں کی کٹھنی کو شیشی نہ بنیں۔ سکندر مرزا جیسا شخص کسی بھی لڑکی کا خواب نہ بن سکتا تھا۔ لیکن ماں نے کوئی خواب نہیں بنا تھا۔ بلکہ سکندر مرزا نے اسے اپنے خواب کی تعبیر بنا لیا تھا۔ فقط اتفاقاً ملاقات کو ایک جھٹک کے تحت اس کی زیر نگین ہوں نے ایک لمحہ میں اس کی سادگی اور مصومیت بھانپ لی تھی۔ وہ بڑے لاڈ سے اماں کی گود میں سر رکھے بائیں کر رہی تھی کہ اچانک اس کی آمد ہوئی تھی اور وہ یکدم بوکھلا کر سیدھی ہو چکی۔ نیوی کے دانش یونیفارم میں ملیوں ایک شاندار پر سنائی کا مالک تھا وہ شخص اسے دیکھ کر یہی لگا تھا کہ وہ اپنی چاب سے سیدھا ہی یہاں آیا ہو۔ جیسی آمد بھی اچانک ہوئی۔ اماں کے وہ بھی خاندان والوں کو جانتی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ کبھی ملنا بھی نہ ہوا کسی سے، اماں کے اس پوتے کو کبھی پہلی بار اس گھر میں

دیکھا تھا۔ انجان لوگوں سے ونیے ہی وہ لٹنے سے کھڑی تھی لیکن یہاں مجبوری اماں کی رشتے داری کی تھی اور پھر بڑی مشکل سے وہ سلام کرتی تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔ اس بات سے بے خبر کہ پیچھے سے کسی نے اسے بہت گہری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

☆.....☆

اگلے دن اماں اسے اپنی روادار ساری تھیں، ساتھ ہی چہرے پر اداسی کے آثار بھی نمایاں تھے۔ ان کا پوتا کافی عرصے سے ان سے ناراض تھا۔ اپنے دادا دادوی کے لاڈلے ہونے کی بنا پر اتنا قریب بھی تھا لیکن بچپن میں ہی اس نے جدائی محسوس کرنا شروع کی وہ انہیں واپس آنے کا کہتا اور بوڑھے میاں بیوی بے بسی سے کوئی جواب نہ دیتے پھر جب شعور کی منزل میں لے گئے تو دادا دادوی کی بے بسی بھی سمجھ آنے لگی۔ پھر ایک دن بڑی مصومیت سے کہا۔ "اب آپ لوگوں کو اس دن لینے آؤں گا جب میرا پتا کمر ہوگا۔" بچپن کی ہی مصومیت کی بات کو اس نے پورا کیا اور آج آئی ہے۔ لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ اس کے دوستوں جیسے دادا زکرمہ نہ رہے اور دادوی پھر بڑے تھائی میں جھونکتا نہیں چاہتا تھا۔

"تو چلی جائیں آپ جب وہ آپ جیسے رہتا ہے کرتا ہے تو مان لیں اس کی بات۔" ان کے کھنکھانے کے پاس نہیں اس نے ممانعت بھرے لہجے میں کہا۔ یہ بات اگلی ہی کہ اسے دور ہو جانے کا دکھ شاید مشکل سے برداشت ہو سکتا تھا۔

"بھئی تو میں جاؤں میری بھئی لیکن اب اس گھر اور یہاں کی یادوں سے لٹکتے ہوئے کا دل نہیں چاہتا۔" وہ شخص سے لہجے میں بولیں۔

"تو اس سے کہیں وہ آپ کے ساتھ رہنے کے لیے منظور پر اس نے مشورہ دیا آگے سے اس کی کیا بات کن کر پوچھے کی بات کا خیال آیا تھا جو لیوں پر کراہت بھیر گیا۔"

"مجھے کہتا ہے گھر میں نے بنا لیا ہے جس میں آپ میرے ساتھ رہیں گی اور باقی کی کسی آپ کی بیاری ہی بہو۔ آکر پوری کر دے گی، بے شرم۔" وہ اسے ہتھ پتھتے بنا رہی تھیں۔ آگے سے وہ کچھ بول ہی نہ پائی۔ واپس بے شرمی اور بے باکی ہی گئی اسے دادی کے سامنے اس قدر دل کھول کر جو پانچک بتائی جاتی رہی تھی۔

پھر اگلے کچھ روز بعد اماں کے کہے اس جملے کا منہ بوم بھی بخوبی سمجھ آ گیا۔ اماں اپنی بہو کے ساتھ بڑے جاؤ سے اپنے لاڈلے پوتے کا رشتہ اس کے لیے مانگنے آئی تھیں۔ اماں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا جب کہ خود وہ حیران پریشان رہ گئی تھی۔ تصور میں مہیا اس شخص کا سراپا نمودار ہوا تھا۔ لہذا وہ کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل بننے کے قابل تھا لیکن یہاں معاملہ کچھ سنگینی اختیار کر گیا تھا۔ ابھی چاروں بڑی بیٹنیں کھواری بیٹھی تھیں جن میں بھلاہر کوئی کی نہ تھی لیکن پھر بھی بات نہ بن پائی، نہ جانے کیا مصلحت تھی ایسے میں پہلے چھوٹی کی شادی ہو جانا بیٹوں کے لیے ناقابل قبول تھا۔ گھر میں اس بات کو لے کر تناؤ بڑھ گیا تھا۔ بیٹوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا ان سے پہلے ہرگز اس کی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ جب کہ امی لہا کی بچی رائے تھی۔ اس شے کو منظور دے دی جائے ایسا رشتہ بھلا نہیں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا۔ یہی آپا نے امی کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہا آخر کو ان کا تانا بٹا جوڑ جوڑا۔ ہمیشہ کا ساتھ دینے والی ماں اس بار ایسا نہ کر پائیں وہ خود بھی بیٹیوں کی بڑھتی ہوئی عمر سے پریشان تھیں۔ ایسے میں اس شاندار رشتے کو کھونا نہیں چاہتی تھیں۔ ناز سے ان کی بڑی آپا جیسی بے شک قربت نہ تھی لیکن بھی تو وہ بھی ہاتھوں کی طرح ان کے دل و جان کا گھڑا اس کا حق مارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ بڑی بیٹوں کو ماں سے یہ توقع نہیں تھی۔ آخر کو ان کے پاس ٹھہر کرنے کے سوا کچھ نہ بچا بچہ لہا کی طرف سے۔ اس کی رضامندی پوچھی گئی

وہ جو پہلے بھی گھر کے ماحول سے خوف زدہ تھی کہ کچھ بول ہی نہ پائی یہ بات الگ تھی کہ۔

اس شخص کا خیال کسی خوب صورت احساس کی مانند محسوس ہوتا لیکن اپنی رضامندی دے کر خود غرض نہیں بننا چاہتی تھی۔ بہنوں کا بھی احساس تھا۔ ہار کر اس نے ابا سے سب صاف کہہ دیا۔

”بیٹا! بہنوں کے لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ان کی زندگی میں اور اپنی اولادوں کے لیے بہتر ہی سوچیں گے۔ بیٹا اللہ نے جس کا جو وقت مقرر کیا جاسے تب ہی نے کا ازمینے کیج کہوں تو تمہاری ای اور میں دل سے اس رشتے کو پسند کر رہے ہیں۔ تم اماں کی زیر شفقت میں رہو گی۔ میرے لیے اس سے زیادہ سکون بخش بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔“ وہ صاف سے بولے۔ ان کی آنکھوں میں چمکتی پٹیوں کی فکر مندی نے جیسے اس کے لب ہی ہی دیئے۔

اور آخر رشتے کو لڑ کے کر دیا گیا۔ جس کا نتیجہ آج کی یہ تلخ کلاہی نکلی تھی جس پر گھنٹوں اس نے آنسو بہائے تھے۔ آج وہ خالی الدماغ تھی ہی ویر دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے بیٹھی رہی۔ یوں لگتا تھا جیسے ساری خواہشیں ساری اسٹیکس ختم ہو گئی ہوں۔

☆.....☆

آج آخری روزہ تھا اور ہر سال کی طرح دل آج بھی طویل تھا۔ آج بھی اکیلے ہی سحری کرنا تھی کیوں کہ اس کے اور اماں کے علاوہ کبھی اس گھر میں کوئی روزہ تو رکھتا نہ تھا اور اپنا بھی کبھی بکھار ہی سحری کرتے تھے۔ زیادہ تر دوپہر پنی کر روزہ رکھ لیتے، اس کے بعد چکن کے ڈانگ پر وہ بے دلی سے نوالے توڑ رہی ہوتی تھی۔ اس لمحے دادی کی شدت سے یاد آتی وہ اس کے من پسند قہر پر اٹھے بتائی تھیں اور دونوں ہی بڑے چاؤ سے کھاتیں اماں کے پاس جانے کا بھی کوئی فائدہ نہ تھا۔ وہ بھی صرف درد و غم میں اور عبادت میں مشغول ہو جاتیں۔ ایسے میں وہ انہیں پریشان کرنا نہ چاہتی۔

یہ بات تو اب عام ہو گئی تھی ہر سال ہی ایسا ہوتا تھا لیکن اب کی بار بیٹیوں کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

وہ چائے نماز لینے سو جتی چلی گئی تھی پھر کچن کا رخ کیا۔ کچن میں داخل ہوتے ہی جو سامنے منظر نظر آ رہا تھا وہ یقیناً نا قابل یقین تھا۔ ساری انہیں تندہی سے سحری بنانے میں لگی ہوئی تھیں۔ جو کئی حیرت سے کہات نہ تھی۔

”ارے آؤ نازو! دیکھو میں تمہاری پسند کا پراٹھا بنا رہی ہوں۔“ بڑی آنے خوشگوار انانیت سے بھر پور لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے بھٹنے کو تھیں یہ منظر کئی معجزے سے کم نہ تھا۔

”کیا ہوا اتنی حیرت سے کیوں ڈر رہی ہو؟“ وہ سب دلی دہلی ہی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

”نہیں وہ میں.....“ وہ کچھ شرمندہ ہی ہو گئی۔ لیکن حقائق ہوں تمہاری حیرت کا مطلب جو حق بجانب ہے اس کی آپا نے پیار سے اس کے گرد بازو حائل کر کے ہونے لگا۔ آپا کا یہ انداز کسی قدر اچھا لگ رہا تھا وہ شاید لفظوں میں تھا انہیں کسکتی تھی۔

”آتم سوری نازو! میں نے تمہیں بہت تکلیف پہنچائی ہے نا۔“ وہ محبت سے چہرہ لہکے ہوئے بولیں۔ ”نہیں آپا! ایسا مت کہیں آپ بھی اپنی جگہ سے ہٹ کر صبح نہیں۔“ وہ فوراً بولی۔

”نہیں نازو! ہم صبح نہیں تھے ہم صبح تو شاید کبھی بھی نہ تھے، زندگی میں کوئی بھی فرض درست طریقے سے ادا نہ کیا، پھر خود تو کبھی کوئی نیکی کی نہیں اور تمہاری نیکیوں پر کچھ اچھا لیا یقیناً ہم جیسوں سے ہی اللہ ناراض ہوتا ہے۔“ وہ صاف گوئی سے بولیں۔ شاید احتساب کا مرحلہ انہوں نے پار کر لیا تھا۔

”نہیں آپا! آپ ایسا مت سوچیں آپ اچھی ہیں بہت اچھی۔“ وہ ان کے چہرے کو ہاتھوں کے پانے میں بھرتے ہوئے بولی۔

”نازو! دعا میں نصیب کھوتی ہیں اس بات کا یقین ہو گیا ہے مجھے اور جانتی ہو تمہیں اس یوزمی

عورت کی دعا نہیں لگی ہیں۔ جس کا کوئی نہ تھا، اس کی بے بسی میں تم ان کی سا بھی نہیں اور دیکھو اللہ نے تمہیں ان کے توسط سے ہی نوازا ایسے میں ہم انکی اٹھانے والے کون ہوتے ہیں۔ اللہ کے کاموں میں خلل ڈالنے والا یقیناً عذاب کا شکار ہوتا ہے مجھے اس بات کا اعتراف ہو گیا ہے۔ یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں صرف پشیمانی تھی، کچھ دیر سے ہی صبح پر انہیں اعتراف ہو گیا تھا اور اس سے بڑی خوشی کی بات اس کے لیے کچھ نہیں ہو سکتی تھی۔

جب آپ کو یہ اعتراف ہے تو آپ کو اس بات پر بھی یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ ہی ہے جو ہماری خواہشات کو پورا کرتا ہے۔ آپاد وہ آپ کے نصیب بھی ایچھے کرے گا۔ وہ یقین سے بولی اور وہ اثبات میں گزردن پلائیں۔ ایک پختہ یقین کے ساتھ۔

پلو بھی اب یونہی ایک دوسرے سے ظلفے بھاڑتی رہو گی حیرتی بھی بتاتی ہے وقت نکل گیا تو بتا حیرتی کے روز وہ کھانا کئے گا۔ چھوٹی آنے ماحول کے جو دو کو توڑتے ہوئے کہا لڑو دونوں سکرادیں۔

سالوں بعد گھر میں ایک ساتھ حیرتی کھانے کے لیے دسترخوان بچھایا گیا تھا۔ درخت ایسا تو دادی کے ہوتے ہوئے ہی ہوتا تھا۔ اب یہ سب کچھ کرسی اٹھے تھے۔ انہوں نے فوراً ہی جیب میں سے ہزار روپے کے نوٹ نکلتے آیا کو چھما دیے تھے۔ ان سب ہی نے نیرت سے دیکھا تھا۔

ارٹے بھی حیران رہے ہوں، یہ تم سب کی عید کی تیاری کے پیسے ہیں، وہ جیتے ہوئے بولے تو وہ سب بھی خوشی سے جھوم کھینکے۔ حملے گزرے تاؤ والے ماحول میں عید کی تیاری کا کسی کو خیال تک بھی نہ ہو سکتا تھا۔ ابا کے یاد دلانے پر احساس ہوا تھا انہوں نے ایک چھوٹی تنگ نہ خریدی تھی لیکن اس انعام سے بڑا انعام ہوا تھا جو اللہ نے عطا کیا تھا۔

☆.....☆

وہ اماں کے گھر کے برآمدے میں دیوار سے لیک لگے آسمان پر جھلملاتے ستاروں کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ رات کی سیاہی میں ان کی جھلملاہٹ کشادہ آسمان کو روشنیوں سے منور کر رہی تھی۔ یوں لگتا تھا درود مستوتوں تک آسمان نے نورانی چادر اوڑھ لی ہو۔ جائیدرات کی جامعہ فی ماحول میں رکھیں کرنی نظر آتی تھی۔ آج برقی قلموں سے سجے بازار روشنیوں سے جگمگاتے شہر خوشی سے جھومتے بچوں کی فلقاریاں اور ہمنہدی چڑھیوں سے سجے ہالیوں کے ہاتھ تہوار کی روپوشی کا احساس دلارے تھے۔ ہاں کتوں والا مہینہ ایک ایک کی جھولی میں لٹکتی ڈال تیزی سے کب گزر گیا تھا یہ ہی نہ چلا تھا اور ہر ہار کی طرح اس کے لوٹ جانے کی اداسی نے اسے آن گھیرا تھا بھلے سے وہ ہر سال آنے کا وعدہ کرتا تھا لیکن زندگی کی عنایت تو نہ دیتا تھا۔ نہ جانے وہ کون بد نصیب ہوتے ہیں جن کے پاس ان کی برکتیں سمیٹنے کا بھی وقت نہیں ہوتا۔ ان بد نصیبوں میں بھی اس کا گھر انا بھی شامل تھا لیکن اس بار اسے اپنی نعتوں سے فیض یاب کر رہا تھا۔ سالوں کی کھلی آج پوری ہوئی تھی جیسے بڑی آیا جو پورا رمضان لڑتی ہی رہی تھیں۔ اس بات سے ظنی انجان کہ خدا نے آج کے دن کئی خوشیوں سے نوازا جو ہر چیز سے مایوس ہو چکی تھیں لمحہ بھر کی بدلی سوچ نے ان کی زندگی میں کئی تبدیلی پیدا کر دی گی۔

سروازہ اظہار کے بعد خاندان سے آئے مہمانوں نے امی ابا کا منہ چمکا کر داتے ہوئے بڑے جاؤ سے آیا کا رشتہ مانگا تھا۔ خاندان، لڑکا سب ہی کچھ اچھا تھا۔ پھر انکار کی بھی کوئی گنجائش نہ تھی۔ البتہ بڑی آیا نے کچھ شرمندگی اور حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا لیکن وہ حیران نہ ہوئی تھی۔ اسے خدا پر بھروسہ تھا۔ وہ مانتے والوں کو بھی نوازا ہے اور جو نہیں مانتا انہیں بھی نوازا ہے۔ وہ نوراً یہ خوشی کی خبر اماں کو سنانے کے لیے گیسے بننے میں مشغول ڈالے دوڑی چلی آئی۔

لیکن اماں کو نوافل پڑھتے دیکھ کر وہیں کھڑی انتظار کرنے لگی۔ آسمان کی دستوں کو دیکھتے ہوئے سوچ کی داویوں میں اتر گئی تھی۔ خبر ہی نہ ہوئی ہوش تو تب آیا جب اپنے پیچھے کسی آہٹ کا احساس ہوا۔ اس نے گردن ٹھہرا کر دیکھا سکندر اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس کے دیکھنے پر مسکرایا تھا۔ ساہو ساہو شلوار قمیص میں ملبوس اس کی مردانہ جاہت پر کھنکھن رہی تھی۔

”خیر مت یہاں آگے نہیں کھڑی ہو؟“ وہ بولا۔
 ”وہ میں..... اصل میں یہ مصالحتی لائی گئی اماں کے لیے۔ لیکن وہ نوافل ادا کر رہی تھیں تو اس لیے یہاں انتظار کر رہی تھی۔“ کچھ گھبراتے ہوئے اس نے وضاحت دی اس ایک ملاقات کے بعد آج اتفاق ہوا تھا کہ وہ یوں آئے سانسے کھڑے تھا بات کر رہے تھے۔

”مصلحتی کیوں؟“ وہ چونکا۔
 ”بڑی آپا کی بات طے ہو گئی ہے۔“ وہ بات سے ہات نکال کر بڑے موڈ میں تھا جب کہ اس کا ہات گناہ دہر ہورہا تھا ایک حقیقت یہ بھی تھی کہ اس میں ان لڑکیوں جیسا اعتماد نہیں تھا جو مردوں سے آگے ملا کر بات کر سکتی تھیں۔ دادی کے پلو سے بندھنے کی وجہ سے بھی اعتماد ہی پیدا نہ ہوا۔ سکندر اس کے گھبرائے ہوئے چہرے کو دیکھ کر محفوظ ہوا تھا۔ اس نے بہت سے خوب صورت چہرے دیکھے تھے لیکن ان میں جیسا شاید کبھی نہ دیکھی تھی۔

”مجھے مصالحتی نہیں کھلاؤ گی۔“ اسے مشکل میں ڈالنا ہوا محفوظ ہوتے ہوئے بولا۔
 ”ہاں کیوں نہیں لیجیے۔“ اس نے بھی جان چھڑانے کے لیے جھپٹ پیٹ آگے کر دی۔ جب کہ اس کی ذومعنی بات کا قطعی بے نیازی سے اظہار کیا اس کی غیر ہوتی حالت پر ایک دہنی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے ایک نہیں اٹھا کر منہ میں ڈال لیا تھا۔
 ”بہت مبارک ہو اپنی آپا کو میری طرف سے بھی مبارک باد دیتا۔“

”جی ضرور اچھا میں اماں کو دیکھتی ہوں شاید وہ

فارغ ہو گئی ہوں۔“ آخر فرار کے لیے بھی صحیح لگاوردہ اس کی سو جوگی سے دھڑکنوں میں جو شور ماسٹ رہا تھا ڈر تھا کہ کہیں اس کی خبر ہی نہ ہو جائے۔
 ”نازوا“ پیچھے سے اس نے پکارا تو اس کے بڑھتے قدم ٹھم سے گئے۔
 ”جی۔“ اس نے پلٹ کر غلافی آنکھوں کی گھنیری پکوں کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

”کیا تم اپنے اور میرے رشتے پر ضامن ہو؟“ وہ متانت سے بولا تھا اور وہ چونکی تھی۔
 ”کیوں پوچھ رہے ہیں؟“
 ”وہیے ہی شاید کسی کے لیے کہ میری ہونے والی بیویوں سماجی کو میرا ساتھ دل سے قبول ہے بھی کہ نہیں۔“ وہ آنکھوں میں شرارت سوتے ہوئے بولا۔
 ”اگر آپ مجھے نہ پسند ہو تو شاید یہ رشتہ بھی نہ ہوتا۔“ سنجیدگی سے اس نے صاف گوئی کا اظہار کیا تھا اور پلٹ گئی تھی اور پیچھے سے یہی کہہ کر دل سے خوش ہوا تھا۔

”اچھا سنو۔“ اس نے پھر پکا نازا ب کے وہ مصنوعی غصہ جھلکنا ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا۔
 ”آپ کہا پوچھتا ہے آپ کو؟“
 ”پوچھتا نہیں کہتا ہے۔“ اس کی کیفیت پر اس کی آنکھوں میں شوخی کی ایک چمک ابھری تھی۔
 ”کیا؟“ وہ چونکی تھی۔

”چاند مبارک ہو۔“ وہ دقرب مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو آگے سے وہ بھی مسکرا دی۔
 ”آپ کو بھی۔“ لیوں پر بھی خوب صورت مسکراہٹ اس کے سپرد کرتے اب کے وہ تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی اور وہ اسے تب تک جانا دیکھتا رہا جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی تھی۔ آسمان سے برقی توری کی بارش دلوں کو خوشی سے منور کرتی چلی گئی تھی۔ عید کی خوشیاں اس بار آنے والی زندگی کے کسی پر مسرت پیغام دے گئی تھیں۔

☆.....

انٹرنیٹ کے ذریعے

سہیلی دھوپ پورے گھر میں بھینچتی ہوئی تھی اور بچے مومس گرہم تھا۔ گھر خشتی بنوانے دھوپ کی سہیلی اور تہذیب کو ختم کر دیا تھا۔ دو پیر کے تقریباً تین سالہ لڑکے تھے۔ سب ہی اپنے گروں میں تھے۔ دو چہرے کے منانے نے پورے گھر کو اپنی پلیٹ میں لے رکھا تھا۔ اس کے علاوہ تہذیب اور اس کے بچی دو جوہر کا حصہ بن گیا تھا۔ کتنے ہی عرصے سے وہ اس گھر میں رہ رہی تھی۔ اس کے اپنے کمرے کے پورا کمرہ اپنی لگا تھا۔ اس کا نام روشن تھا۔ بھائی اور اہلیہ اگرچہ اس سے محبت کرتے تھے۔ اس کا حال وہ حال کر سکتے تھے۔ کوئی بھی تو ضرورت ایسی نہ تھی جو اس کی

مکمل طور پر

ہو سکی ہو۔ مگر تائی جاننی کا رویہ اتنا بریل میں گھر میں انہوں نے چاہا۔ تھی ہی اسی لیے اسے گھر سے ہونے ماضی اور حال کے درمیان موازنہ کوئی رہی۔ بچپن میں ہی اور ابو کے گھر آئے تھے۔ دن اور رات گزارے تھے اس نے۔ زندگی میں سب کچھ ہونے کے باوجود اتنی محبتیں پانے کے باوجود اس کا ہر لمحہ تہذیب کی یاد آتی۔ "آئندہ آئی؟" وہ اور نہ جاننے کوئی دیر تک ماضی کے چہرہ کوں میں کھوئی رہتی اور ولیدی آواز اسے یاد آتی۔ اس کی یاد پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔

"نہا آئی کا فون ہے۔" اس کے پلٹنے پر اس نے اپنی آمد کی وضاحت کر دی۔ اس کے پیچھے وہ نیچے چلی آئی۔ "کتنی بے مروت ہو تم آئندہ" دوسری جانب سے نہا کا شکوہ و شکایت نامہ شروع ہو گیا۔ "چلو تم تو بامروت ہو نا۔" اس نے شرمندہ ہونے لگی۔ وہ اس کی اس عادت کی عادت تھی۔ "آج میں تمہیں فون کرنے کی دانی تھی یا شاید تمہارے گھر ہی آجاتی۔" اس کی غلطی کو دور کرنے کے لیے اس نے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔

"راشلی!" اس نے بے یقین سے سب سے تصدیق چاہی۔ "تو کچھ کیا میں جھوٹ بولی رہی ہوں؟" "اچھا خیر چھوڑو یہ بناؤ تمہارا آگے کا کیا پروگرام ہے؟" یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہوئی یا نہیں؟ اس نے سوچنا شروع کر دیا۔

"یونیورسٹی میں تو نہیں لیکن پرائیویٹ پڑھنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" "کیوں؟" اس نے حیرت کا اظہار کیا۔ "یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو کہ یونیورسٹی میں داخلہ نہیں لے سکتی ہیں۔ یہ بھی تم پوچھ رہی ہو۔"



"اوتھی سی بوجھ تھاری جھلی جان نے یہاں بھی ویو اور کھڑی کر دی۔ پراپے غریب تھاری تائی جان چاہتی کیا ہیں؟"
 "نی الحال یہ غیبت کا مہضوع طیف زکورد در نہ تمہارا اکاؤنٹ بھی خالی ہو جائے گا اور میرا بھی۔" بات کا رخ تائی جان
 کی طرف ہوتا، کچھ کرناں نے اس کو مزید کچھ کہنے سے روکا۔

"تم یہ بتاؤ کہ کسب آ رہی ہو؟" اس نے پھر اس کو تڑپائش میں ڈالا۔ ابھی وہ جواب نہ دے پائی تھی، کہ کیونکہ اس کو
 معلوم تھا کہ تائی جان اپنے سے محمود نے میں مصروف ہیں اس لیے پلٹ کر اس کی موجودگی کا یقین کیا۔ وہ ہاتھ میں
 تواریں سے بھر اٹھا اور پھر پھینک لیے اس کے فون بند کرنے کی دستکرتھیں۔

"نی اٹھناں کچھ ہر ٹھنک رہی۔" وہ اس دن میں آ جاؤں گی۔" اچھا اللہ حافظ۔" دوسری طرف سے کچھ نہ چاہتے ہوئے
 فون رکھنا پڑا۔

کرتے تھوڑوں سے اسے کھورتے ہوئے کھانے کے سفر تھا! اسٹف نیکل پر رکھا اور وہ ان کی لال لال سی بڑی بڑی کھانے کو
 کچھ خاموشی کے ساتھ کھانے لگی۔ اس وقت تائی جان نے کہا۔

"اور نہ بھئی ہماری بیٹی کیا کر رہی ہے؟" اس کے ساتھ ہی کچھ غصہ کر بیٹھتے ہوئے انہوں نے اسے اپنے
 انداز سے مخاطب کیا۔

"رات کے کھانے کی تیاری۔" ان کی میراں صورت نے کچھ دیر سے کھانے کے آف سوؤ کو بحال کر دیا تھا۔
 "جیہا! تم گھر کے کام کو بچ کر کے کھنٹی نہیں ہو؟" دو دھمت سے نرم لہجے میں اس نے کہا، اس کو ہر وقت تائی مصروف
 پاتے تھے اس جانی کے کام پر بھی وہ دیکھتی اور جب وہ اس آتے تب بھی بکراؤں کا کام نہ کر رہی ہوتی تھی۔ اس
 نے حسب عادت سر تکی میں ہاتھ پکڑا۔

"مچھ رہی بیٹا! تم باقی گھر کی بو کر رہی ہو۔ بس گھر کے کام کاج میں اور تم ہوتی میرے کھانے کے ساتھ ساتھ
 انسان کو بالکل بور کر دیتے ہیں۔ بیٹا! نہیں آ یا جیایا کرو یہ کام تو ہوتے رہتے ہیں۔ ویسے بھی کچھ تو ہر کام میں
 ضروری ہوتا ہے۔ کیا خیال ہے جیہا! میں ٹھیک کھد رہا ہوں یا؟" بات کے آخر میں انہوں نے اس سے تاکید چاہی
 نے اٹھاتے میں سر پکڑا دیا۔

"پھر بیٹا! تم نے کیا سوچا ہے؟"

"کس پارے میں؟" اس نے ہوا لے لگا ہونے سے فون دیکھا۔

"جیہا! تم یونیورسٹی میں ایڈیشن لیکچر دیا جا رہی تھیں نا؟" انہوں نے بات کو واضح کیا۔

"نی تائی جان! میں سوچ رہی ہوں کہ پرائیوٹ ماسٹرز کر لوں۔"

"کیوں جیہا! یونیورسٹی سے کیوں نہیں؟" اوہ حیران ہوئے۔ کیونکہ جب وہ تائی جان سے کہہ کر تھی تو اس نے یہ ہی اور نہ کئی
 تھا کہ وہ ایسے اسے کراچی یونیورسٹی سے کرتے گی۔

"تائی جان! یونیورسٹی میں آنے جانے کی پرائیوٹوں۔ شہباز بھائی تو تین دن سے بکے بکے ہیں ان کو صبح مجھے جھڑپانے کے
 لیے جلدی دیکھنا پڑے گا اور تائی جان آپ کا آفس تو یونیورسٹی سے نہتے فاصلے پر ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ گھر کا سامان
 کا ہتائی جان کو کرنا پڑے گا۔ ان کو کافی مشکل ہو جائے گی۔" اس نے کولت سے اپنی بات کی وضاحت کی حالانکہ اس
 منظر بنا اور تھائی جان اس کے یونیورسٹی میں داخلے کے تحت خیال نہیں اور اسے ان خیالات کا اظہار نہ ہوا تو اس نے
 باتوں میں کئی بار کرجی نہیں۔ وہ تائی جان کا نام نہیں لینا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ گھر میں اس کی وجہ سے جوڑی

”اچھا جناب تو اب رہی مجھ کو ہی بتانا پڑے گا۔“ آئمہ نے دس کو دکھا۔

”آرٹس لینے کا ارادہ آپ نے فائسی کی مرضی سے نہیں کیا تھا۔ اس کی بات ہو دو نخل ہی ہو کر ہوئی۔“ دونوں کا فیصلہ تھا۔

”پتو مان بیٹے ہیں مگر اس فیصلے میں تمہاری اپنی مرضی تو شامل نہیں تھی نا۔“ اس کے کہنے پر اس نے جواباً اشارت میں سر ہلا کر قائل ہونے کا بیوٹے دیا۔

”اب کہا ہوں اپنی باتیں سن کر سوچی با کچھ تو اس بھی کرو گی مابعدت کی۔“ اس نے بات بدلنے کے لیے اس جانب توجہ دلائی۔

”اچھا انووب بن جائے یہاں کی تو اسے بھی کرنی پڑے گی۔“ اس نے شرارتی لہجے میں کہا۔

”آئمہ اب تم سر سحر جاؤ۔“ اس کے کہنے پر آئمہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”اچھا بلا رہی کچھ مشکوکاتی ہوں۔“ وہ اٹھ کر نکلے اور جب واپس سے کہہ کر واپس آئی تو وہ کہہ کر غصے سے لڑنے لگی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ اس نے گھر سے مڑنے ہی کے بعد ہی پوچھا۔

”ذہن نے تو مجھے ڈراما ہی دیا۔“ وہ چونک کر رہ گئی۔

”اچھا بیٹا یہ ناؤ کر لیا رہی؟“ اس نے اپنا سوال دہرایا۔

”تمہارے چیز کی تیار ہی دیکھ رہی ہوں۔“ اس کی بات پر اس نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

”کیا دل قبول رک رہی ہو؟“

”تم نے اپنی شادی کی تیاری بھی شروع کر دی اور میں خبر تک نہ ہونے کی۔“ وہ اب بھی ڈراما ہی لے رہی تھی۔

”یہ تم سے کس نے کہا؟“ اس نے پوچھا۔

”مجھ کی! یہ بخاری خود ہی بتا رہی ہے۔“ اس نے المارنی میں نکلے ہوئے ڈرامے کی سمت اشارہ کیا۔

”یہ بیٹھیا بھائی کی شادی کے لیے بنائے ہیں اور کچھ تو بہت پرانے ہیں دن میں۔“ اس نے وضاحت سے بتا دیا۔

”بند پر آئی۔“

”وہ ایسے تمب ہو رہی ہے شہباز بھائی کی شادی؟“ اس نے المارنی بند کر کے اس کے سامنے بیٹھنے ہوئے دربانفت کیا۔

”ایسے بھابھی کی انی دینی سے واپس آ رہی ہیں عید پر۔ بس اس کے بعد ہی ہمارے بھائی بھی جائیں گی۔ اور ہاں تمہیں ضرور آتا ہے سمجھیں۔“ اس نے بتانے کے ساتھ ہی اس کو بڑھانے کی۔

”تو تم کی اگر تم نے بلا مانو۔“

”میں تو ضرور بلاؤں گی لیکن۔“

”اگر تھی جان سنے اجازت دے دینی تو۔“ اس نے فتح ہوتے ہوئے اس کا ہاتھ پورا کیا۔ اس کی آنکھیں اس کی بات کی ضد حق کر رہی تھیں کہ وہ یہی کہنا چاہتی تھی۔

”پارٹی نہ بھاری تھی جاں ہے بلاؤ۔“ آدھی بات ابھی سن رہی تھی کہ اس کی وقت واپس لے لیا۔

”کسی میں نہیں ہے؟“ آئمہ نے ہی اس نے ہمیشہ کی طرح خوش اخلاقی سے پوچھا۔

”اگر دل نہ! بالکل بلکہ اور تم مجھے پہلے سے کچھ گزور دکھائی دے رہے ہو۔“ اس نے جواب دینے کے ساتھ ہی اس

نے سر ہلا کر نظر ڈالتے ہوئے نہ ہنسا کہا۔

انہی تگرام کے دوران اس کی محنت ایسی ہی ہو جاتی ہے۔ اس کے بولنے آنے نے جواب دیا۔
 "ہاں آپ لوگ ہائیں کریں مجھے جاہلی کرتی ہے۔" اس کے سر پر انگریزوں کی طرح سوار سے دو ہاتھ خیر کیے باہر
 نکل گیا۔ اور وہ انہوں اس کے لانے ہونے پر گراؤ اور گولڈ رینج سے انصاف کرنے لگیں۔

☆☆☆

نئی ہی دیر سے دروازے پر تیل ہو رہی تھی۔ گھر میں کوئی سو جیرو نہ تھا۔ افغانی تھا کہ تانی جان بھی فری مارکت گئیں
 ہوتی تھیں۔ حسب معمول ولید کاغذ، شہباز بھائی اور تاجا جان آنکھ میں تھے اور وہ خود کچن میں کھانا بنانے میں مصروف
 تھی۔ زور شور سے ہوتی تیل نے اس کو ہاتھ روکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی پانڈ اور پھری رکھ کر وہ بازے کی
 جانب لپکی۔

"کون؟ کون ہے؟" اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھا۔

"مئی شہباز بھائی ہیں۔" باہر سے آواز آئی۔

"اوہ گھر پر نہیں ہیں۔ مگر آپ کون ہیں؟" اس نے جواب دینے کے بعد سوال کر ڈالا۔

"میں کامران رضوی۔ ان کا دوست ہوں۔" جو باہر دوسری طرف تعارف کروایا گیا۔ اس نے خلاف آداب سمجھنے
 ہونے کو ہاتھ اٹھول دیا۔

"السلام علیکم شہباز! اجنبی کو یوں سلام کرتے ہوئے اسے عجیب سا محسوس ہوا تھا۔ لیکن آداب کا نفاذ بھی تو یہ ہی
 تھا۔ سلام کا جواب دیتے ہی کے بعد اس نے بتانا شروع کیا۔

"دراصل میں آئی بی لاہور سے آتا ہوں۔ ان کا کانسٹیکٹ نمبر مجھ سے Miss place ہو گیا ہے اور ان کا آنکس
 مجھے معلوم نہیں ہے۔ گھر کا پتہ نہیں لگتی میں نے بہت مشکل سے ڈھونڈا ہے۔" ہاتھ میں بڑا سا سٹری بیگ تھا۔ اور
 چہرے پر تھکن کے آثار اس کی بات سننے سے

"آپ پلیز مجھے ایک گلاس پانی پلا دیں۔" اس نے کچھ لہو رک کر نفاذ کیا۔

"جی لگتی لاتی ہوں۔" اس نے دروازے کو کھٹکایا اور پانی لینے اندر چلی گئی۔ پانی لے کر وہ واپس آئی تو وہ
 مہلکی میں ہی کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ سے پانی کے ٹرو اور ٹرو پھینکے گا۔ غالباً وہ بیٹھنے کے لیے مناسب جگہ تلاش کر
 رہا تھا اس کی کیفیت کو وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ لیکن گھر میں پہنچنے کے باعث وہ اسے اندر نہیں بلانا چاہ رہی تھی۔
 نظریوں باہر کھڑا تھا۔

"آپ اندر آجائے۔" اس نے کچھ سمجھنے ہونے سے اندر جانے کی پیشکش کر دی۔ وہ بھی ذرا چٹکتا ہے ہوئے اندر
 آ گیا۔ دو سٹاڈ اس کی کیفیت کو بھانپ گیا تھا۔

"آپ لاہور سے ہیں آتے ہیں۔ اس کے ہاتھ سے گلاس لینے ہونے ان نے پوچھا۔

"جی ہاں یہاں پر دراصل شہباز کے گلاؤ کوئی اور نہیں ہے اس لیے میں یہاں چلا آیا۔ خواہ مخواہ آپ کو رحمت
 ہوئی۔" وہ اٹھنے لگا تو وہ بولی۔

"اور سے نہیں رحمت کہیں۔ آپ ٹھہریے میں ان کے آفس کا نمبر نہیں اور تیل نمبر وہ دیتی ہوں۔" وہ بلا تاخیر جلدی
 سے چلنے اور کھانی لے آئی۔ اسی لمحے کھلے دروازے سے تانی جان کی آواز ہوئی۔ وہ حیران و پریشان سمجھی اس کو کبھی اور
 انہیں کوئی دیکھ نہیں۔

"السلام علیکم تانی!" ان کے اندر آتے ہی وہ کھڑا ہو گیا۔ آٹھ نے جلدی سمجھی اس کو باؤڈر میں نبھایا۔ اس نے تانی جان

کی جانب نگاہ زانی دو کڑے نمودوں سے اسے گھور رہی تھیں۔
 "اچھا میں چلتا ہوں۔" ان کے خطرناک نمودوں سے گھبرا کر دو نورانی باہر کی جانب بڑھ گیا۔
 دو دروازے بند کر کے جانے لگی تو انہوں نے گرجت آواز سے اسے پکارا۔
 "آٹھ! دو! وہیں رک گئی۔"

"کون تھا؟"
 "یہ شہباز بھائی کے دوست تھے لاہور سے آئے ہیں۔" ان نے فوراً بتایا۔ مبادا وہ کچھ اور نہ سمجھ لیں۔
 "شہباز کا دوست تھا یا تمہارا؟" وہ درشت لہجے میں بولیں۔

"آپ کہا کہہ رہی ہیں؟" ان کی اس انہدام زامی برہہ پکا پکا سی رو گئی۔
 "ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں۔ میں دیکھا تھا کہ آپ جتنی ہی تم نے سو فی صد قاعدہ اٹھانے ہو جتنا ان کو گھبرا گیا۔ یہ ہی ہے تاہم جس سے تم فون پر گفتگو کرتی ہو۔" ان کی اپنی بھڑاس رنگا لنگے کا تو جیسے سنہرا سونچا ہوا تھا۔
 "لیجئے اس کے لیے نیا تھا۔ ان کے طنز و مزاح سے زلی کی کھینچا ہوا خند لہجہ کی بار بار باتھلائیوں نے۔ وہ ہر بات کو جاننے کی نگرانی چاہنے کے باوجود اس کی زبان نو جب سے گم ہو گئی تھی۔ وہ پھر اس کی کیفیت میں رہی پھر سنبھل کر بولی۔
 "مائی جان آپ زیادتی کر رہی ہیں۔ وہ صرف شہباز بھائی کا دوست ہے اور میں نے اسے آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا، نہ تو میں اس کو جانتی ہوں اور نہ ہی وہ۔" اس کی آواز بھی بلند ہوئی۔
 "ہاں، ہاں زیادتی ہی تو کی ہے ہم نے تمہارے ساتھ اس گھر میں جگہ سے لے کر۔" وہ آواز میں لہجے میں تیز آواز سے بولیں۔

"ارے اگر تمہیں ماموں سے گھر ہی رہنے دینے تو اچھا تھا ہوں روز روز کی....." وہ نہ جانے کیا کہنے والی تھیں جب رلیڈ گھر میں داخل ہوا وہ ان کو اس طرح اس لہجے میں آئندہ سے بات کرنے کو کہنے جو تک گرو گیا تھا۔
 وہ ایک تہرا لودنگا اس پر ڈالنی وہاں سے چلی گئی تھیں جبکہ وہ وہیں جامدی کھڑی تھی۔ آج ان کے دل میں وہی کھینچا ہوا باتیں عیاں ہو گئیں تھیں۔ شام گھر والوں کے سامنے وہ کتنی مہربان نظر آتی تھیں۔ لیکن حقیقت میں کتنی کڑواہٹ ان کے لیے اور رہے ہیں۔ وہ دن سے سوچتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

اس کا نصیب اس کو ماموں کے گھر سے یہاں لے آیا تھا کہ آج وہ ان کے گرم و گرم پر تھی۔ تاہم جان کی موجودگی ایک تحفظ کا احساس دیتی تھی۔ لیکن ان کی عدم موجودگی اس کی تنہائی اور اکیلے پن کے احساس کو مزید گہرا کر دیتی۔
 کتنی دیر وہ اپنی بد نصیبی پر روتی رہی۔ یہاں تک کہ خند اس پر غالب ہو گئی۔ شام تاہم جان نے اس کے دروازے پر دستک دی تو وہ اٹھ بیٹھی۔

"دروازہ کھولا بیٹا! عصر کا وقت ہو رہا ہے۔" بند دروازے کے پیچھے سے تاہم جان کی آواز ابھری۔ اس نے گھڑی کی سمت نگاہ ڈالی۔ سائز سے پانچ گھنٹے ہو رہے تھے۔ کتابت بہت گہرا تھا۔ پتہ ہی نہ چلا۔ اس نے فوراً دروازہ کھولا یا وہ بلبل پر آ بیٹھی تو وہ بھی اس کے پیچھے چلے آئے۔
 "کیا بات ہے بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" انہوں نے اس کی سرخ ہوئی آنکھوں کو نشوونما سے دیکھا۔ اس نے گردن ہلا دی۔

"چہ تم نے یہ کیا حال بنائی ہوئی ہے؟" وہ مطمئن نہ ہوئے۔
 "کیا ہوا ہے مجھے ٹھیک تو ہوئی۔" اس نے خوب پر نگاہ ڈالی۔

”کہاں ٹھیک ہو چکھرے ہوئے بال، یہ شکن آلود کپڑے۔“ انہوں نے نشاندہی کی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا بس
گوہ میں ہاتھ دھرے نہ جانے کیا سوچتی رہی۔

”اچھا تم ایسا کرو جلدی سے بنا دو جاؤ پھر ہم دونوں باہر چلیں گے۔“ وہ اس کے کال پھینچتے ہوئے اٹھ کھڑے
ہوئے۔

”گھر آ جا جان! وہ ان کو جاتا دیکھ کر کہنے لگی۔

”اوگر گھر کوئی نہیں بس جلدی سے بنا دو کر بیچے آؤ۔“ وہ اس کو نکتے ہوئے بولے اور باہر نکلی گئی۔ وہ نہ چاہتے
ہوئے بھی ان کے کہنے پر بنا دو ہو کر بیچے چلی آئی۔ تاہم ان اس کو یوں لے گئے تھے۔ پھر کتنا وقت انہوں نے وہاں پر
گزرا۔ پھر وہاں سے وہ اکرام انکل (تاہم جان کے دوست) کے ہاں لے گئے ان کی بیٹی انیس سے اس کی کافی دوستی
تھی۔ اس کے ساتھ کچھ لمبے گزرا اور اس نے خود کو کافی پکا پھوکا محسوس کیا تھا۔ پھر وہ رات گئے گھر لوٹے۔

☆☆☆

”مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔“ آرت بیگم تباہ شدہ کپڑوں کو الماری میں رکھنے ہوئے بولیں۔

”کیسے کہا بات ہے؟“ وہ کتاب پر نظر میں جمائے جمائے بولے۔

”خبر کے خیال میں اب ہمیں آرت کے لیے کوئی لڑکا دیکھنا چاہیے۔“ وہ الماری بند کر کے ان کے سامنے براجمان
ہوئیں۔

”کیوں اس کی اتنی جلدی تھی کیا ہے تمہیں؟“ انہوں نے چشمے کے پیچھے سے ان کو دیکھا۔

”جلدی۔“ وہ ان کا ہاتھ چترت سے پھینکیں۔

”پورے چھ برس ہو چکے ہیں اسے پندرہ پاس دہنے ہوئے۔“ وہ شاید یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ اسے ہمارے سر پر
وہ ہونے چھ برس گز چکے ہیں۔

”تو کیا ہوا بیگم! نین چار سال اور کتاب کی بیویوں نے (مہمان سے کہا۔

”نین چار سال۔“ وہ آنکھیں پھاڑتے ہوئے جھکی آواز سے چلا گئیں۔

”بھئی! وہ ابھی تعلیم مکمل کر رہی ہے اور پھر کون سا لڑکا لے گا جسے ہم نے ابھی۔“ انہوں نے کتاب بند کر دی۔

”نین چار سال تک لڑکی کو سنبھالنا بہت مشکل ہے۔ لڑکی کی سر پرستی کرنا ناخوشگوار نہیں ہے اگر صاحب!“ وہ

ایک تباہ شدہ لڑکی کو دیکھا۔

”آرت بہت بھرا لڑکی ہے۔ اس سے نہ تو آج شکایت ہے اور نہ کل ہوگی۔“ وہ اس کی طرف سے بالکل مطمئن
ہوئے۔

”بہن! بھلا آپ کو اس سے کیا شکایت ہوگی۔ آپ نے تو آنکھیں بند کر رکھی ہیں اس کی طرف سے۔“ وہ توند لہجے
میں بولیں۔

”مطلب کیا ہے تمہارا اس بات سے؟“

”مطلب کیا ہونا ہے میرا۔ مزید گئی سالوں تک سوٹنگ کرنے کی ہمارے سینوں پر۔ اب مزید خرچا، یہ اہم نہیں کر
سکتی ہیں۔ خون کے لیے بے خطر اور دوستوں کی خاطر اور بچانے کے لیے بے خطر۔ یہاں اب یہ سب نہیں ہیں۔“ وہ اس کا

درد یہ اہم نہیں کرنے کو باہر تیار تھیں۔ انہوں نے نرمی سے صاف جھنجھکیوں میں اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

”تو شاید آپ بھول رہی ہیں کہ وہ میرے سر پر بھائی کی نشانی سے ہے۔ وہ میرے لیے بھی بوجھ نہیں رہا۔“

مزنی جی ہے اور اس کا خرچ آپ کو نہیں اٹھانا ہے۔ دوکل بھی میری ذمہ داری تھی اور آج بھی میری ذمہ داری ہے۔ آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" ان کی بات پر وہ طیش میں آگئے۔ کچھ لمبے رکنے کے بعد ان کو وارنہ کرنے ہوئے برلے۔

"اور آپ کان کھول کر سن لیں۔ آئندہ میں اس بارے میں کوئی بات نہیں سنوں گا۔" وہ پھر رکے نہیں اور وارنہ زوردار آواز کے ساتھ بند کرتے اور نکل گئے۔



"لگتا ہے پڑھائی رات تک بولی رہے گی۔ اتنے ذمہ داری پڑے ہیں کہ جن میں مگر کسی کو احساس نہیں کہ ان کے کاموں سے جان چھڑوانے کا بہت اچھا عمل ہے۔ اتنے ذمہ داری میں خرچ کیے ہیں کہ انہیں نے تو بہتر تھا کہ میں اتنے ہی پیسوں میں نوکری رکھ لی کام کروا دیتے۔" لاؤنج میں بیٹھی دو نوٹس بنا کر رکھی تھی جس پر اس نے اس کی درستی اور اس کی ناعت سے کرائی۔ وہ لگا لگا کر اس سے کہا کہ چپ چپ مہر کے گھونٹ پی کر روٹی کھا کر رے کا کافی غذا خانا ہے۔ درستی کا احترام ملحوظ تھا۔ وہ ان کی ان لڑائی کی باتوں کا جواب دے سکتی تھی۔

وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ چکن میں چلی آئی۔ یہاں گندے برتنوں کا انظار اس کا منہ تھما دیکھ کر اس سے وقت نکال کر بیٹھی تھی سو جا تھا صبح تازہ کے بعد توڑی بہت پڑھائی کر کے کی نگرانہ کو اس کے پاس سے پڑھنے پر بھی اعتراض تھا۔ نام کام نمانے کے بعد ہی وہ اسٹڈی کے لیے چھٹی دہرے گھر کے کام کا کرائی آئی۔ ایک لمبے لمبے بھی سکون نہ لینے دیتے تھے۔ برتن دھونے کے بعد وہ اب کچن کی صفائی کرنے لگی۔ تائی جان وہاں بھی کھڑی تھی اور وہاں تھی

"ذرا بھولوں کو کبھی پانی بھی دت دیا کرو۔ دوسرے سر جھا کر دے گئے ہیں۔" وہ غالباً کوئی کھانسی چھوٹے میں کھروف تھی جوں ہی کوئی کوتاہی ہاتھ لگی وہ اسے بائیں ہاتھ سے پٹنی آئیں۔

"وہ واروں سے نہیں کہہ رہی ہوں تم سے کہہ رہی ہوں میں۔" اس کو خاموشی پا کر وہ سخت لہجے میں بولیں۔

"جی..... جی تائی جان!" وہ گھبرا کر بولی۔

"یوں بے کام کاج آتا نہیں ہے اور بھلیں جی پڑھائی کرنے۔" ارے پڑھائی کام نہیں آتی لڑکی کا سلیقہ کام آتا ہے۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے کی سمت چل دیں تھیں۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ ان کا غصہ اس کے پڑھنے پر ہے یا پڑھائی پر ہونے والے خرچے پر۔ ان کی طنز و بانوں کا صرناہ ایک ہی تہیہ نکلتا تھا کہ وہ اس کے دل کو برداشت کرنے پر مجبور ہیں ورنہ اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ کب کا اسے اس گھر سے بے دخل کر چکی ہوتیں۔

گھر کے اصول میں کھانا پڑھتا جا رہا تھا تائی جان تو پہلے ہی اس سے خوش و مطمئن تھیں۔ اس بات کا اندازہ تو اس نے پہلے ہی دن لگا لیا تھا مگر صرف تائی جان کی محبت کے ذریعہ سہا رہنے کے احساس نے اس کو مطمئن کر دیا تھا۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، ان کا رویہ بدتر سے بدتر ہوتا جا رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے کاموں میں اپنی غلطیاں نظر آنے لگیں تھیں ان کو۔ ہر بات پر طنز آتی تھی۔ اس میں زور، ٹھن زور، دھول میں اس کا سانس رکے لگا تھا۔ یوں ہر لمبے ذمہ داری اور نفرت بھری نگاہ وہ گھبراہٹ کر سکتی تھی۔ اپنے دل کو مجرم محسوس کر رہی تھی وہ۔

"اس قدر دلچسپ نہ رہے گی۔" یہاں سانس لینا دشوار ہوا ہے اس میں زور دھول میں کہے رہوں گی میں۔

نفرت بھری نگاہیں دیکھتا آہستہ آہستہ کہے جینے روز کی بھیجے۔ اے اللہ! کیا نصیب لکھا ہے تو نے۔ کب تک ان کے رحم و کرم پر رہوں گی میں۔ ان کی مرضی کی زندگی آخر تک تک میوں گی میں۔" اس کے آنسو سیلاب کی طرح بہنے لگے۔

”اچھا، روچ تو بند کر دو آف۔“ ندانے ان کو خود سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ وہ جب سے آئی تھی وہ بغیر کچھ کے روئے جا رہی تھی۔

”یاد تو سہی آخر ہوا کیا ہے؟“ اس کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر اس نے نرمی سے دریافت کیا۔ پھر اس نے دل کی بات واضح شدہ باتیں اس سے کہہ ڈالیں۔ اس سے شہزاد کے اس کو اپنا آپ لگا محسوس ہو رہا تھا۔

”تم بھی بہت بے وقوف ہو آف۔ ان کی تمام باتیں چپ چاپ سن لیں۔ انا ظفریہ لوجہ، ایسا الزام تم نے کیسے لیا، ہائے کر لیا؟ بہت احمق ہونے کا ثبوت دیا ہے تم نے۔“ وہ اس کو ڈانٹنے لگی۔

”مجھے سخت غصہ آ رہا ہے تمہاری بزدلی پر۔“

”ابک تو میں پہلے ہی پریشان ہوں اور پھر سے تم بھی مجھے ڈانٹ دہی ہو۔“ آف نے غصگی سے کہا اور آنکھوں میں لٹکے ہوئے آنسوؤں کو شہزاد سے صاف کرنے لگی۔

”تو او وہ کہا کروں؟ تمہاری چپ سی نے تو ان کو شیر کیا ہے اگر بیٹلی باری ہو بدو جو اب دسے وہا ہوتا تو یوں ظفریہ کے شہزادہ چلا نہیں۔“

”تو اسے بناؤ کہ میں کیا کروں؟ مجھ سے اب مزید برداشت نہیں ہو سکتا ان کا نفرت آمیز رویہ۔“ وہ غصگی سے

کہا اس نے ایک طرف نکل سکتا ہے؟“ اس نے ذرا سوچنے ہوئے کہا۔

”میرے خیال میں جلد درجہ شاہی کروا دو یہاں سے نکلنے کی کرو۔“ اس نے غل جوش کیا۔

”تو آف، وہ چی پڑی۔“

”کتنے بے وقوفانہ مشورہ دے رہی ہو تم؟“ وہ اس کی تجویز پر ہرگز مطمئن نہ تھی۔

”مجھ کو کہہ رہی ہوں یہ ہی ایک حل ہے۔“

”نہیں نہ! یہ انا آسان نہیں ہے۔“ اس نے انکار کیا۔

”تو یہاں کہا مشکل ہے؟“ اس نے اتنا ان ہی سے پوچھا۔

”کون؟“ غصگی نے کہا ہے نہ! جو میں آج ہی تکمیل لوں۔ کوئی جگہ بناؤ نہ! جو مجھے اس ماحول سے نہات: لا سکتے۔“

”تو اسے بناؤ۔“

”تو اسے بناؤ۔“

”تو اسے بناؤ۔“

”تو اسے بناؤ۔“

”تو اسے بناؤ۔“

”تو اسے بناؤ۔“

”تو اسے بناؤ۔“

”تو اسے بناؤ۔“

”تو اسے بناؤ۔“

”اگر تم کہو تو میں تایا جان سے بات کروں؟“ اس نے اس کی پریشان صورت دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ تو ہر لمحہ اس کی
دو تیار رہتی تھی۔

”نہیں یارا میں خود ہی بات کروں گی۔ تمہارا تو یہی احسان کافی ہے نہ کہ تم میرا دکھ بانٹ لیتی ہو۔“ اس کی
آنکھیں تشکر سے سنبھلنے لگیں۔

”کیا میں تمہاری دوست نہیں ہوں۔ تمہارا دکھ میرا دکھ ہے آئندہ تمہاری ہر خوشی اور غم میں ساتھ دینا میرا فرض
ہے۔ اس میں کوئی احسان نہیں ہے۔“

”نہیں نہ! اپنے بھی پرانے دکھ یاد کرتے ہیں۔ خوشی میں تو ہر کوئی ساتھ دے دیا کرتا ہے۔ غم میں سب ہی
ساتھ تجوز جاتا ہے۔ سب کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ کوئی بغیر غم کے کسی کے کام نہیں لے سکتی۔“

پانی کے تلخ تجربوں کا گھس دتر آیا۔
”مگر میں ان میں سے نہیں ہوں۔“ ندا کی چالی لاس کی آنکھوں سے دانچ نکل گئی۔
”تم آپ تو مجھے پورا پورا بننے نہ!“

”ہاں ہی نہیں بھروسہ اور اعتماد تو تمہاری زندگی کی بنیاد ہے۔“ ندا نے اس کی اہمات میں اضافہ کیا۔
”اچھا یعنی! نام کافی ہو گیا ہے اب پہننا چاہیے۔ بھانا گھر پر آتے ہوئے کے۔“ گھنٹی پر نگاہ پڑتے ہی وہ اٹھنے
لگی۔

”بیٹھ جاؤ یارا! اس کا ہاتھ پکڑ کر اس نے اس کو ہٹانے کی کوشش کی۔ اور پھر پوچھنے لگی۔
”کیا بھائی تلخ کرنے میں تمہیں بیگانے سے؟“
”نہیں یارا! وہ دراصل آج ہمارا گھونٹے پھرنے کا پروگرام ہے اگر لیٹ بیوگی تو غصہ کریں گے۔“ اس نے
وضاحت سے بتایا اور سینڈل پیر میں ڈال بیگ کو کانڈھے پر لٹکایا۔

”اچھا تمہارا خیال رکھنا تھک اور جب تایا جان سے اجازت لے لو تو مجھے فون کر دینا بلکہ میں خود تمہیں فون
کی۔“ صاف کر کے وہ الوداع سستی باہر نکل گئی۔

☆☆☆

وہ بڑی مضطرب سی اسبے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ وہ کن الفاظ میں مدعا ان تک
پہنچائے۔ تایا جان بظاہر تو توفیق دیکھنے میں منہمک تھے لیکن دوسرے صوفے پر بیٹھی آئندہ کی کیفیت ان سے مخفی نہ
تھی۔

”آئندہ بنا! وہ اس کو مضطرب دیکھ کر اس کو پکار بیٹھے۔

”جی تایا جان!“

”بھئی! کوئی بات کرنی ہے؟“

”جی... میں تایا جان! مجھے آپ سے تمہاری بات کرنی ہے۔ وہ جلد از جلد ان سے بات کرنے چاہتی تھی۔

”ہاں کیوں کیا بات ہے؟ وہ توفیق سے نظر میں بنا کر اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔

”وہ تایا جان! بات دراصل یہ ہے کہ میں... وہ اسبے ہاتھوں پر نظر میں جاتے ہو۔“

”یہ کیوں نہیں سن رہا ہوں۔“ وہ اس کو خاموش پا کر بولے۔

”وہ تایا جان! میں مگر میں فارغ ہوتی ہوں سوچ رہی ہوں کہ...“

”جواب کر لوں۔“ اس نے آہستگی سے کہا کہ ذرا کی ذرا نکلا دھاوا خرا کر ان کا روٹل چاٹنے کی کوشش کی۔ وہ کچھ تو
خاموش رہے پھر بولے۔

”بیٹا! خیال تو تمہارا ٹھیک ہے لیکن مصروف رہنے کے لیے تم شہرت کو سر نہ رکھتی ہو۔“ اس کے خیال کو روکے بغیر
انہوں نے اپنی رائے دی۔

”جی ہاں جان! لیکن میں جواب کرنا چاہتی ہوں۔“ اس نے پھر اپنی بات کو دہرایا۔

”یہ جی تو جاننا چاہتا ہوں بیٹا! کہ تم جواب کیوں کرنا چاہتی ہو؟“ وہ اس کے چہرے کو پڑھا سکتے تھے۔ اس کے
چہرے پر خیر پریشانی انہیں اس کے جس منظر کو جھانکنے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی تھی کہ انہیں تمام حقیقت
تاکا کر کے انہیں پریشان کر دے یا کوئی بات بنا کر انہیں دل دے۔

”کیا کوئی مسئلہ ہے؟ کوئی پریشانی ہے بیٹا! تو مجھ سے کہو؟ تمہیں بیسوں کی وجہ سے کوئی پریشانی ہے؟ اگر ایسی کوئی
بات ہے تو کہو بیٹا؟“ وہ غلطی سے پوچھنے لگے۔ اس نے فوراً غمی میں سر کو جھنجھکیا۔

”میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے بیٹا! کہ تمہاری ہر ضرورت کو پورا کر دوں۔ تمہاری کوئی خواہش انہی ہے جو پوری نہ
ہوتی ہو۔ اگر پھر بھی کوئی ضرورت.....“ وہ نرم لہجے میں بول رہے تھے۔ ان کی بات پوری کرنے سے پہلے وہ اٹھ کر
اپنے کمرے میں چلی آئی۔

”جی ہاں جان! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ ان کی اس مہربان شخصیت سے خوفزدہ تھی کہ اس کی اس بات پر کہیں
بھی تامل نہ کرے۔

”جی ہاں جان! ایسی کوئی شکایت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی شکوہ ہے۔“ پھر وہ ان کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے
بولے۔

”جی ہاں جان! آپ ہی تو اس شخص کو اس طرح سے مجھے جینے کا پتلا دیا۔ مبارکباد ہے مجھے جینے کا۔ آپ تو میرے
بے شمار سایہ ہیں آپ کی ہمدردی میں خود کو تھکا دینا محض تصور کرتی ہوں۔ اس بات کا اندازہ میں آگا سکتے۔“ اس
کے ہاتھوں کے گوشے جھنجھکتے لگے۔

”کہتے ہیں! تم تو روئے نہیں۔“ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ کچھ کر دہ پریشان ہو گئے۔

”بیٹا! میں جانتا ہوں کہ تم نے کبھی کوئی بجا خواہش نہ کی تھی۔ تمہاری ہر بات سہا رہ چکی ہو۔ بیٹا! میری طرف سے تمہیں
اجازت ہے تمہارا کچھ کر سکتی ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ اس نے اپنے ہاتھوں کے لمبوں پر خفیف سی مسکراہٹ دیکھ
لی۔

”میں بیٹا! اپنا خیال ہی نہیں رکھتا، بڑے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ خود کو اچھے لوگوں کے درمیان رکھنے کی کوشش
کرتا۔ تمہیں ہر پورا مان اور ہر کام سے۔ لیکن اس دنیا پر نہیں ہے۔“

”اب تمہیں کرنے دیا جان! اس پر تمہیں کچھ کہنا ہے؟“ اس نے کہا۔ آپ پورا اطمینان رکھیں۔ آپ کا یہ مان ہمیشہ قائم
رہے گا۔ اس نے یہ اعتماد مجھے میں کہا۔ انہوں نے اطمینان مسکاتے ہوئے اطمینان کا اظہار کیا اور اس کے سر پر
شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

”جیک پر بیٹا!“

”اب تو آپ کا خون آیا ہے۔“ ولید نے آکر اظہار دی تو وہ اس کے ہاتھوں کو دیکھا اور وہ مطمئن ہو گئی جیسے بہت
یاد مسکے ہوئے ہو۔

پورے اسٹاف کی ایک لمبی تقاریر موجود تھی۔

”یہ ہمارے سب سے سنیئر وہ کر ہیں مسٹر اجمل۔“ عبداللہ صاحب نے تقاریر میں کھڑے ہونے سب سے پہلے شخص کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ وہ اپنے تعارف پر ذرا مسکرائے۔ پھر عبداللہ صاحب ذرا سے آگے بڑھتے ہوئے بولے۔

”یہ میں مسٹر ریحان دو سال سے یہاں پر کام کر رہے ہیں۔“ انہوں نے جبکہ کہ سلام کیا تو آئندہ نے بھی سر ہلا کر جواب دے دیا۔

”یہ ہیں مسٹر امجد۔“ اس نے ذرا سا سر کو جنبش دی۔

”اور یہ ہیں سلمان یہ ارشد۔“ انہوں نے کیے کچھ دیر بعد پھر سے دونوں اشخاص کی جانب اشارہ کیا۔ ان دونوں نے سر نہ حرکت دیا تھا۔

”اور یہ ہیں مسٹر فردوس۔“

ارشد کے برابر کھڑے شخص نے اپنے رشتوں کی نمائش کی تو جواباً وہ ہلکا سا مسکرا دی۔

”اور یہ ہیں مسٹر عبدالمن کے بغیر تو ہمارا آفس نامکمل ہے۔“ انہوں نے بڑے فخر سے ان کا تعارف کر دیا۔ انہوں نے کچھ دیر کا وقت دیکھا۔ گرسے ٹکڑی چینٹ پر دو ہانت اور لائٹ گرسے ٹکڑی شربٹ میں، آنکھوں پر نظر کا پیشہ لگائے وہ کافی سیر پر اور انہیں جنت لگ رہا تھا۔ اس نے بھی ایک ٹکڑا اس پر ڈالی اور پھر دوبارہ دنگا میں جوتا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں عبداللہ صاحب کا احترام واضح نظر آ رہا تھا۔ اس کے کھڑے ہونے کا مؤذ بانسا انداز بہت بھلا لگا تھا۔

”اور یہ مسٹر احمد ہے۔“ اس کی بہت ذمہ دار اور خاص طور پر ڈسپینڈر کر۔“ سب سے آخر میں کھڑی خاتون نے مسکرا کر اس سے معافی کے لیے کہنے کے کر دیا جو اس نے بلا تامل تقام لیا۔

”تو کس کو میٹ بول۔“ مسٹر علی صاحب نے مسکرا کر کہا۔

”ہم تو جو۔“ اس نے جواباً کہا۔

”جو کہسے؟“ اس نے کہا۔ ”ان کو آفس بورڈنگ کا تجربہ نہیں ہے۔ ان کے لیے ان کو کسی کام میں کوئی مشکل ہو تو آپ سب ان کاوصلہ بڑھاتے کہیے۔“ اس نے مسکرا کر لوگوں کا تعارف ان کے ساتھ روئے گا۔“

”یہ مسٹر ایاز کی کوشش ہوئی کہ جہاں تکسب ان کو ہماری ضرورت پڑے ان کی مدد کریں۔“ مسٹر اجمل نے ان کی بات کا جواب دینے سے انکار کر دیا۔ پھر وہ اپنے بدم کی جانب بڑھ گئے تو وہ بھی ان کے پیچھے چلی آئی۔ وہ ان کے پیچھے کی منتظرانی سیٹ کے کھڑکی رہی۔

”بھئی۔“ اس کو بیٹھنے کا اشارہ کر دینے والے انہوں نے بھی اپنی سیٹ سنبھالی۔ پھر وہ اس کے کام کے متعلق تفصیلات بتانے لگے۔

”بہت مبارک ہو پرسن بیکٹری کی جانب۔“ ندائے آہستہ آہستہ منیجر کی سہارک باؤ کا فون کر دیا۔

”بھئی۔“ وہ بول کر کھوٹکی خوش قسمت ہوں کہ مجھے دو دن سہارک کی کام میں ملے۔“ آئندہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ

”جانب۔“ انہوں کو اتنی جلدی نکلیں بنایا کرتی ہے۔“ اس نے مدبرانہ انداز میں اسے بتایا۔

”کی نہیں یہ جا ب صرف میری قابلیت کی بنا پر ملی ہے۔“ اس نے آکر کراس کے خیال کو رد کیا۔
 ”اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے ایم ڈی کی ایجنسی کیا ہے؟“ عدنان نے بے تکانا سوال دیا۔
 ”کیا! Agel؟“ اس نے یہ سوال پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ پوچھ سکتی ہوں میں؟“
 ”بتاؤ تو؟“

”نہیں کیا ہے جیسی؟“ وہ ہنسنے لگا۔

”اچھا چلو پھر یہ بتاؤ کہ وہ کون ہے؟“ اس نے پھر بے پرکائی کہا۔

”عدنان یہ کیا اول نول سارا کر رہی ہو؟“ اسے اس کی فضول باتوں سے سخت چیز ہو رہی تھی۔

”بتاؤ تو کسی۔“ وہ بے ہمتی سے بولی۔

”میرا وہوں کے ساتھ سال سے اوپر ہے۔“ اس نے اس کی طرف اشارہ کیا۔

”کی بات سن کر اس نے ایک لمبی سانس خارج کی تھی۔“

”پھر تو تمہاری اس بات سے متفق ہوں کہ تمہیں جاملے جھڑکے بنانا پڑتا ہے۔“ وہ قائل ہوئی۔

”چلو تم نے مانا تو کسی۔ تم اپنی سناؤ نما کہ تمہیں احمد ہونی چاہیے۔“ اس نے کہا۔

”نی اچھا! تو اس کی اسی کا جہاز پر سوار ہونے کا ارادہ ہے۔“

”سوار ہونے کی بات چل ہی رہی ہے تو ذرا تمہیں بتاؤ کہ احمد بھائی کون ہیں؟“

”میں ناگھیں نہ تو ذرا دوں گی۔“ اس نے ٹھک کر کہا۔

”کس کی۔ احمد بھائی کی؟“

”نہیں مجھوڑے کی۔“ پھر وہ دونوں ہی تہقہہ لگا کر ہنس دیں۔

☆☆☆

خود کو وہ فریض سانسوں کر رہی تھی۔ حالانکہ آفس میں جا ب کرنے کے بعد گھر کے کام اور آفس واپس آ کر چھٹی

کے لیے خاصا مشکل ہو گیا تھا۔ آج آٹھتے کے بعد برتن وغیرہ دھونے کے بعد ہی وہ آفس کے لیے نکلتی۔ آفس

آنے کے بعد شام کو تائی جان اس کے لیے ڈھیر سارے برتنوں کا انبار لگا کر رکھتی۔ ان سے نسبت کر وہ رات کے لیے

اور اگلے دن دوپہر کے لیے سائین بنا کر فریز کرتی۔ رات کے لیے چاول یا روٹی جو بھی چینی ہوتی وہ بھی اس کے ذمے

تھی۔ وہ تو شکر تھا کہ تیا جان نے اوپر کے کاموں کے لیے ماسی کا انتظام کر دیا تھا اور وہ بھی اسی کے پلے پڑتا۔

☆☆☆

آئندہ کے لیے کوئی ارشہ دیکھیے آپ۔“ وہ بڑے سکون سے ٹی ڈی پر شیریں دیکھنے میں لگی تھی جب وہ ان کے سکون

میں نظر ڈالتے ہوئے بولی۔

”کیوں اب کیا ہو گیا؟“

”کیا ہو گیا۔ مجھ سے پوچھ رہے ہیں آپ۔“ وہ سخت لہجے میں بولی ہوئی ان کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

”ہاں تو ایسا کیا ہو گیا ہے جو آپ اس طرح کہہ رہی ہیں؟“ وہ ان کے سخت لہجے پر زنجار ہو گئے۔

”یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہارے خاندان کی کسی لڑکی نے آج تک باہر قدم نہیں نکالا ہے اور آپ نے اس کو جا ب

کی اجازت دے رکھی۔“ وہ سخت معترض تھیں اس کے جا ب کرنے پر جس کا اظہار آج فیصلوں نے کر ہی دیا تھا۔

”اچھا تو یہ بات ہے۔“ وہ بات کی تہ تک پہنچتے ہوئے بولے۔

”تم آفراس سے اتنی باتوں کیوں ہو آفراس؟“

”میں بس نے کہہ دیا ہے اس کے لیے جلد از جلد کوئی رشتہ تلاش کیجیے۔“ ان کے سوال کو نظر انداز کر کے انہوں نے ہنسنے میں اپنی بات دہرائی۔

”شہباز کی شادی ہو جانے دو اس کے بعد آفراس کے لیے برعکس کر رہے۔“ وہ دوبارہ فی دہائی کی جانب متوجہ ہوئے۔

”تو ابھی یہی چاہتی ہے کہ وہ پہلے یہاں سے رخصت ہو جائے۔“ ان کے منہ سے بات پھسل گئی۔ وہ اپنی بھانجی پر زور نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔

”اچھا تو وہ بھی آپ کی طرح نادر خیالات رکھتی ہے۔“ وہ ہنسنے لگے۔

”ہاں بھئی خالہ کا کچھ تو اثر آئے گا بھانجی پر۔“ منہ آ آ کر تمہیں اس معصوم سے کیا ہر پے؟ کیوں اس کو گھر سے نکلنے پر تکی ہوئی ہو تم؟“ وہ یکدم ہی آگ بگول ہو گئے۔

”اگر صاحب اسے سالوں سے برداشت کر رہی ہوں آپ کے مرحوم بھائی کی“ معصوم بھئی کو اب جلد از جلد یہاں سے رخصت کرنے کا انتظام کریں اور ویسے بھی شہباز کی شادی کے بعد اس کے لیے یہاں رہنا مشکل ہوگا۔“ وہ جلد آواز سے ترش لہجے میں بولیں۔

”تم جانتی ہو کہ میں آگے بند کر کے اسے کسی سے بچاؤ دوں تو یہ تمہاری بھول ہے آفراس۔ اگر تمہاری بھانجی کو اتنا برا متراش کر کے تو اتنا کرنے اس وقت کا جب تک آفراس کی کسی مناسب جگہ پر شادی نہیں ہو جاتی۔“ اگر صاحب نے وہ لہجے میں ہنسنے لگا۔

”آپ اس کی بیوہ سے شہباز کی شادی اتوار میں ڈالیں گے؟“ انہوں نے بے غیبتی کی کیفیت میں ان سے پوچھا۔ وہ ان کے غلطی انداز پر حیران ہو گئے۔ وہ جانتی تھیں کہ وہ جس فیصلے پر آئے ہیں تو پھر ان کو کوئی ان کے فیصلے سے گھس بنا سکتا۔ وہ ان کو گھر سے نکلنے سے روکنے میں مصروف ہو گئے۔ پھر آفراس کی ہمت نہ ہوئی کہ گھر سے نکلے گی اس لیے خاموش سے اٹھ کر وہاں سے چلے گئیں۔

”تو وہ ایک بیوہ تو گیا تھا اس آفراس میں کام نہ رہتا۔“ وہ صبح تمام دروازے کا بھرپور تھا وہ ان کے سرو تھا۔ اور سب سے بڑھ کر ان کو عبد اللہ صاحب جیسے نرم مزاج کے مالک کے ماتحت کام کرنے میں کوئی دشواری نہیں تھی ان کا شوق نہ ہو سکتا اس لیے ان کا اصرار ہی نہیں ہونے دینا تھا کہ وہ ان کی سبکدوشی ہے۔ وہ اس کو بائیں اپنی بیٹیوں کی طرح سمجھتے تھے۔

”تو انہوں نے اس میں سر دیے تو ابھی میں مصروف تھی جب عبد اللہ صاحب کی شیریں آواز نے اس کے متحرک ہونے کا حکم دیا۔“

”کیا اتنا آفراس نے چین اور قابل بند کر دیا۔“

”آفراس کی کوئی سینگ تو نہیں؟“ انہوں نے دیکھ کر ہنسنے لگے۔

”میں رات آپ کی شام پانچ بجے رحمان صاحب سے ملنے کے لیے ڈائری میں دیکھتے ہوئے نہیں آئی۔“ تو آپ کی دوا کا وقت ہو گیا ہے۔“ گھڑی کی جانب نگاہ ڈالنے ہوئے اس نے یاد دلایا۔

”آئندہ میرا“ وہ بیچر زمین کر اس کی جانب متوجہ ہوئے۔
”جی سر!“

”یہ ذمہ داری آپ کی تو نہیں ہے؟“

”سر! آپ نے مجھے جی سمجھا ہے تو پھر اس ناطے مجھے آپ کا خیال رکھنا ہی چاہیے۔“ اس نے دروازے کو بندوں کی
مشین دھکیلاتے ہوئے غصوں سے جواب دیا۔ جگ سے گلاس میں پانی بھر کر ایک گولی نکال کر انہیں دی۔ پھر واپس اپنی
سیٹ پر آ کر دوبارہ فائل کھولنے لگی۔
”آئندہ ذمہ دار ہے۔“

”جی سر؟“ اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

”یہ فائل آپ مسز فیڈ کو دینی ہے اور ان کے لیے کارڈنگ اور آرکیڈ کے بیٹنگ ڈائریکٹر کو اپنی سیٹ پر اور ان سے
بیٹنگ کا ٹائم کنفرم کریں اور اس بیٹنگ ٹیبل کے ناموں کے ناموں سے پتہ چلے گا۔“ اس نے اس کو ہدایات دیں۔
فائل سے کر کے سے نکل گئی۔ فیڈ کے چیمبر میں پہنچی۔

”مسز فیڈ! اس کو توجہ کرنے کے لیے اس نے غائب کیا۔“
”جی فرمائیے؟“ اس کو بیٹنگ کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”وہ سر نے یہ فائل دی ہے اور کہہ رہے ہیں کہ سلطان آرکیڈ کے بیٹنگ ڈائریکٹر کو اپنی سیٹ پر اور ان سے
بیٹنگ کی ٹائمنگ کنفرم کریں۔“ اس نے بوہوہو ساری بات ایک ہی سانس میں اس کے گوشہ گزار کر دی۔

”آپ کی بات سہل ہو گئی۔ اور چھٹی بجی کجا ہے انہوں نے۔“ اس نے دروازے کی جانب ہٹتے ہوئے پوچھا۔
”نہیں اور کچھ نہیں کہنا۔“

”میں نے سلطان آرکیڈ کو اپنی سیٹ پر اور ان کی سیٹ پر اور ان کے بیٹنگ ڈائریکٹر کو اپنی سیٹ پر اور ان سے
صاحب سے بیٹنگ ہے اور یہ فائل میں نے کاپیٹ کر دی ہے یہ لے جائیے۔“ اس نے دروازے سے نکل کر بیٹنگ
فائل آگے بڑھائی۔ وہ تو اس کی قابلیت کی تحریف ہوئی تھی بنا کہ اس نے فائل اس کے حوالے کر دی تھی۔

”کس قدر ذمہ دار ہے فیڈ۔“ وہ سوچتی ہوئی واپس عبد اللہ صاحب کے روم میں چلی آئی۔ فیڈ نے اسے جو کچھ
بتایا تھا وہ اس سے عبد اللہ صاحب کو بھی آگاہ کر دیا۔

”اب اسے آئندہ اب آپ ٹھیک چلے جائیے ویسے بھی آج کافی دیر ہو گئی ہے آپ کو۔“ انہوں نے گلاس وال سے
شام کے بڑھتے ہوئے اندھیرے کو دیکھا۔

”اب اسے سر!“ اس نے اپنی بیٹنگ پر آ کر بیٹنگ ہوئے بیچر اور فائل کو ٹھیک طرح سے رکھا اور بیٹنگ کی سائیڈ پر رکھے
پس کو فائدہ دے پڑا کر انہیں خدا یا اللہ کہتی ہوئی باہر نکل آئی۔

☆ ☆ ☆

آج تو وہ کچھ زیادہ ہی تھکتے ہوئے۔ ان کی ایک بیوی تھی جس کی گاڑی اسے پک کرنے نہ آ سکتی تھی۔ اس لیے
اس کو بس سے جانا پڑا۔ سارا دن پر وہ آئیں بیٹنگ۔ مسول کے مطابق اس نے سب سے پہلے سر عبد اللہ کے روم کی
راوی۔ ان کی سیٹ خالی تھی وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی کہ وہ کیوں نہیں آئے کیونکہ تین مہینے میں ایک بار بھی
ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ بیچر جاننے کے لیے روم سے باہر نکل آئی۔

”آج سر نہیں آئے کیا؟“ اس نے مسز اسلم کے چیمبر کی دروازے پر کھک کر پوچھا۔

"اس کے کسی عزیز کی طبیعت خراب ہوئی تھی اس لیے آتے ہی چلے گئے۔" مسز اسلم نے اس کی پریشانی دھرائی تو بھانجتے ہوئے تفصیل سے آگاہ کیا۔

"مگر راج تو سینک بے گیا رہے۔" اس نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"نہ گھومت کرو میں سر سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔" وہ اس کو تسلی دیتے ہوئے نون ملانے لگیں۔ کافی دیر تک انہوں نے فریڈی کیا مگر رابطہ نہ ہو سکا۔

"اس آئندہ اسی وقت فہدی آواز نے سترجہ کیا۔

"جی۔" وہ بولی۔

"عبداللہ نے ابھی فون کر کے بتایا ہے کہ وہ سینک کے ایسے نہیں آسکے گے۔"

"پھر کیا ہوگا سینک کا؟" وہ شکر ہوئی۔

"انہوں نے کہا ہے کہ میں اور کس آئندہ آپ سینک ڈیل کر لیں۔" اس نے مزید بتایا۔

"جی۔" وہ حیران ہوئی۔

"Any problem Miss Aima?" اس کی حیران ہی صورت دیکھ کر اس نے دریافت کیا۔

"No" اس نے ٹی میں سر ہلایا۔

"پہلے۔" اس کے کہنے پر اس نے قدم بڑھا دیے۔

"مگر پورے ہیں" آئندہ نے ڈرائیور کی عدم دستیابی پر فہد سے پوچھا۔

"اور کس وقت؟"

"اے اے اچھا۔" فہد نے اس کے لیے فرنیٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا اور ٹوہ ڈرائیور تک سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے

کی جان تھا کہ اس کو بیٹھنے کا دروازہ کھولے اور فہد سے کہتا تھا۔

"میں آئندہ آپ کو فرنیٹ سیٹ پر بیٹھنے کی اجازت دے رہی ہوں۔" وہ اس سے کہتی تھی۔

"جی۔" وہ بولی۔

"میں آئندہ آپ فرنیٹ سیٹ پر آئیے۔" اس کے کہنے پر فہد نے اس سے کہتے ہوئے سر ہلایا۔

"جی۔" وہ بولی۔

"آپ کو فرنیٹ سیٹ پر بیٹھنے کی اجازت دے رہی ہوں کہ (سلطان آرکید) احمد ریسورٹی صاحب ایک پانچوں کو بہت اہمیت دیتے

ہیں۔" وہ اس سے کہتی تھی۔

"جی۔" وہ بولی۔

"آپ کو فرنیٹ سیٹ پر بیٹھنے کی اجازت دے رہی ہوں کہ (سلطان آرکید) احمد ریسورٹی صاحب ایک پانچوں کو بہت اہمیت دیتے

ہیں۔" وہ اس سے کہتی تھی۔

"جی۔" وہ بولی۔

"آپ کو فرنیٹ سیٹ پر بیٹھنے کی اجازت دے رہی ہوں کہ (سلطان آرکید) احمد ریسورٹی صاحب ایک پانچوں کو بہت اہمیت دیتے

ہیں۔" وہ اس سے کہتی تھی۔

"جی۔" وہ بولی۔

"آپ کو فرنیٹ سیٹ پر بیٹھنے کی اجازت دے رہی ہوں کہ (سلطان آرکید) احمد ریسورٹی صاحب ایک پانچوں کو بہت اہمیت دیتے

ہیں۔" وہ اس سے کہتی تھی۔

"کیا میں آپ کو شکل سے ایسا دکھائی دیتا ہوں؟" اس کو خاموش دیکھ کر اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"دیکھنے میں تو انتہائی شریف انسان نظر آتا ہے یہ مجھ پر ایسا کیوں کر رہا ہے؟ کب تک رہے مجھے..... اس سے آگے اس سے سوچا نہ گیا۔ وہ اس کے جواب کو سن کر ہنسا لیکن وہ اس سے بے خبر سوچا میں گم گئی۔

"کیا میں آپ کو شکل سے ایسا نظر آتا ہوں۔" اس نے پھر پوچھا۔

"جی ہاں! وہ جوگی۔ اس نے حیرت سے دیکھا۔

"جی نہیں۔" وہ جی کہنے لگی۔ اس نے اس کی کیفیت سے محظوظ ہو کر باخداہ گھبراہٹ میں اذیتیں

بریں طرح مردوز رہی تھی۔ اس کو اس پریشان کرنے کا ارادہ ترک کرنے ہونے اس نے اصل بات سے آگاہ کیا۔

"یہ آفس کا وارٹ کت ہے آپ کو متان مت ہوں۔ ہم آفس میں جا رہے ہیں۔" اس نے اس کی جانب نگاہ

ڈالی۔ اگلے ہی بل اس کے چہرے پر کافی اگنہان سا شہر گیا۔ تھوڑی دیر سفر خالی تھی سے لگتا ہوا پھر اس نے سکوت کو

توڑا۔

"اس انٹرایک بات پوچھوں؟"

"پوچھیے۔" وہ اب قدرے بہتر تھی۔

"آپ نے ایسا کیوں سوچا کہ میں آپ کو کب تک اور لے جا رہا ہوں؟ اس کے لہجے میں اشتیاق تھا جس سے وہ

بے خبر تھی وہ نواچی گھبراہٹ کو دور کرنے کی کوشش میں لگی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم کہ آپ کہے ہیں۔" اس کے ہونے پر اس نے گھبراہٹ میں اس کی جانب دیکھا۔ اس نے اپنی

بات جاری رکھی۔

"اکثر نظر اترنے والی کیفیت ہاتھ سے مختلف ہوتی ہے اگر خالی ڈبے تو کسی خوبصورت کسٹم سے بھی پیٹ دیا

جائے تو نہیں دیکھنے میں محسوس نہیں ہوگا کہ یہ خالی ہے لیکن جب ہم اسے اٹھا نہیں گئے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ اندر

سے بالکل خالی ہے۔ کیونکہ ہر چٹائی چیز کو سونا نہیں کہا جاسکتا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھیک کہتی ہیں آپ۔" اس نے تائید کی۔

"جہاں ہم آپ کی نظر میں اٹنے تو جہاں۔" یہ بات اس نے صرف سوچنی تھی کئی جہاں۔

جاسنے کیوں اس کے ساتھ سفر کرنے میں کوئی محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنی ان کا سفر انجام پذیر ہو گیا۔ آفس پہنچ کر

سب سے پہلے انہوں نے سر کے ہارے میں پوچھا تھا ان کی موجودگی کا سن کر وہ ان کے کمرے میں حاضر ہوئے۔

"جی تو کیا رزلٹ رہا؟" انہوں نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"رزلٹ تو وہی ہے جو ہونا چاہیے تھا۔" فہد نے ان کے سامنے براجمان ہونے ہوئے کہا پھر وہ دونوں ان کو سٹینک

میں ہونے والی ڈسکشن کی تفصیل بتانے لگے۔

آفس کی طرف سے پہلی بار اس کو ریش ملا تھا۔ اس نے دلیر و شہیدانہ بھائی بنا جان اور حسی کہ تانی جان کے لیے بھی

کچھ نہ کچھ خرچ کر لیا تھا۔ وہ ہاتھ میں بڑا سا ساٹنگ بیک لیے داخل ہوئی تو لاڈلج میں بیٹھے شہیدانہ بھائی حیرت سے

بولے۔

"ارے بھئی! یہ کہا ہے؟"

"میرے خیال میں آپ کی آئی سائٹ ویک ہیں۔" اس نے شاپر کار ہٹ پر ڈھیر کرنے ہوئے ان ہی کا کہا

”یوں تو ہماری بی بیس کو میاوں۔“

”کیا بی بیس کو سب باتوں کو چھوڑے اور یہ دیکھیے۔“ اس نے شارپ کے درمیان سے ایک ڈبہ نکال کر انہیں دکھایا۔
”ارے کیا ہے یہ؟“ وہ اس کے ہاتھ سے ڈبہ لیتے ہوئے پوچھنے لگے۔
”ارے آپ دیکھیے تو سکی۔“

”ایڈیٹر نے شرٹ لائی ہو میرے لیے۔“ ڈبہ سے اس کے نیورٹ بیوٹریک شرٹ برآمد ہوئی تو وہ خوشدلی سے اس کا شکر یہ ادا کرنے لگا۔

”تھینک یو سوچ آؤ۔“ اس کی خوشی کو دیکھ کر اسے بہت اچھا لگا۔

”یہ دلیر کہاں سے نظر نہیں آ رہا ہے اس نے اور ہر طرح تلاش میں لگا ہیں روز ایں۔“

”بیس کس نے یاد کیا؟“ وہ تو لیسے سے ہائل رگڑتا رہیں چلا آیا۔

”لو! ہم لیا اور شیطان حاضر۔“ شہباز نے اس کو آتا دیکھ کر شرارت سے کہا۔

”بھئی جہاں شیطان کے سربراہ موجود ہیں وہاں، حاضر ہی تو دینی پڑے گی۔“ وہ بھی اس کی طرح جواب دیتا بیٹے کا رعبت مری بیٹہ گیا جہاں آج اپنی شاپنگ گھمراے ہوئے تھی۔

”یہ وہ لیسے! یہ تمہارے لیے۔“ اس نے ایک ڈبہ اس کی جانب بڑھایا۔

”میرے خیال میں بی بی ساگر گز رہی ہے اور عید بھی نامی دور ہے۔“ او سو پتے ہوئے بولا۔

”اس کے ہاتھ میں لیسے سے دماغ پر زور مست ڈالو۔“ اس نے شرارتی لہجے میں کہتے ہوئے اس کے سر پر چپت

”مجھے پوس طلب ہے اس لیے لائی ہوں۔“ اس نے نہیں چاہیے تو تم ست لو۔“ اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچا۔

”ارے بیس آپ اتنی محبت سے لائی ہیں تو میں ان کو کیوں کروں۔“ اس نے جھٹ اس کے ہاتھ سے ڈبہ لے لیا۔

”وہ مانی ڈورٹ پر بیوم جا رہی ہو۔“ وہ دیکھتے دیکھتے کھڑکھڑاتے پھول گیا۔

”تھینک یو اپنی آپ تھی اچھی ہیں۔“ وہ مقلد بیگم لگا۔

”وہ تو میں کروں۔“ وہ اترا کر پڑی۔

”تو جاننا اور لائی جان گھر میں نہیں ہیں کیا؟“ ان کا خیال آیا تو پوچھا۔

”تو انہوں میں اور وہی ہیں۔“ وہ بتا ہی رہا تھا کہ آیا جان چلے آئے۔

”بہن! تم سب اس کے گھر کو دیکھتے ہی وہ پو پتے لگے۔“

”اس نے جان ڈاؤ بھی توئی ہو لگا اور وہ سبے تیا جان میں گیا لے کر آئی ہوں آپ کے لیے۔“ اس نے ان کے لیے ہائی ہونے جاننا رو دیتے ہوئے بتایا۔

”بیس! کس معلوم تھا کہ ہماری چھوٹی بی بی جلا کے لیے تھانف لائے گی۔“ انہوں نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میرے ہمیشہ صرف دیا تھا آج تم سے لے بھی لیا۔“ خوشی سے انہوں نے کہہ کر اسے پر بھی نمایاں ہو گئے۔

”تیا جان! آپ وگٹ پسند آیا؟“ اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

”کون کون نہیں بیٹا! بہت پسند آیا ہے۔“

www.paksociety.com

انہوں نے کہا ہوا ہے یہ گھر کو کیوں پھلا رکھا ہے۔" اُس نے بیگم حسب عادت شور مچائی ہوئی آنکھوں سے شال نکالی اور کہا۔

"ہوں تو زیادہ سجاوٹی نہیں ہے۔" انہوں نے فحاشی سے اس کی لائی ہوئی شال کو دکھا۔ اسے معلوم تھا اتنی جان بھی بھی خوش نہیں ہوں گی لیکن اس طرح کاروبار کے لیے غیر متوقع تھا۔

"چلیے سفر تھک چکے ہیں تو کبھی کبھی اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ مزید کچھ نہ بولیں بس ایک تلخ سی جگہ ان پر ڈال کر رہ گئیں۔ وہ سڑکوں پر نہیں دکی، جانتی تھی وہ اس کے چاب کرنے کی کس قدر خلاف میں پھرتی ہے۔

"آئیے اور تم اس کے لئے ہونے والے خوشی سے نبول کر بتیں تو کیا ہو جاتا۔" وہ انہوں کو دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

"آپ ہی کو مبارک ہوں اس کے لئے ہونے والے خوشی سے نبول کر بتیں تو کیا ہو جاتا۔" وہ انہوں کو دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

"آئیے اور تم اس کے لئے ہونے والے خوشی سے نبول کر بتیں تو کیا ہو جاتا۔" وہ انہوں کو دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

"آئیے اور تم اس کے لئے ہونے والے خوشی سے نبول کر بتیں تو کیا ہو جاتا۔" وہ انہوں کو دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"میں آئیے! آپ نے جو لیزر دکھا ہے اس میں کافی مسکس ہیں آپ ایسا کریں یہ لیزر آپ بڑا دلہنہ ہے۔" وہ ان کی بڑا بات کوئی نہ کرتی ہوئی کمرے سے باہر کی جانب دوڑتی ہوئی نکلا۔

"آج آپ کو جلد چھٹی جائیے گی نا؟" انہوں نے پوچھا۔

"ہی سر! ان نے سربلا کر تصدیق کر دی۔

"مسٹر بھیمان اور اہمل صاحب کو میرے کمرے میں بھیج دیجیے گا اور لیزر دکھا کر مجھے بھیجے گا اس کے بعد آپ کو چل جانے کا وقت ہے۔"

"اوکے سر! پھر وہ باہر نکل آئی۔

"مسٹر بھیمان اور اہمل صاحب آپ دونوں کو سربلا رہے ہیں۔" ان دونوں کو مطلع کرتی ہوئی وہ فید کے جیمبر میں چلی آئی۔

"فید صاحب! سرنے یہ لیزر ہے اس کو آپ ٹائپ کر دیں۔" وہ سامنے رکھی چیز پر بیٹھتے ہوئے بولی اور لیزر اس کی ٹیبل پر رکھ دیا۔

"کہا ہی نہیں جا رہی ہے؟" اس نے بدستور کی بورڈ پر اٹھائیاں چلانے ہوئے مصروف انداز میں پوچھا۔

"اے کے لائیو۔" اس نے ٹیبل سے لیزر اٹھا لیا۔ جب تک وہ ٹائپ کرنا وہ شام چھٹی رہی۔ ایک لمحے کو رکھ کر

اس نے آئندگی کی جانب دیکھا۔ وہ نظریں جھکائے جانے کی سوچ میں غرق نہ تھی۔

"عبداللہ صاحب! اس پر کس قدر اعتماد کرنے ہیں اس دن میٹنگ پر انہوں نے مجھے اس کے ہمراہ بھیجا تھا حالانکہ وہ وہاں اور اجلاس صاحب بھی نوسم جو تھے مگر فائدہ....."

"یہ لیجئے۔" وہ اس کو نہ پکارا تو وہ اور نہ جانے کیا کہا سو جی رہی۔ اس نے غالباً کام ختم کر لیا تھا۔

"جی! لیجئے۔" اس کے ہاتھ سے لیوٹے کران نے سر عبداللہ کے حوالے کیا۔ سر پراسکارف کو درست کر کے، پانڈیوں پر بیگ لٹکانے کو جانے کے لیے تیار تھی۔

"اب جاؤں سر!" ان کی اجازت کی منتظر، وہ ان کی ٹیبل کے پاس کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"جی ہائیں۔" انہوں نے فائل سے سر اٹھا کر اسے اجازت دی۔ انہیں الوداع کہنی، وہ باہر نکل آئی۔ تاہم جاننے والے جلد آئے کیلئے وہ کہا تھا اور اصل دونوں کا آڈیٹنگ کا پروگرام تھا۔ اتفاق تھا کہ آئندہ کے ٹیکنے ہی فہم بھی نکلا تھا۔ اس کو دیکھ جاتا دیکھ کر تمام روز کرنے سے متنی فیئر نظروں سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور پھر بے نیازی سے کاغذ اچانک اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔

انہیں پچھلی منزل پر واقع تھا۔ لہذا آنے جانے کے لیے لفٹ استعمال ہونی تھی۔ اس نے لفٹ کا مین و باہر ادا ر داخل ہوئی اس کے ساتھ ہی فہم بھی داخل ہو گیا۔ آئندہ اس کو دیکھ کر چہرہ تھی۔

"اس کا آفس ہائیم نو پانچ بجے ختم ہوتا ہے یہ جلد واپس کیوں جا رہا ہے؟" وہ ابھی سوچ میں غرق تھی کہ لفٹ یکدم رکت گئی اور تمام لفٹس کرف ہو گئیں۔ غالباً لائٹ چل گئی تھی۔

"یہ کیا ہو گیا؟" وہ کھڑکی پر تکی ہوئی۔

"سرسخت خیال میں لائٹ چل گئی ہے۔"

"ہاں ایک نوکر لایا جس کو شوٹنگ بہت ہوتی ہے۔" فہم کے کہنے پر لفٹ میں کھڑے بڑے صاحب نے اپنی بیوی کی اساتذہ والی لائٹ میں باہر اندھا کر دیا۔ حسد لی، حسد لی پر چھائیں ہی دکھائی دے رہی تھی۔

"اب کیا ہو گا؟" انہوں نے پوچھنے کے ساتھ ہی کہا۔

"اسٹیشن پر رکھے ابھی لائٹ آ جائے گی۔" فہم کے کہنے کو سہجے ہوئے نشلی وانی حالانکہ اس بات کا ظہن ہوا سے بھی تھا کہ وہ پوچھنے تک شی طویل ہوئی۔

"سر! تو وہ کھٹ کر اسے اس اندھیرے میں۔" وہ روٹھ رہی تھی۔ اس کی موجودگی سے دینے ہی وہ ان کو ہر ہر تھی۔

"پہلے اس کی اتھارنے اسے اور چھراں کر: باخفا۔"

"میں کب رہا ہوں گا ابھی پائنت آ جائے گی۔" فہم کی روٹھائی آواز پر گھبرا سا گیا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی لیکن اس سے بگڑتی اور اندھیرا بالکل محدود ہے جس پر ہاتھ۔ وہ اس شخص سے گھبرانے ہوئے پھر بیوی۔

"تو فہم آئے گی یہ لائٹ؟" اس کی فکرتیں گھبرا کے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نے اب باقاعدہ رہنا شروع کر دیا ہے۔

"آپ روٹھ رہی ہیں؟" اس نے پریشان ہونے کو بولنے فرمایا۔

"میں کبھی روٹھ نہیں رہی۔" اس نے گلہ گیر لہجے میں اس کو دیکھا۔ فہم نے اعتبار نہیں آئی وہ مصہوبت سے انکار کر رہی تھی۔

"میرا وقت رہا ہے۔" وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے، روٹی۔

"نہی فکر نہ کریں میں ہوں نا آپ کے ساتھ۔" اس نے اعتراف کیا۔ اس نے چونک کر مبراٹھا۔
 "میرا مطلب ہے کہ ہم بھی تو آپ کے ساتھ ہی لائٹ میں بند ہیں۔" اس نے گڑبڑاتے ہوئے بات بنائی۔
 "ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ کے ہسپتال۔ ابھی آجائے گی لائٹ۔ آپ فکر نہ کریں۔" بڑے صاحب بھی ان کی گفتگو میں شامل تھے۔

"جیسا کہ میرے ہسپتال۔ ابھی وہ پوری بات نہ کہہ پائی تھی کہ لائٹ آگئی۔
 "یہ لیجئے لائٹ آگئی۔ آپ اپنی پریشان ہو رہی تھیں۔" بڑے صاحب لائٹ آجانے پر فوراً بولے۔ وہ اب تک ہی لفظ میں آگئی ہوئی تھی اور ابھی کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔

"آپ رونوں یہاں جا کر کھڑے ہیں؟" بڑے صاحب نے فہم کی طرف دیکھنے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
 "جی ہاں۔" ہند نے سر ہلایا اس نے آہستہ کی جانب دیکھا، غصے اور غمی کے طے جیسے تاثرات کے ساتھ اس کے گھونر رہی تھی۔ اسے سخت غصہ آ رہا تھا کہ اس نے ان کی بات کی ضرورت کیوں نہیں کی بلکہ وہ ان کے ساتھ ہی کھڑے ہو کر رہ رہا تھا۔ حالانکہ وہ تو خود بڑھلا کر رہ گیا تھا۔ لیکن اس کی بات کی ضرورت نہ تھی کہ وہ اس کا کہہ کر اس کی بات کو بر کرنا۔ اسی دوران در اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ وہ ایک منٹ کی تاخیر کے بغیر سب سے پہلے لائٹ سے باہر آئی جبکہ بڑے صاحب سے صحافت کرنے کے بعد اس کے پیچھے گیا تھا۔ وہ تیسری طرف کی طرف سے اس کی نظروں سے اجڑا گیا۔
 بھی بڑے بڑے ڈگت ہو رہا اس کے پیچھے آکر اس کی کار کے جا چکی تھی۔

☆☆☆

گھر آ کر اس کا موزا اب قدر سے بحال ہو گیا تھا لیکن ریل میں یہ بات کہیں ٹھیک رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی اس بات کو بھول جاتی مگر وہ لگا کر اس پر اپنے کو ذہن سے نکالنے پر آمادہ نہ تھا۔ بعد تھا کہ اسے وہ رہا جا جائے اور پھر وہ راجہ کو ہاتھوں میں برش کر کے بچھائی جاساں تا جان اس کے منتظر تھے۔ رورونوں ناخن ضائع کیے بغیر باہر نکل گئے۔ وہ تیسری طرف سے اجڑا گیا۔
 نقاشی معمول بالکل خاصوں سوچ میں گم تھی۔ سارے راستے ان کی ہاتھوں پر رہے ہوں ہاں کرنی رہی۔ مگر ہند نے انہوں نے اس سے پوچھا۔

"بنا کیا منگواؤں تمہارے لیے۔"
 "جو آپ کارل چاہے منگوا لیجئے۔" اس نے ان کی مہربانی پر چھوڑ دیا۔
 "اچھا چلو آج ہم اپنی پسند سے آرڈر کیے دیے ہیں۔" انہوں نے ہرگز ہرگز آرڈر پر کچھ ہی رہیں ان کا آرڈر لے کر حاضر ہو گیا۔ کھانے کے دوران بھی وہ باتیں کرنے سے جبکہ رورس ہلائی رہی۔
 "ارے بنا لائٹک سے کھاؤ۔" اس کو نیچے سے کھینچ کر رورونوں کے بغیر نہ رکھے۔
 "کہا اچھا نہیں لگا کھانا۔" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اس نے گلاس اٹھاتے ہوئے انکار کیا۔ وہ اس کی بات سے مطمئن نہ ہوئے تھے۔
 ضرور کوئی بات تھی جو وہ چپ چپ سی۔ راجہ نے سفر کے دوران ہی انہوں سے کہا تھا کہ وہ اس سے پوچھا۔
 "بیٹا! کہا بات ہے آج بہت چپ چپ رہی ہو؟" وہ اسکرین پر نظر کر کے جھانکے انہوں نے اس سے رور ہانت کیا۔

"نہیں تو۔" اسے بدستور انکار کیا۔
 "کوئی بات تو ہے بیٹا! طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟" انہوں نے اس کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے استفسار کیا۔

"جی تاجان میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"تو پھر کیا بات ہے؟" وہ کہہ دیتے ہوئے بولے۔ پھر خود ہی کہنے لگے۔

"میرے خیال میں کام کی زیادتی نے تمہیں تھکا دیا ہے۔ تم آرام بھی تو نہیں کرتیں۔ آفس سے آتے ہی گھر کے کابڑوں میں لٹک جاتی ہو تمہیں تو ہوگی ہی۔ بیانا تم کچھ دنوں کے لیے آفس سے چھٹی لے لو۔ ریٹ کر لو کچھ دن۔" انہوں نے محبت سے اسے مشورہ دیا۔

"جی تاجان! آفس نے بائی بھری۔"

گھر پہنچنے کے بعد اس نے سیدھی کرت کی راہ لی۔ سونے کے لیے لیٹی تو وہی منظر بار بار دکھائی دیا۔ آج کل خدیجہ کی باتیں، اس کا لہجہ اور چہرہ اس کا جملہ بار بار ذہن میں گردش کر رہا تھا۔

"میں ہوں تا آپ کے ساتھ۔" اس کی گھبراہٹ اور آواز اب بھی اس کی سماعت میں گونجنے لگی تھی۔ یہ عام سی بات تو نہ تھی اور نہ ہی وہ لہجہ عام تھا۔ یہ بات کوئی یوں ہی تو نہیں کہا کرتا۔ کیا وہ میرے لیے خاص جذبہ رکھتا ہے؟ یہ سوال بار بار وہ خود سے کر رہی تھی۔ دل تو اس بات کی توثیق دے رہا تھا کہ وہ اس میں خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کی آنکھوں میں خیال وہ دن لگتی باتیں جو اس کے دل کی جذبات کی آئینہ دار تھیں انہیں وہ بخوبی پڑھ سکتی تھی وہ چہرہ شائستہ ہی لیکن بے اور رویوں کو پہچاننے کا تموزا بہت ہنر ضرور رکھتی تھی۔

"کیا وہ بھی میرے لیے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اور مجھے بھی اس..... آفس نے دل کو ٹوٹا۔ دل اس کے نام پر بے طرح و بے جا محبت یوں اچانک ہو جاتی ہے۔ وہ صرف گناہوں اور افسانوں میں پڑھتی آئی تھی لیکن وہ خود بھی محبت کے لفظ سے آشنا ہوئی۔ یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اس کی بولتی آنکھیں اس کی نگاہوں میں محو تھیں۔ آنکھیں کھلی تھیں لیکن محبت یہ تو دل کی قام بانس عیاں کر دیتی ہیں۔ اور محبت جیسی سپائی تو آنکھوں سے نکلتی جا کر مرنے ہے۔ کیوں نہیں کہہ سکتا ہوتا خود کو کتنا محترم بنا دیتا ہے۔ وہ ساری رات اسی بارے میں سوچتے ہوئے گزار دی۔"

☆☆☆

خارج کرنے کے تمام اسٹاف کو مینٹنگ کے لیے بلوایا گیا۔ مینٹنگ روم میں سب جمع تھے۔ اتفاق تھا کہ فہد کے باپ اہل راستے کی ایک سٹیج پر وہ اس کے دربر تھی۔ خود پر اس کی طبیعت سے اتفاق ہونے کے بعد اس کے لیے فہد کا سامنا کرنا اپنی مشکل ہو کر باقی رہ گیا۔ جتنا اس سے کڑی رہی تھی وہ اتنا ہی سادہ اور ہنسنا سے بھر پور تھا۔ اور اب فہد اس کے کڑے آنے کو بھی کام سے سبک دیا تھا۔ وہ بھی کھڑا تھا کہ وہ اس دن کی بات پر رکھا ہے۔ اس نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اس نے بھی یہی بات کہی اور اس کا سہرا بھرا چہرہ دکھایا۔ مینٹنگ کے دوران ہی وہ غائب۔ داخلی سے سر عبداللہ کی باتیں سننے لگی۔ اس کی عدم توجہی کو انہوں نے بھی محسوس کر لیا تھا جیسی اس کو نوک نہیں۔

miss Aima Any Problem with you?
"No Sir!"

۔۔۔۔۔
"۔۔۔۔۔" وہ دن میں سر بلوایا گیا۔ چہرہ اپنی بات کو Continue کرتے ہوئے تمام اسٹاف کی جانب متوجہ ہو گئے۔

مینٹنگ کے بعد وہ اسی انتظار میں تھا کہ اس سے Excuse کہنے کے لیے اسے بلوایا جائے۔ ہاتھ نہیں آ رہا تھا وہ سر عبداللہ کے روم میں ہی ہوئی تھی۔

"میں آفس" وہ خالک میں کچھ لکھ رہی تھی جب سرنے پکارا۔

”جی سر!“

”آپ ارشد صاحب سے فائل لے کر آئیے اور فہد...“ وہ ابھی کچھ بول ہی رہے تھے کہ فہد کے نام پر اس کا دل دھڑک اٹھا۔ ”مسز فہد سے ڈاکومنٹس کی فٹا پی لائیے۔“

ان کی ہدایات بغور سنتے ہوئے وہ سر کے درم سے باہر نکل آئی۔ وہ پہلے ارشد صاحب سے فائل لے کر سر کو دے آئی۔ پھر دو آہستگی سے سختی ہوئی اس کے چیمبر کی جانب بڑھ گئی۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ واپس چلنا جائے لیکن وہ کچھ چنگچاپا کت کا ستا بلہ کرتی اس کے چیمبر کی دہلیز پر رک گئی۔ وہ اس کی موجودگی سے بے نیاز اپنے کام میں مشغول تھا۔ اس نے قدرے چنگچاپت سے پکارا۔ ”فہد صاحب!“

”اور آپ! اس نے فائل سے گھر میں اٹھا کر حیرانی کا اظہار کیا۔“

”سر نے ڈاکومنٹس کی فٹا پی منگوائی ہے۔ اس نے وہیں دہلیز پر کھڑے سر کا پناہ مانا۔“

”آپ اندر آجائیے۔ اس کے کہنے پر وہ اندر چل آئی۔“

”بیٹھے۔ اس کو کھڑا پا کر اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔“

”جی بس میں ٹھیک ہوں۔ اس نے انکار کیا اس نے اس کے سر سے کاجاڑہ لیا۔ اس سے بیخبر موقع شاید...

تھا۔ اس لیے فہد نے Excuse کرنے کے لیے اس کو نارواں چھوڑ دیا۔ اس نے اس سے بات کر سنے کی ٹھانی۔“

”بس آکر آگیا آپ اس دن والی بات پر ناراض ہیں؟“ اس سوچ کا اظہار کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔“

”جی... جی نہیں تو۔“

”تو پھر؟“

”تو کیا؟ اس کی ادھوری بات کا مفہوم نہ سمجھتے ہوئے اس کو دیکھا۔“

”اے میں کوئی بات سے تو آئی ایم سوری کہ آپ کو میری وجہ سے تعذیب ہوئی۔“ وہ عذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔“

”فہد! اس کے گزری ہوئی بات کو کیا دہرائتا۔ اس کو شرسارہ دیکھ کر وہ سامان سے بولی۔“

”اب تو آپ ناراض نہیں؟“ اس نے اس کے چہرے کو کھوجا۔ اس کا لٹی میں لبتا سر دیکھ کر اسے بہت...

ماصل ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں مسلسل فرش پر جمی تھیں۔“

”آپ فٹا پی دے دیجیے۔ اس نے ادا لایا۔ زیادہ دیر اس کے دوپور ہونا اس کے لیے نکال پور ہاتھا۔“

”جی یہ لیجیے۔ اس نے چہرہ ہی سر عیدائند کا حکم لے کر حاضر ہوا۔“

”آرٹھ بی بی! سر آپ کو بلا رہے ہیں۔“

”تم ہلو۔ میں آ رہی ہوں۔ اس کو اتنی وہ اس کے پیچھے ہی کرنے سے نکل آئی۔ جبکہ فہد تمام کاموں سے ہاتھ...

روک کر اس کے بارے میں سوچتا رہ گیا۔“

☆ ☆ ☆

آج اس نے سوچا تھا خدا سے نون پر بات کرے گی اپنے دل کو کھول کر اس کے آگے رکھ دے گی لیکن پھر کچھ سوچا...

کہ اس نے ویسے سوچا وہ جس کو بیڑل پر ڈال دیا اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔“

”کیا مجھے تم کو اپنے دل کی حالت سے آگاہ کر دینا چاہیے۔“

”نہیں۔“ دل کے کسی گوشے سے آواز ابھری تھی۔“

”اس محبت کا کیا انجام ہوگا کبھی سوچا ہے تم نے۔ اس نے خود سے سوال کیا۔“

"میں مان ہی نہیں سکتی کوئی چکر ہے ضرور۔" وہ بھی جھجھکے بنے والی نہیں تھی۔ وہ خوفزدہ تھی کہ کہیں اس نے اس کے چہرے پر عیاں تحریر نہ پڑھ لی ہو۔ اس کو خاموش پا کر وہ خود ہی بولی۔
 "مگر تم ایسی باتوں میں کہاں پڑھتی ہو تمہاری جانی جان نے تو تمہارے ذہن و دل کو بھی باندھ رکھا ہے۔"
 وہ بھٹکا کیا جانتی کہ اس کے ذہن و دل تو پوری طرح محبت میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس قید سے رہائی کس قدر مشکل تھی یہ تو صرف وہی جانتی تھی۔ دل میں اٹھنے والے طوفان سے تو صرف وہ جنگ کر رہی تھی۔ باہر تو مکمل سین چھایا تھا۔ اس کو گہری سوچ میں غرق کیا کہیے کروڑوں کہتے ہوئے بولی۔

"کیا سوچ رہی اور؟"
 "کچھ نہیں۔"
 "اور یہ کیا حالت بنائی ہوئی ہے تم نے؟" اس کے سر اچھے پرانا وہی تو وہ تشویش سے پوچھنے لگی۔
 "کیا ہوا ہے مجھے ٹھیک تو ہوں۔ آگے۔" اس نے محبت کے اختتام پر وہ زور سے کھاسی۔
 "خاک ٹھیک ہو۔" وہ برہم ہوئی۔
 "اپنا ذرا بھی خیال نہیں رکھتیں تم۔ اگر خیال رکھا ہوتا تو یہاں تک تو تمہارا۔" اس پر وہ لڑائی کی حد میں ختم کر دیں تم۔
 اب اس کے لیے میں جتنی درائی تھی۔
 "کیا کروں واقعی تو ہوں خیال۔" اس نے بودے پن سے اجازت مانگ کر اس کی طبیعت کو دیکھتے ہوئے وہ بولی۔
 "اچھا تم آرام کرو میں پھر آؤں گی۔ اور اب میں آؤں تو تمہیں بائیں ٹھیک کھانا دے گا۔" اس کو تسکین د تاکہ کرنی وہ باہر نکل گئی۔



رشید خالد آج کل عابد کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہی ہیں۔ حالانکہ عابد انہم سے پاس ہے انہی جناب کرتا ہے اپنے جوڑی لڑکی مل ہی نہیں رہی۔ "آؤ نہ بیگم کی اس مشکو کو وہ بہت سرسری انداز میں سن رہے تھے۔
 "تو پھر؟" اس نے سمجھتے ہوئے تھے کہ وہ انہیں آخری سبب پتہ کیوں بتا رہی ہیں۔
 "خانا بھ سے کہہ رہی تھیں کہ کوئی رشتہ ہو تو بتاؤں۔ میں نے تو کہہ دیا ہے کہ رشتہ تو ہیں لیکن اگر ان کے وارث اجازت دے دیں تو میں بات چلاؤں۔" انہوں نے ذوق منی انداز سے ان کی جانب دیکھا۔ وہ ہاتھ میں چکر سے خالی ٹیپ کو پہنی پر دیکھتے ہوئے ان کو دیکھنے لگے۔ ان کے چہرے پر ہجرانے والے تاثرات نے بات کی تہ تک دیکھتے ہیں بہت مدد تھی۔ وہ جان تو گئے تھے لیکن وہ تصدیق ہونے تک خاموش رہے۔
 "کیا آپ نے آؤ نہ کے لیے کوئی رشتہ دیکھا ہے نہیں۔" انہوں نے بات پورا ختم کر لی۔
 "نہیں ابھی تو نہیں دیکھا۔"

"آؤ نہ کے لیے عابد سے بھر رشتہ نہیں ہو سکتا ہے میرے خیال میں۔" انہوں نے اپنی بات کے اختتام پر ان کی جانب دیکھا وہ جواب تک نہ سکون بیٹھے تھے ایک دم ہی غصے میں آ گئے۔
 "آؤ نہ تمہارا دانا تو ٹھیک ہے۔ وہ چالیس سال کا درجہ عمر کا شخص تمہیں آؤ نہ کے لیے سو زویں تک رہا ہے۔ ہوش کے ناخن لیاؤ۔" کہیں باجس کر رہی ہو تم؟" وہ سچ پاتے ہوئے بولے۔
 "تو کیا مہر کے لیے اپنے سر پر بھانے رکھو۔ عید سے پہلے مجھے اس کا رشتہ ملے گا ہے قاعدہ تاریخ لینے آ رہی ہے۔"

جانتے تھے۔ اس تو کیا نہ دکھاؤں گی میں۔ انہوں نے اپنی پیداکردہ پریشانی سے آگاہ کیا۔
"میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا آئندہ یوں ہی کسی راہ چلتے سے نہیں بڑا سکا میں آئندہ کو۔" جان سے جاتی آئے تھے
اپنا بہت دور تک گئی۔

"جان بڑھائی نظر میں اچھا ہوگا۔ لیکن تم یہ بات کان کھولی کر سن لو میں اس کا رشتہ اس کے جوڑ کا ہی دیکھوں گا تمہیں
اس کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" تاجا جان کی نصیحت میں بھری آواز اس کی سماعت سے نکرانی تھی وہ روکی نہیں فرما
اپنے گھر سے اس آکر اپنی قسمت اور بے بسی پر بھوت بھوت کر رہی۔ اس کی تقدیر نے اسے کھ پیکھا کی مانند بنا کر رکھ
دی تھا جسے سب اپنی مرضی کے مطابق چلانے کے خواہش مند تھے۔

☆☆☆

آفس سے چھٹی لیے اسے چھ دن ہونے کو آئے تھے۔ آفس سے سزا سلم بھی اس کی خیریت معلوم کرنے آ چکی
تھیں۔ رمضان کا چوتھا روز تھا ڈاکٹر صاحب کی تاکید کے مطابق وہ روز نے نہیں رکھ رکھی تھی۔
وہ اس کو بھی فیصلے پر نہیں پہنچ پاری تھی کہ وہ کیا کرے تاجا جان اور تاجی جان کے درمیان ہونے والی گفتگو نے اسے
مخبرہ پریشانی میں ڈال دیا تھا ان کی گفتگو کا اس نے یہ ہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ تاجی جان اپنے خالہ زاد بھائی سے اس کا
رشتہ جوڑنے پر اہلند محس اور وہ اس کو جلد از جلد رخصت کر کے اسے اپنے سر سے بوند کی طرح اتار دیتے تھے۔
تاجا جان آخر ان سے کب تک لڑتے۔ اسے تو خود اپنا وجود بوجھ محسوں ہونے لگا تھا۔ سوچ سوچ کر اس کا دل غم سے
بھرا کہ وہ تاجا جان کا ہے۔

"اسے اللہ کرے گا اسے حوصلہ دے۔ نصیب کے بند روڑا زے کھول دے۔ میں نے زندگی میں کبھی نتیجہ سے کوئی
تکلیف نہیں کی۔ مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ بس اب مجھے اور ست آنا میرے پروردگار! میری مشکلوں کو آسان کر
دے۔" وہ دعا کرتے ہوئے سلا اور وہی کھڑے نماز پڑھا کر وہ خود کو کافی بے پیمکا محسوں کر رہی تھی۔
اس نے اظہار کے بعد دعا کو فون کر دیا۔

"تمہیں ہونے والا؟" اس نے سلام کے بعد اس کی پوچھنے لگی۔

"آرے سنو! تمہیں ہونے! دوسری طرف اس نے دریا لگا دیا۔"

"آرے سنو! کاشی بہتر ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"آرے سنو! کاشی کی بار کو گھر آئی تمہیں؟" اندرانے شوٹنے لگی جس پر چہا۔

"آرے سنو! کاشی کی بار کو گھر آئی تمہیں؟" اندرانے شوٹنے لگی جس پر چہا۔

"آرے سنو! کاشی کی بار کو گھر آئی تمہیں؟" اندرانے شوٹنے لگی جس پر چہا۔

"آرے سنو! کاشی کی بار کو گھر آئی تمہیں؟" اندرانے شوٹنے لگی جس پر چہا۔

"آرے سنو! کاشی کی بار کو گھر آئی تمہیں؟" اندرانے شوٹنے لگی جس پر چہا۔

"آرے سنو! کاشی کی بار کو گھر آئی تمہیں؟" اندرانے شوٹنے لگی جس پر چہا۔

"آرے سنو! کاشی کی بار کو گھر آئی تمہیں؟" اندرانے شوٹنے لگی جس پر چہا۔

"آرے سنو! کاشی کی بار کو گھر آئی تمہیں؟" اندرانے شوٹنے لگی جس پر چہا۔

”نہیں ہاں نوٹسین کر رہی تھی۔“ زور سے اسے کچھ بھی بھینٹتا تھا وہ ان کے دباؤ میں آ کر کوئی بھی فیصلہ کر سکتی تھی۔
 ”نہیں عدا! ابھی باقاعدہ رشتہ نہیں آ جا ہے۔ لیکن تالی جان اس رشتے کو جوڑنے پر مصر ہیں۔“ اس نے پریشانی سے بتایا۔

”کہا تم سے کچھ کہا انہوں نے؟“ اس نے پوچھا۔
 ”نہیں ابھی ذکوئی باجے ٹوکس کی۔“ اس کے بتانے پر ندانے ایک ٹھنڈی سانس خارج کی۔
 ”اٹھ کر سے تم نے بروقت مجھے شہرے کے لیے بلا لیا۔ ورنہ مجھے تم سے کوئی اچھی امید نہیں ہے۔“
 ”میں کیا کروں عدا؟“ اس نے ٹیٹھیوں میں بے بسی لگی۔
 ”تم فکر مت کرو۔ بیاد رہو! اس ایون ٹوکوں سے فوراً چھوڑ دو۔ حالات سے مقابلہ کر چکے ہو۔ اسٹیج پر آؤ گے تو کچھ ہونے سے اس نے رساں سے بچا جا۔
 ”تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔ میں کوئی مل نکال ڈال لی۔“ اس کے ہاتھ پر دباؤ ڈال کر اس کو تسلی دی۔
 ”کہا کرو گی تم؟“ وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی۔
 ”ایک حل ہے میرے پاس۔ بس تم فکر مت کرو۔ میں ہوئی بات سنا کرے ساتھ۔“ اس نے بھرپور اعتماد سے لہجہ بولا۔
 ”وہ جبراً دھیما سا سا کرا سے مطمئن کرتی۔
 ”لیکن تم کرو گی کہا؟“ اس نے سوال کیا۔
 ”بس یہ تو تمہیں وقت آنے پر ہی پتہ چلے گا۔“ وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔
 ”اجھا بھئی اب میں چلتی ہوں۔“ وہ بیگ کا نڈھے پر لٹکانی لٹھری ہو گئی۔
 ”تم کیا کرو گی عدا؟“ وہ ابھی بھی پریشان تھی۔
 ”میں نے کہا؟ تم پروا اٹھنا نہ رکھو۔ میں نے اس مسئلے کا حل سوچ لیا ہے۔ وقت آنے پر تمہیں خود ہی سمجھ جائے گا۔“ وہ اس کو حیران و پریشان چھوڑ کر باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆

آج وہ جب انٹرویو کی تیاری کر رہی تھی۔
 ”آٹھ آئی!“ ولید کے پکارنے پر وہ بٹنی۔
 ”ندا آئی! آئیں ہیں۔“ لیکن کے دروازے کی ویلیز پر کھڑے ہو کر اسے مطلع کیا۔
 ”ندا اس وقت!“ وہ حیران ہوئی۔

”آج نوہ اپنی امی کے ساتھ آئی ہیں۔“ اس کو مزید حیرت میں ڈال کر لیکن سے باہر نکل گیا۔ وہ حیران پریشان اصل صورتحال جاننے کے اشتباہ میں بہن سے سنے ہاتھ جو کر ڈرائنگ روم میں چلی آئی جہاں تالی جان، عدا اور اس کی امی براجمان تھیں۔
 ”السلام علیکم آئی! کبھی ہیں آپ؟“ اندر آتے ہوئے اس نے سلام کے ساتھ ہی ان کی خیریت دریافت کی۔
 ”و علیکم السلام بیٹا! الحمد للہ میں نو ٹھیک ہوں۔“ انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
 ”آؤ بیٹا! یہاں آؤ۔“ اس کو کھڑا دیکھ کر انہوں نے اس کے لیے اپنے پاس جگہ بنائی۔ سامنے بیٹھی ندا سے اس نے شادوں ہی اشاروں میں اصل ماجرا جاننے کی کوشش کی نو ندا سے نظر انداز کر کے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ پھر کچھ دیر

عبدالغنی کی سادگی عہد کے تیسرے دن قرار پائی تھی۔ رمضان میں عید اور شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ اور وہ بھی بھر پور طریقے سے اس میں حصہ لے رہی تھی۔ ایک طرف تو وہ بہت خوش تھی کہ شہباز بھائی کی شادی تھی تو دوسری طرف وہ انتہائی کرب سے گزر رہی تھی۔ اس نے بھر پور کوشش کی تھی کہ وہ اپنے دل کی اڑاسی دوسرے دن سے چھپائے۔ جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہوئی تھی تاہم، انھوں میں ایک اور اسی ہی ٹھہرنے لگی تھی۔ دل کی خوشی سے بڑھ کر کوئی خوشی نہیں۔ وہی شہباز بھائی کے چہرے سے۔ تھکنے سمیت دشاوامانی کے رنگ اس بات کا ثبوت تھے۔ خواہش یہی رہی ہو جائے تو وہ لگتی تھی آسمان لگتی ہے۔ وہ شہباز بھائی کو دیکھ کر سوچ رہی تھی۔ اور اگر خواہش مکمل نہ ہو تو صرف مسرت ہی کر دیتی ہے۔ مسرت وہ جو مجبور ہے جس کو رتی ہے۔

پھر وہ وقت بھر آواز لگاتی رہی کہ میں نے سب سے مبارک باد وصول کر لی ہے۔ تمام چہرے خوشی سے دھک رہے تھے۔ صرف ایک وہی تھا جو اسے ٹھہرے و جڑو کو سینے کی خوشی کر رہی تھی۔ اسے چہرے منہ بالے کے لیے چہ وقت و زمانہ تھا یہ سوچ کر اس کے دل کو کھل کر تھا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی فیصلہ "سعادت کے خاتمہ" کے لیے انسان ہی ہے جو صبر و دل سے کام لے لیں۔ اور اگر اسے اور کبھی کبھار پندرہ راہ پر چلنے کا حق تو شہباز بھائی کے پاس ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے بھر فیصلہ ہونا انوں کو ملتا ہے۔ جب کہ اس وقت کے ہی اس کے نصیب میں یہ تھا تھا۔ اور اس سے بھلا کون کر سکا ہے۔ اس سے بھلاوت کرنے والے کا انجیل ہی ہے۔ شہباز بھائی کا ثبوت ہے کہ خوشی اس کے آگے ہر شے ختم کر دیا جاتا ہے۔

پھر وہ ان روشتیوں میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ان کے تباہی میں کھڑی تھی۔ اسے یہ سب کچھ یاد تھا۔
 "آپ! انہوں نے اس کو دور سے ہاتھ لایا۔ لیکن وہ اسے دیکھ ہی کب رہی تھی۔ وہ ہر کوئی اور کلمہ تھا۔"
 "آپ! اس نے چپے سے پکارا تو وہ جھجک کر رہی۔"
 "تم انہیں کب خوش ہوئی۔"

"مگر تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ اور وہ کسی کا اظہار کر رہی ہو۔" وہ شوٹ لہجے میں بولی۔ دراصل وہ اس کے لیے
 "مگر یہ نہیں سمجھا کر رہی تھی۔ وہ ان کے تباہی میں کھڑی تھی۔ اسے یہ سب کچھ یاد تھا۔
 "پلوہرا! میں تمہیں شہباز بھائی سے ملوں گی۔" اس کا ہاتھ پکڑتی وہ اس کے ساتھ کی جانب بڑھ گئی۔
 "ارے آئندہ آپ! اور آپ کو ابو جانن کافی دیر سے یاد فرما رہے ہیں۔" اسے سن دیکھنے سے اس نے کہا تو فوراً اسے

شہباز بھائی نے پکڑ لیا۔
 "اچھا تم پلوہرا میں ابھی آتی ہوں۔" اس کو کہتی وہ آیا جان کی سلامتی میں سرگرداں ہو گئی۔ کیونکہ تباہی جانن آج کے
 ان بہت اہم شخصیت تھے۔ ان کا تعلق ہونا تھا آسمان نہیں تھا۔ اس کی نگاہیں ان کی تلاش میں اور اصرار بھنگ رہ گئی
 تھیں۔ کہ ایک جگہ اس کی نگاہ ٹھہر گئی وہ دیکھ کر کہہ سکتی تھی۔ اس کو تو وہ لاکھوں دھڑوں میں بھی یا آسانی پہچان سکتی تھی۔
 وہ یاد پڑھ رہی تھی۔ مگر اس کی موجودگی یہاں پر حیران کن تھی۔ اس نے تو اپنے کئی کئیوں میں سے کسی کو انہیں نہیں پکڑ لیا
 تھا۔ اس کے قدم خود بخود فید کی جانب بڑھتے چلے گئے۔

"آپ؟" اسے دیکھ کر حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات فید کے چہرے پر ابھرائے۔
 "آپ یہاں کیسے؟" وہ بھی حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔
 "میرے خیال میں ہم انہیں شہباز بھائی سے مل سکتے ہیں۔" اس نے وضاحت نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ بھی کہ وہ شہباز

مرف سے شریک ہے۔

”تو یہاں روٹ پھانک ہوئی تھی؟ سب سے ہی نے آپ کو بہت کس کیا۔ اور... اس کی بات ابھی اور سوری تھی کہ خدا پھلی آئی۔“

”آپ دونوں بیٹے سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟“ شاید وہ دردت سے انہیں بات چیت کرتے دیکھ چکی تھی۔ بارش بارش دھڑکے ہوئے حیرت و غوشی سے دریافت کرنے لگی۔ ”آج میرا ان ہوئی کہ نہ اُفد آئیے، جانتی ہے۔“

یہ میرے آپس کی کوئی چیز ہے۔ سر جبرائیل کی پرستل سگریٹ کی بو یہ۔ اس نے تفصیل سے بتایا۔

”اس کی ماں کو آپ پہلے ہی آپس کی تمام باتیں یاد دیتے تو یہ کام چلنا ہو جاتا۔ اس نے زور مٹی نظروں سے دونوں کو دیکھا۔ وہ دونوں ہی لہجہ سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔“

”کھائی تو آپ اتنے جبرائیل کیوں ہو رہے ہیں؟ یہ آئے ہے آپ کی ہونے والی شریک حیات۔“

”یہ تو؟“ وہ دونوں ہی مارے نہ ہیرت کے چیخ پڑے۔

”میرے خیال سے آپ دونوں ہی نے تصویریں نہیں دیکھیں۔“ وہ مزید تسمیر ہوئی۔ ”یعنی آپ دونوں ہم سزاؤں سے تیار ہو چکی ہیں؟“ وہ دونوں کو دیکھتے ہوئے شرارت سے بے گناہ۔ ”وہ تو خود جبرائیل تھے کہ ان کا منہ کس انداز میں کھلا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر ہنسنے لگے۔“

”جبرائیل صاحب میں جا رہی ہوں آپ لوگ... ہم... ہم...“ معنی خیز انداز میں کھانسی دہا ہاں سے تھک

”ابھی تو میں نے آپ کو کئی ہونے کی محبت ہوں دیا تھا۔ کچھ لگتی ہے۔ آپ یہ یقین جائیں کہ ان دنوں سے بہت

... کوئی اور کچھ ہوا گیا تھا۔ آپ کو کچھ یاد ہے۔ یہ خبر نہیں ہوں گی۔ کیونکہ ظلم کو تو اشارہ ہی دکھائی ہوتا

... سب سے زیادہ اہم تھا۔ اور میری لگن بھی تھی۔“

”میں نے صرف ایک بات جانتا ہوں، اس کے لئے وہ سب کچھ ہو سکتے ہیں۔ اور میری لگن بھی تھی۔“

”میں نے صرف ایک بات جانتا ہوں۔“ وہ چہرہ پر ایک غمناک مسکراہٹ سے لہرا رہی تھی۔

”میں نے صرف ایک بات جانتا ہوں۔“ وہ چہرہ پر ایک غمناک مسکراہٹ سے لہرا رہی تھی۔

”میں نے صرف ایک بات جانتا ہوں۔“ وہ چہرہ پر ایک غمناک مسکراہٹ سے لہرا رہی تھی۔

”میں نے صرف ایک بات جانتا ہوں۔“ وہ چہرہ پر ایک غمناک مسکراہٹ سے لہرا رہی تھی۔

www.Paksociety.com

نیلیم ریاست

ناولٹ

عالمی ترین ایلیٹ سٹیٹس

”تو میرے پیارے بھائیوں! سب سے پہلی بات یہ
غور ضرور کرنا یہاں پر میری بہت سی باتیں تھیں
بہنیں بھی مجھے سن رہی ہیں۔ میں آپ سے بھی
درخواست کروں گا کہ اس قطعے پر غور ضرور کیجیے گا اور“



ادارے کے روح رواں اعجاز میں بیٹھے
 بہت سے افراد سے خطاب کر رہے تھے۔ سبھی لوگ
 انہیں انتہائی ادب سے سن رہے تھے مگر باہر گیت
 کے قریب ہی تھوڑی سی جگہ پر ٹھنڈی بنا ایک وجود
 مسلسل جھنجکوں کی زد میں تھا۔ سارا دن نہ جانے
 کہاں کہاں کی خاک چھانٹا مگر دن ڈھلتے ہی یہاں
 چلا آتا۔ انتظامیہ کے آدمیوں کے ساتھ مل کر کھانا
 تقسیم کرتا۔ صفائی کروانے میں مدد دیتا۔ نماز پڑھتا،
 خطاب سنتا اور دعا کے وقت اس کا وجود ایسے ہی
 جھنجکوں کی زد میں آ جاتا۔ نہ جانے کون سے دکھ اس

اپنے اعمال کو درست کر لیں اپنے والدین کی عزت
 کریں ان کی قدر کریں۔“
 پورے ہال میں خاموشی طاری تھی۔ جہاں ہر
 روز افطاری کے بعد خصوصی خطاب اور پھر دعا
 تراویح پڑھائی جاتی تھیں۔ یہ سب رمضان کریم کی
 رویتیں تھیں ملک کے بیشتر حصوں کی طرح اس
 درگاہ میں بھی سحری اور افطاری میں بہت بڑے
 پائے پر لوگوں کو فیری کھانا دیا جاتا تھا۔ لوگ صبح شام
 جگہ در جگہ آتے تھے لیکن بچھا کر کھانا لگا دیا
 جاتا۔ آج چوبیسواں روزہ تھا۔



کو لاتے تھے۔ نہ جانے کیا رنگ ول میں چھپائے پھرتا تھا کہ آنکھوں کا سیلاب رکتا ہی نہ تھا۔ پناہ تو تب ہی چھلکا ہے ناں جب بھر جائے اس میں اور گنجائش نہ رہے۔ رہ رو کر وہیں سو جاتا۔ صبح سحری کرتا نماز پڑھتا، کھانا تقسیم کرتا برتن اٹھاتا بھی و حلوا بھی دیتا اور پھر در سے بے نکل جاتا۔ خطاب ابھی بھی جاری تھا آج کا۔ ہوشیاریاں خالصہ

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ تاریخ یہاں اس وقت پہنچے بھی لوگ موجود ہیں وہم اگرچہ کہ بیان میں جھانکیں اپنا تجربہ خود کریں کہ ہم کہاں گھر تھے ہیں۔ ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں کہ جن کے پاس توہنی ماں کے لیے ٹائم ہو۔ آج کس کس نے پوچھا کہ ماں آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ کتنوں نے آج کوشش کی کہ ماں کا دل نہیں توڑنا۔ جیسا ایسے لوگ آئے ہیں تمک کے برابر ہیں۔ میرے تو جوانو! وقت کی قدر کو پہچانو تمہارے ماں باپ وہ خزانہ ہیں جو ایک دفعہ چھین گیا تو قیامت تک واپس نہیں ملتا، بلکہ جس نے دنیا میں اس خزانے کی قدر نہ کی اس کا آخرت میں بھی کوئی حصہ نہیں ہے۔“

خطاب جاری تھا مگر گیت کے قریب نکلی جبکہ پر چادر کی نعل میں خود کو گھسولی کی طرح لپیٹ کر بیٹھا، و جو جھکے کھانا کھاتا ایک دم سناکت ہو کر ایک طرف لڑھک گیا۔ کسی کا اس کی طرف دھیان نہ تھا۔

وہ ان گزرے ایک سال اور چودہ دنوں میں اتنا رویا تھا کہ آنکھوں کے سوتے خشک ہو گئے تھے اور شرمندہ اس قدر تھا کہ اس کے قدم شرمندگی کے مارے اپنے گھر کی طرف اٹھتے ہی نہ تھے۔ بس ایک ہی خیال اس کے دماغ میں رہتا کہ کاش کاش وہ اپنی زندگی کے سب سے دنوں کو واپس سوز سکا اور اپنی غلطیاں سدھار پاتا مگر کیا وقت اور بہتا پانی کبھی واپس نہیں آتے۔

☆.....☆

اس کا سب سے بڑا غرور اس کی ظاہری شہینہ تھی گورا رنگ کھڑے نقوش بلند قامت بھرا ہوا مضبوط جسم بس یہی وہ خوبیاں تھیں جنہوں نے اس کا دماغ ہواؤں میں ازار کھا تھا اور دوسری طاقت کی دوست جگری یار ایک محلے کا ڈرائی کلینر جو چوٹیں گھٹنے خدمت میں حاضر جب چاہے جیسا چاہے لباس اٹھا بنا دھو کر زیب تن کیا دوسرا دوست پہلے سے بھی زیادہ جاننا تھا۔ ایک شہاب پر ہنجر ملکیت تھا۔ جب بھی مالک کے گھر پر نہ ہوتا تو فرمائش پر گاڑی چند گھنٹوں کے لیے اوجھلا کر دیتا۔ اس طرح پہننے کے لیے اچھا لباس اور کھانے پینے کی گاڑی حاصل کرنا اس کے لیے مشکل تھا۔

خوشحال محلے کے محلے کی چھوڑ سارے خاندان کی لڑکیاں اپنی جیب میں گیس۔ نئے نئے مڈل کا موبائل فون فسطوں پر حاصل کیا جاتا۔ قسطیں دینا اس کی سروروی کی تھیں رہی سون رات کتابوں میں گم بہن کس کام کی بھی آگے بڑھنے کے ساتھ سر کھپا کر انہیں ٹوشن پڑھاتی تھی تو اس کے بھائی کا اتنا تو حق تھا ناں کہ اس کے موبائل کی فیس وے دیتی اور کبھی کبھار بیٹنس ڈلووا دیتی آخر ان کو بتا جوان بھائی تھا بہن اس کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتی۔ ہر موقع پر ملنے والے گفت علیحدہ دے غیرتی اس انتہا کی کہ بھی جو لڑکیوں سے چیزیں مانگتے ہوئے شرم آتی ہو۔ بڑے آرام سے یا دلویا جاتا کہ اس دفعہ میری ساگرہ پر کیا وے رہی ہو، وہ تو سال میں صرف بارہ مہینے ہیں اگر چوٹیں بھی ہوتے تو ہر ماہ اس کی ساگرہ ہو نا لازم تھی۔

نت نئے ڈیزائن کی شرتس، چٹوٹیں، جو تے رومال، جیل، پرفومز، سن کلاسز، میگے ریسٹورنٹ میں کھانے، راوی بس چھین ہی لیکن لکھ رہا تھا کیوں کہ یہ ساری چیزیں وہ ڈیزھ سوئی لسٹ پوری کرتی تھی

جو اس کے نون میں وجود رہیں۔

کر دیا کہ پہلے پہلا حساب پورا کرو پھر بات کرنا۔
اب آجا کر وہ گئے گھر والے۔ تو ہمیشہ کی طرح ان کی
شامت آگئی۔

رات کے اندھیرے میں گھر کے بڑے کمرے
پے اس کے اونچا اونچا بولنے کی آوازیں آرہی
تھیں۔

”آخر کیوں اللہ نے مجھے آپ جیسے کنٹکوں کے
گھر پیدا کر دیا۔ نہ کبھی ڈھنگ کا کھانے کو ملا ہے نہ
نے کو۔ جب بھی کوئی چیز مانگی ہے بس اپنی مسکین
ٹھکیں دکھا دیتے ہیں۔“

اس سے چھوٹی ماڑہ کو علم تھا عقل کا اندھا ہے کبھی نہیں
سمجھے گا اس لیے خاموشی سے ضبط کیا ہے سنی رہی۔

”میں کچھ نہیں جانتا بس مجھے ایک لاکھ روپے
چاہیے۔ چاہے گھر بیچیں یا جو مرضی مجھے ہر حال میں
ایک لاکھ چاہیے۔ چار دن ہیں آپ کے پاس۔“

ماڑہ دھک سے رہ گئی۔ ”داروغہ ٹھیک ہے تمہارا
کہاں سے آئے گا اتنا پیسہ یہاں کھانے کے لالے
پڑے ہیں اور صاحب زارے کی اپنی ہی دنیا ہے۔“

”تم میرے منہ نہ لگو ورنہ منہ توڑ دوں گا میں
تمہارا۔ کہاں جاتی ہے ساری کمائی؟ تم کمائی ہو ابا
کا۔“

ماڑہ نے اناں جو سارا دن لوگوں کے کپڑے سکتی
رہتی تھیں کہاں جاتے ہیں اتنے پیسے؟

ماڑہ جاتی تھی کہ اگر آئینہ رکھانے بیٹھی تو وہ اس
پر ہاتھ اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ اس
لئے خون کے گھونٹ پی گئی۔ ایک نفرت بھری نظر اس
پر ڈال کر کمرے سے نکل گئی۔

بوزھے ماں باپ دونوں بچروں کی طرح سر
جھکانے خاموش بیٹھتے تھے۔

”میں جا رہا ہوں پرسوں جب آؤں تو مجھے رقم
دے دے۔“
”میں تو آگ لگا دوں گا سارے گھر کو زندگی
مذکورہ ہوئی ہے اس سے تو بہتر تھا کسی تیم خانے
میں ہی بیٹھا ہونا۔“

اس کا رکھ رکھاؤ۔ اس کے انداز و اطوار اس کی
آوازیں اور جانیوں دیکھ کر کوئی بھی انجان آدمی یہ سوچ
سکتا تھا کہ یہ واؤڈ اکرام، اکرام ریڑھی
والے کا بیٹا ہے۔ آپ اگر قسم کھا کر بھی کہتے کہ یہ
خوشبخت میں اڑاتا وجود اکرام ریڑھی والے کے گھر
میں ہی پیدا ہوا ہے تو کوئی نہ مانتا۔

ارے کہاں محنت مند مزدور توتا جونا واؤڈ
اکرام اور کہاں رہ فٹ ہاتھ پر صبح سے شام کھڑا
رہنے والا شگستہ وجود جس کے چہرے کی جھریوں میں

پرتون اضافہ ہوتا ہو۔ ساری عمر کی مشقت چہرے پر
کرم ہو، نکلے ہوئے کندھے کی سی پکڑی پکڑی حیرتوں میں
جھولتے اتنی ہوئی نیلون کی چٹیل اور کوئی تو خدا کا
خوف کر وہ تو کہنے میں ہی کسی رئیس کی اولاد لگتا

اور یہ بابا تو اس کے نوکروں سے بھی گیا گزرا تھا۔
کہاں اس کا باپ بیٹا تھا کوئی یہ نہیں جانتا کہ یہ
اس کا باپ ہونے کا ہی اعصاب ہے کہ اکرام ریڑھی
والا وقت سے پہلے ہی بوز بھلا ہوا کیا۔ اور مان گیا

ہے۔ اس نے یہ خیال بھی چھوڑ دیا کہ اس کا کوئی
دوان بیٹا بھی ہے۔

سارا مسئلہ تب ہوا جہاں اسے محبت ہوئی۔ پہلے
لو کہیں گا اس سے محبت ہوتی رہی تھی۔ اس دفعہ
اسے کسی بڑی محبت ہوئی تھی۔ فرق تو پڑنا ہی تھا۔

پیسے رسولوں کا کاروبار تھا۔ اس کے ہونے کی باری آئی تھی
اور زویہ تھی بھی تو کبھی وہاں ملائی کی نئی چیزیں تو
ایک طرف بندے کا بھی چاہیے۔ اس جان بھی مانتے تو

کم ہند کر کے سر قدموں میں داد لگوانا تو وہ بھی
چھوٹی فرمائشیں تو وہ ماں کے نفلے میں سے پیسے لے
کر اپوری کرتا رہا مگر اس دفعہ فرمائش بڑی آئی تھی۔

زویہ نے آئی فون مانگا تھا اور واؤڈ اکرام کا بس نہیں
چل رہا تھا کہ کیسے فوراً اسے آئی فون لاکر دے۔
تصفیوں پر چیزیں دینے والے پٹھان نے بھی انکار

حلیہ بی بی نے اپنے آنسو پلو سے صاف کیے۔
جب کہ اکرام کسی پتھر کے مجھے کی طرح ساکت بیٹھا
رہا۔ دادو جی چلا کر واپس چلا گیا۔ ویسے بھی گھر پر وہ
تپ ہی آتا تھا جب اسے لیے چاہے ہونے تھے۔

☆.....☆

تیسرے دن گھر آیا۔ ماں نے سلائی مشین کی
دراز میں سے نکال کر پچاس ہزار اس کے آگے کر
دیے۔ اسے یہ یقین نہ ہوئی کہ پچاس ہزار اتنے تنگ
حالات میں اتنی رقم کہاں سے لائی ہو گی۔ اس کا سامان
بیچا ہے یا گروی رکھی ہے، التامان کے سامنے ان کو
کھڑا ہو گیا۔

"اس کو میں سر پر ماروں میں نے ایک لاکھ مانگا
تھا۔ اس کا کیا کروں۔"

"میرے پاس اتنے ہی ہیں نے جاؤ اور یہاں
سے چلے جاؤ۔" ماں نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ بس
غصہ بھرے ہوئے لہجے میں اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"کتنی سخت دل عورت ہوتی ماں! بیٹا اتنے دنوں
بعد گھر آیا ہے ایک گلاس پانی تک نہیں پوچھا اور کہہ

رہی ہو چلا جاؤں۔ جا رہا ہوں مجھے بھی اس ڈر بے
میں رہنے کا کوئی شوق نہیں ہے مگر مجھے پچاس ہزار اور
چاہیے جیسے یہ ہو گئے ہیں اور بھی نکل آئیں گے پھر
جب آؤں تو میرے پیسے تیار رکھنا۔"

آئی فون کی قیمت تو سیدھی ایک لاکھ تھی۔ اس
لئے اس نے کچھ سوچ کر پچاس ہزار کا ہی ایک اچھا

سامو بائل خرید کر ڈوبی کی خدمت میں نذرانہ پیش
کیا۔ اس نے باپوس کی شکل بنائی تھوڑی دیر تک

سامو بائل کو الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی پھر بڑی اداسے
بولی۔

"چلو اب تم لے آئے ہو تو یہی ٹھیک ہے مگر اس
دفعہ عید پر مجھے ڈیزائنڈ ریز سے جوڑا چاہیے۔ اپنی

مرثی کا اور اس کے بعد عید پر کسی اچھے سے
ریٹورنٹ پر کھانا کھائیں گے۔ یاد رکھنا اب۔"

وہ دل میں خوش ہو گیا کہ چلو فون تو پسند آ گیا۔
اب اماں جو پیسے دے گی اس سے دوسری چیزیں دلوا
دوں گا۔

☆.....☆

اگلی دفعہ مقررہ وقت پر جب وہ اپنے گھر آیا تو
دروازے پر تالا پڑا تھا۔ منہ سے بڑا تالا دایس آ کر

گاڑی میں بیٹھ کر رزن سے چلا گیا۔ سات کو پھر واپس
آیا تو دروازے پر پھر تالا پڑا تھا۔

بھائی سے پوچھے پر پتا چلا کہ ماں نے کبھی
خواب بھی سوچی اسپتال میں ہوں گے۔

چلو یہ اب نئی مصیبت۔ "وہ بڑے غصے سے
اسپتال چلا گیا۔"

جنرل اسپتال کے دارو میں حلیہ بی بی دو اسٹوں
کے زیر اثر ہوئی تھی۔ چہرے پر زردیاں چھلی

ہوئی تھیں۔ آنکھوں کے گوشے پر بے لگے تکر دادو
اکرام کے پاس دیکھنے والی آنکھوں کو یہ سب دیکھ

پاتا وہ تو ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر سوار رہا۔
درد در کارہ کی آنکھیں سوچی ہوئی تھیں۔

یہ وہ ادھر سے ادھر بھاگ بھاگ کر دوائیاں لگا
تھی۔ کبھی کوئی ٹیسٹ کر دیا کرتی تھی۔ وہ بھی اس نے

آج جن جن بچوں کو ٹیوشن پڑھائی تھی ان سے ایڈوائس
ایک ماہ کی نخواستہ تھی تو خرچہ اٹھا سکی اس وقت وہ کبھی

مرجھائی بکھری سی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر لکڑی
کے شیخ پر بیٹھی تھی۔ اب اس اسی طرح بت بنے بیٹھے

تھے۔

"یہ اماں نے اب نئے ڈرامے شروع
کر دیے۔" براڈن پینٹ، سفید شرٹ پیروں میں

براڈن جوتے لباس سے اٹھی مہنگی خوشبو۔ ماڑہ نے
سراٹھا کر اپنے بھائی کو دیکھا جسے دارو میں موجود بھی

لوگ سٹائش بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ نہ
جانے کہاں سے اس کے امداد اتنی طاقت آئی تھی وہ
اپنی جگہ سے اٹھی اور بازو سے کچر کر داؤ کو کھینچتی ہوئی

اپنے ساتھ باہر لے آئی۔

”بازو چھوڑد میرا کیا جنگیوں کی طرح کھینچ رہی ہو۔“ مائرہ نے ایک جھکے سے بازو چھوڑ دیا۔

”تمہیں انسانوں کی زبان کہاں سمجھ آتی ہے داؤد اکرام! تمہارے جناحہ اگر پہلے دن سے جانوروں کی زبان میں مات کی جاتی تو آج میری ماں کو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔“ وہ جیسے پھست پڑی تھی۔

”کیا بکواس کر رہی ہو، ایک ہاتھ جوڑ لگا میں تمہیں۔“

”ہاں مارو۔“ مائرہ نے اپنے چہرے پر خودی تھپڑ مارے۔

”مارو مجھے تمہارے جیسے بھائی ہوں تو تھپڑوں کے علاوہ اور کیا ل سکتا ہے۔“

”جاننا چاہو گے کہ تم ہو کیا؟ میں بتاتی ہوں آج تمہیں آج مجھے تم سے کوئی ڈر نہیں ہے۔ مجھے ایک تھپڑ مارو گے تو میں تمہیں جواب میں دس تھپڑ ماروں گی۔ تم نے میرے ماں باپ کے ساتھ جو ظلم کیا ہے میں تمہیں بھی معاف نہیں کروں گی۔ میری تو ساری دنیا میرے ماں باپ ہیں۔ ان کے سوا میرا ہے کون؟ تمہیں ہم پر رحم نہیں آتا؟ میں نے اپنے دن رات کی محنت کی کمائی تم پر لٹا دی۔ میری ماں نے لوگوں کے کپڑے ہی سی کر اپنی ہڈیاں گلا لیں۔ میرا باپ تمہارا جیشہ پالتے پالتے وقت سے پہلے بوزھا ہو گیا مگر تم ایک ایسی لعنت ہو جس سے جان ہی نہیں چھوٹی جاتی ہوں میں آج تم کس لیے آئے ہو۔ باقی کا پیاس ہزار لینے آئے ہونا تاکہ اپنی دو ٹکے کی سیکل کو عیندی دے سکو۔“

داؤد غصے سے اس کی طرف مارنے کے لیے بڑھا تھا۔

”خبردار! ایک قدم بھی آگے نہ بڑھانا۔“ مائرہ کی آنسوؤں سے دھلی آواز میں کچھ ایسا تھا کہ جس

نے اس کے قدم روک دیے۔

”تم سمجھتے ہو کہ میں نادائق ہوں تمہاری دلچسپیوں سے؟ میں بھی اسی دنیا میں رہتی ہوں۔ میں اگر آج تک خاموش رہی ہوں تو صرف تم نے نفرت کی وجہ سے۔ مگر اب نہیں اب بات میری ماں کی زندگی کی ہے جو اس نے تمہاری وجہ سے داؤد پر لگا دی۔ تم اولاد نہیں ہو داؤد تم جو تک ہو جو تک۔ خون پیئے والے۔ تم نے ساری زندگی میرے خاندان کا خون پیا ہے۔ ارے بد بخت تمہیں لڑکی کے لیے تم

مرے جا رہے ہو میری ماں نے اپنا کروہ بیچ کر تمہارے حوالے کی گئی۔ جس کو تم خودی دیتے وقت میں نے اپنی سیدھی کھانسی سے تمہیں ڈھکیا کہ آیا اسے تجھے چڑھانے والے تمہیں ہوتا اس کے پیار یوں میں تم جیسے اور کھڑے ہیں۔ میری ماں کی لنگھائی سستی تو نہیں ہے۔ داؤد تم مر کیوں نہیں جانتے؟ تمہیں کیا لگتا ہے تمہاری زندگی کا میرا اتنا بڑا نقصان ہو گیا صرف تمہاری وجہ سے۔ میں تمہارے آگے ہاتھ بڑھتی ہوں مت بنو میرا ماں مت میرے سر پر ہاتھ رکھو پر خدا کا ڈر رکھو۔ مجھ سے میری سچت سنا چھینو، میں نے کبھی ان دونوں کو خوش نہیں دیکھا سبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کبھی انہوں نے عید پر سنے پڑے نہیں پہنے کبھی اچھے کھانے نہیں کھائے کیوں کہ وہ تمہیں اور تمہاری خواہشات کو پال رہے ہیں۔ داؤد اتنی بڑی سزا؟ انہوں نے تمہیں پیدا کر کے اتنا بڑا جرم کر دیا ہے کہ ان سے زندہ رہنے کا حق ہی چھین لو۔ چلے جاؤ یہاں سے کہیں دور بھی واپس اپنی شکل مت دکھانا۔ تم نے ان کو اتنا توڑ دیا ہے کہ مجھے ان کا خیال اپنے بچوں کی طرح رکھنا ہے۔ میں رکھ لوں گی ان کا خیال۔ بس تم ہماری زندگیوں سے نکل جاؤ۔ میری ماں ہر روز اپنا کھانا تمہارے لیے بجا کر رکھتی ہے کہ ہو سکتا ہے تم مگر چکر لگاؤ تو وہ تمہیں کھانے کو کیا دے گی۔ ساری رات اس کی ایک آنکھ کھلی رہتی ہے کہ

میرے جا رہے ہو میری ماں نے اپنا کروہ بیچ کر تمہارے حوالے کی گئی۔ جس کو تم خودی دیتے وقت میں نے اپنی سیدھی کھانسی سے تمہیں ڈھکیا کہ آیا اسے تجھے چڑھانے والے تمہیں ہوتا اس کے پیار یوں میں تم جیسے اور کھڑے ہیں۔ میری ماں کی لنگھائی سستی تو نہیں ہے۔ داؤد تم مر کیوں نہیں جانتے؟ تمہیں کیا لگتا ہے تمہاری زندگی کا میرا اتنا بڑا نقصان ہو گیا صرف تمہاری وجہ سے۔ میں تمہارے آگے ہاتھ بڑھتی ہوں مت بنو میرا ماں مت میرے سر پر ہاتھ رکھو پر خدا کا ڈر رکھو۔ مجھ سے میری سچت سنا چھینو، میں نے کبھی ان دونوں کو خوش نہیں دیکھا سبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کبھی انہوں نے عید پر سنے پڑے نہیں پہنے کبھی اچھے کھانے نہیں کھائے کیوں کہ وہ تمہیں اور تمہاری خواہشات کو پال رہے ہیں۔ داؤد اتنی بڑی سزا؟ انہوں نے تمہیں پیدا کر کے اتنا بڑا جرم کر دیا ہے کہ ان سے زندہ رہنے کا حق ہی چھین لو۔ چلے جاؤ یہاں سے کہیں دور بھی واپس اپنی شکل مت دکھانا۔ تم نے ان کو اتنا توڑ دیا ہے کہ مجھے ان کا خیال اپنے بچوں کی طرح رکھنا ہے۔ میں رکھ لوں گی ان کا خیال۔ بس تم ہماری زندگیوں سے نکل جاؤ۔ میری ماں ہر روز اپنا کھانا تمہارے لیے بجا کر رکھتی ہے کہ ہو سکتا ہے تم مگر چکر لگاؤ تو وہ تمہیں کھانے کو کیا دے گی۔ ساری رات اس کی ایک آنکھ کھلی رہتی ہے کہ

میرے جا رہے ہو میری ماں نے اپنا کروہ بیچ کر تمہارے حوالے کی گئی۔ جس کو تم خودی دیتے وقت میں نے اپنی سیدھی کھانسی سے تمہیں ڈھکیا کہ آیا اسے تجھے چڑھانے والے تمہیں ہوتا اس کے پیار یوں میں تم جیسے اور کھڑے ہیں۔ میری ماں کی لنگھائی سستی تو نہیں ہے۔ داؤد تم مر کیوں نہیں جانتے؟ تمہیں کیا لگتا ہے تمہاری زندگی کا میرا اتنا بڑا نقصان ہو گیا صرف تمہاری وجہ سے۔ میں تمہارے آگے ہاتھ بڑھتی ہوں مت بنو میرا ماں مت میرے سر پر ہاتھ رکھو پر خدا کا ڈر رکھو۔ مجھ سے میری سچت سنا چھینو، میں نے کبھی ان دونوں کو خوش نہیں دیکھا سبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کبھی انہوں نے عید پر سنے پڑے نہیں پہنے کبھی اچھے کھانے نہیں کھائے کیوں کہ وہ تمہیں اور تمہاری خواہشات کو پال رہے ہیں۔ داؤد اتنی بڑی سزا؟ انہوں نے تمہیں پیدا کر کے اتنا بڑا جرم کر دیا ہے کہ ان سے زندہ رہنے کا حق ہی چھین لو۔ چلے جاؤ یہاں سے کہیں دور بھی واپس اپنی شکل مت دکھانا۔ تم نے ان کو اتنا توڑ دیا ہے کہ مجھے ان کا خیال اپنے بچوں کی طرح رکھنا ہے۔ میں رکھ لوں گی ان کا خیال۔ بس تم ہماری زندگیوں سے نکل جاؤ۔ میری ماں ہر روز اپنا کھانا تمہارے لیے بجا کر رکھتی ہے کہ ہو سکتا ہے تم مگر چکر لگاؤ تو وہ تمہیں کھانے کو کیا دے گی۔ ساری رات اس کی ایک آنکھ کھلی رہتی ہے کہ

میرے جا رہے ہو میری ماں نے اپنا کروہ بیچ کر تمہارے حوالے کی گئی۔ جس کو تم خودی دیتے وقت میں نے اپنی سیدھی کھانسی سے تمہیں ڈھکیا کہ آیا اسے تجھے چڑھانے والے تمہیں ہوتا اس کے پیار یوں میں تم جیسے اور کھڑے ہیں۔ میری ماں کی لنگھائی سستی تو نہیں ہے۔ داؤد تم مر کیوں نہیں جانتے؟ تمہیں کیا لگتا ہے تمہاری زندگی کا میرا اتنا بڑا نقصان ہو گیا صرف تمہاری وجہ سے۔ میں تمہارے آگے ہاتھ بڑھتی ہوں مت بنو میرا ماں مت میرے سر پر ہاتھ رکھو پر خدا کا ڈر رکھو۔ مجھ سے میری سچت سنا چھینو، میں نے کبھی ان دونوں کو خوش نہیں دیکھا سبھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کبھی انہوں نے عید پر سنے پڑے نہیں پہنے کبھی اچھے کھانے نہیں کھائے کیوں کہ وہ تمہیں اور تمہاری خواہشات کو پال رہے ہیں۔ داؤد اتنی بڑی سزا؟ انہوں نے تمہیں پیدا کر کے اتنا بڑا جرم کر دیا ہے کہ ان سے زندہ رہنے کا حق ہی چھین لو۔ چلے جاؤ یہاں سے کہیں دور بھی واپس اپنی شکل مت دکھانا۔ تم نے ان کو اتنا توڑ دیا ہے کہ مجھے ان کا خیال اپنے بچوں کی طرح رکھنا ہے۔ میں رکھ لوں گی ان کا خیال۔ بس تم ہماری زندگیوں سے نکل جاؤ۔ میری ماں ہر روز اپنا کھانا تمہارے لیے بجا کر رکھتی ہے کہ ہو سکتا ہے تم مگر چکر لگاؤ تو وہ تمہیں کھانے کو کیا دے گی۔ ساری رات اس کی ایک آنکھ کھلی رہتی ہے کہ

اگر تمہیں کہیں خیال آئے کہ گھر پر ماں انتظار کر رہی ہوگی اور تم آؤ تو دروازہ بند کر دیکھ کر واپس نہ ملے جاؤ۔ اب میں انکس بنا دینا چاہتی ہوں کہ تم مر گئے ہو۔ تاکہ وہ پیٹ بھر کر کھانا کھائے کہ پھر کسی کے انتظار میں جانتی نہ رہیں۔“

اب اندر سے بھاگتے ہوئے برآمد ہوئے اور حواس باختہ سے سیدھے مارتہ کی طرف آئے۔

”ماری بیٹا! چلو دیکھو تو تمہاری ماں کی حالت بگڑ گئی ہے۔“ مارتہ کے حلق سے ایک چیخ بلند ہوئی۔
 ”پائے میری امی۔“ وہ تیزی سے واپسی کو مڑی اور پھر رگ گئی۔ پلٹ کر ایک نظر داؤد پر ڈالی جو اس کے اچھے سے آرہا تھا۔

عینے غرت سے پورا زور لگا کر اس نے داؤد کو دھکا دیا تھا۔ وہ لڑکھارہ لگا گیا۔

”خبر داؤد تم اندر تک جاؤ گے۔ اب کیا میری ماں کی لاش بیٹنا چاہتے ہو؟“ اب اسے ہی اندر جا چکے تھے۔ مارتہ بھی روٹی ہوئی چلی گئی اور اس کے قدم وہیں زمین نے جکڑ لیے۔ کوریڈور میں پہلے سے ہی کئی مرد و خواتین آ جا رہے تھے۔ ان میں سے کچھ دلچسپی اور کچھ حیرت و حاکارت سے اس خوش شکل عورت کی لہانیں ڈراؤنہ جواں کو دیکھ رہے تھے کہ جس نے زمین کی مٹی بھی تصور تک نہ کیا تھا کہ وہ جیسی اس کی چھوٹی سی لڑکی دن بھر اسے اتنے لوگوں کے سامنے شرمندہ کر دے گی۔ شرمندگی اس درجہ کی تھی کہ وہ کسی کی طرف دیکھنے بھی نہیں لے ڈگ بھرتا ہوا ہسپتال سے باہر نکل آیا۔ بنا کچھ سوچے اس نے تیز قدم اٹھاتا نٹ پاتھ پر چلا چلا جا رہا تھا اس کا منہ جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور نہ ہی وہ یہ جانتا تھا کہ کہاں رہا ہے۔ منگور ڈرائی کلیئر کی بیٹھک میں

جہاں ساری سردیاں گرمیاں اس کا زیرہ ہوتا تھا یا اپنے گھر جہاں وہ اس وقت جانا تھا جب کوئی ضرورت ہوتی مگر آج اس گھر پر ٹالاک لیا تھا۔

خالی الذہنی سے چلے ہوئے آدھا گھنٹہ بیت گیا تھا۔ جب وہ ایک رہائشی علاقے میں داخل ہوا جہاں بڑی بڑی ٹوٹھیاں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ ایک گیٹ کے بالکل سامنے کچی کے دوسری جانب لگے پول کے نیچے قدرے اندر سے اس نے وہ آخر بیٹھ گیا۔ نگاہیں سامنے گھر کی پہلی منزل پر موجود ایک کمرے پر لگی تھیں۔

اگلا پورا گھنٹہ وہ وہیں بیٹھ کر سامنے والی کونجی میں موجود اس ایک کمرے کو دیکھتا رہا پھر اپنی جیب سے موبائل نکال کر پہلے لاک کھولا اور Inbox میں موجود نمبر پر ایک نیا پیغام بھیجا۔

”Waht are you doing love?“

”تم کیا کر رہی ہو؟“
 دوسرے ہی لمحے جواب آ گیا۔

”As usual getting ready for bed.“
 ”دعی سونے کی تیاری۔“ داؤد کی انگلیاں ایک دفعہ پھر تیزی سے حرکت میں آئیں۔

”تمہاری یہ عادت بڑی اچھی ہے۔ نام کی بڑی پابند ہو۔ مگر آج میں تم سے دیر تک بات کرنا چاہتا ہوں۔“ پیغام بھیجنے کے بعد اس کی نگاہوں نے پھر اسی کمرے کو فوکس کیا جس کی لائٹ بجھی ہوئی اور پرورے گئے ہوئے تھے۔

جلد ہی جواب بھی آ گیا۔

”کیوں آج کیا خاص بات ہے اور تمہیں بتایا تو ہوا ہے میری لیکن میرے ساتھ سوتی ہے اس کے سامنے بات نہیں کر سکتی جا کر امی کو بتا دے گی۔ میرے لیے مسئلہ ہو جائے گا۔“ موبائل کی روشن اسکرین پر ابھری عبارت پڑھتے ہی اس کی انگلیاں ایک لمحے کے لیے حرکت میں آئیں۔

مسئلہ کیا ہوتا ہے اچھی بات ہے ناں اگر تمہاری امی کو علم ہو جائے تاکہ میں رشتہ بھیج سکوں۔ کیوں کہ مجھے لگتا ہے کہ ہمیں شادی کر لینی چاہیے۔“ پیغام

بھیجتے ہوئے واؤ کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ کسی قسم کا کوئی جذبہ نہ تھا۔

”یا گل ہو گئے ہو کیا؟ دیکھو واؤ کو میری چلی بہت سخت ہے اور ویسے بھی میں ابھی پڑھ رہی ہوں اتنی جلدی شاوی کا کوئی پردہ گرام نہیں ہے۔ تم مجھے بتاؤ تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے ناں؟“

”کون سا وعدہ؟“

”تم بھول کیسے گئے ہو؟ یاد رکھنا اب تم بھولنا جاؤ نا تم مجھے ڈیزائن دینا اور وارے ہو۔ اچھا ابھی تمہیں مت کرنا میری لیکن کمرے میں آگئی ہے۔ کل بات کرتے ہیں۔“

”I love you daoud“ ساتھ میں Kiss کا لہجہ تھا۔

واؤ نے اپنی سپاٹ نظروں سے اسکرین کو بڑھا پھر فون کو واپس جیب میں رکھ دیا۔ ایک نظر کلائی پر بندھی گھڑی پر ڈالی۔ پونے بارہ کا ٹائم تھا۔ پورے سوا بارہ وہ اپنی جگہ سے اٹھا تو رخ سامنے کوشی کی جانب تھا۔ بڑی آسانی سے ایک ہی جست میں دونوں ہاتھوں کی مدد سے وہ دیوار کے اوپر تھا اور لمبے کی تانہ کے بغیر دوسری جانب کیاری میں کود گیا۔ اس کا ذہن جیسے ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر سارا پروگرام ترتیب دے چکا تھا۔ اس لیے وہ بغیر سوچے سمجھے عمل کر رہا تھا۔

”واؤ واؤ کرام دوسروں کو نظر انداز کرنا آیا ہے۔ دھوکا دینا کبھی بھی مشکل کام نہیں رہا مگر یہ کیسے ہو گیا کہ کوئی اسے نظر انداز کر کے اتنا بڑا دھوکا دے؟“ اگر وہ معصوم ہوئی تو جن رستوں سے آیا ہوں خاموشی سے انہی پہ پلٹ جاؤں گا اور جا کر پہلا گل اس کا کروں گا جس نے اس پر تہمت لگائی ہے اور اگر بارہ بجی ہوئی تو.....! اس کے آگے اندھیرا تھا۔

پائپ کی مدد سے بغیر کوئی آواز پیدا کیے وہ بالکونی تک آیا۔ اس کے پیروں کی ساری دھمک غائب ہو

چلی تھی۔ جیسے ہوا پر چل رہا ہو۔ وہ بے وقوف کبھی نہیں تھا۔ پھر بے وقوف بنا کیسے؟

بالکونی میں ٹھلنے والا دروازہ لاک تھا مگر کھڑکی کھلی تھی جس پر پردہ گرا ہوا تھا۔ کمرے میں ٹائٹ پلیٹ کی مدد سے روٹی پر دوں کے نیچے سے جھانک رہی تھی۔

کھڑکی کے آگے کان لگا کر اس نے سننے کی کوشش کی تھی۔ کمرے سے کوئی کوئی سڑک کی آواز آرہی تھی۔ مگر اسٹانس خارج گریٹ ہوئے اس نے کھڑکی کا پت پوری طرح کھولا اور اندر دیکھ کر دیکھا۔

دوسری طرف اس نے بیڈ پر ادھی لیٹی زویہ فون پر کسی کے ساتھ کھڑکی سے کھلنے کی آواز پر اس نے سر اٹھا دیا اور کھڑکی کی طرف دیکھا اور سامنے موجود شخص کو دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

مارے حیرت کے زبان ساتھ چھوڑ گئی۔ اسے فون چھوٹ کر بیڈ پر گر گیا اور وہ تیزی سے اسے اسے سے اتر گئی۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“ بڑی دھیمی سی سرگوشیاں لگتی تھیں۔ شاید وہ سرگوشیوں میں بولنے کی عادی ہو چکی تھی یا پھر ہمت ہی اتنی بچی گئی۔

واؤ نے آگے بڑھ کر مین سوئچ بورڈ کے کئی مین ایک ساتھ دبائے سارا کردروشنیوں سے نہا گیا۔

”کیا کر رہے ہو واؤ؟ تم یہاں کیسے میرے گھر کا میرے کمرے کا تمہیں کیسے علم ہوا؟“ وہ آنکھوں کی بڑھتی ہوئی سرخی اپنے اندر سمجھنے کے ابال اور زویہ کو اگور کرنا اسی خاموشی سے اس کے بیڈ کی جانب بڑھا اور زویہ کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گرنے والا فون اٹھا لیا۔

کال ابھی بھی جاری تھی۔ واؤ نے فون کان سے لگا۔

”ہیلو زوی! بول کیوں نہیں رہی ہو؟ کیا تم بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتی ہو جتنی میں تم سے کرتا ہوں؟“

”ایک اذیت کی لہر تھی جس نے داؤد کے وجود کو پکڑا تھا۔ پھر دوڑا۔“

”میرے بھائی بڑی غلط جگہ پر کنڈی کھٹکتا رہے۔ سچا سونا چاہتے ہو تو آج کے بعد یہ نمبر بھی مت ملانا۔“ ساتھ ہی فون بند کر دیا۔

”یہ کیا بکواس کی تم نے داؤد تمہاری جرات کیسے ہوئی۔“

”رات کے بارہ بجے اکیلا تمہارے کمرے میں تمہارے ساتھ موجود ہوں ابھی بھی تمہیں میری عزت پر فک ہے؟“ سلیقے سے سبج ہال جنہیں چیلنگ کرنا خاص ہنسنے لگا دیا گیا تھا جو اس کی وجاہت کو مزید نکھار رہا تھا۔

مگر اس خوبصورت صورت ہوائے فریڈ سے زویہ کو اس وقت بڑا خوف محسوس ہونے لگا۔

”داؤد! جس کا فون تم نے بند کیا ہے وہ میرا سنگیتر ہے۔“ وہ اس کے قریب آ کر کھینچ کر آواز میں لپکتی گئی۔

داؤد نے بڑے تحمل سے ہاتھ میں تھا فون بند کر کے طرف اچھالا اور اپنے بھاری ہاتھ سے ایک پھینٹ کر زویہ کے خوبصورت منہ پر جڑ دیا۔

”اگر وہ تمہارا سنگیتر ہے تو میں کون ہوں؟ بلڈی ٹائم پائس۔“

جواب میں وہ اپنے سرخ ہونے لگا ہاتھ رکھے ہوش میں ایک تک داؤد کی وحشت لگائی نظر آئی۔

”تم کیسے یہ سب میرے ساتھ کر سکتے ہو؟“

”وہ ہے کی آواز نہ ہم اور کاہتی ہوئی تھی۔“

مگر وہ جب بولا تو آواز مضبوط اور بلند تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح تم نے میرے ساتھ

ڈرامہ کیا۔“

”صرف تمہاری وجہ سے میں نے اپنی ماں کو مار دیا۔“ بات کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنی شرٹ کے پن کھول چاہتا تھا۔

”کیا کر رہے ہو داؤد پلیز یہاں سے چلے جاؤ۔“

”یہاں رہنے کے لیے تو میں آیا بھی نہیں ہوں مگر جو کرنے آیا ہوں وہ کیسے بغیر کیسے چلا جاؤں؟“

”کیا..... کیا مطلب ہے تمہارا؟“ داؤد کے قدم اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر وہ ہم کر دیوار کے ساتھ جا گئی۔ پن کھولنے کے بعد اس نے شرٹ کو کھینچ کر ٹراؤزر سے باہر نکالا۔

پہلے ہونے والے حملے سے ہی بے چاری کے حواس ابھی تک نارمل نہ ہوئے تھے کہ نہ کسی پیدائش ہونے والی صورت حال سے بچنے کے لیے کیا کرتی سوچ ہی مطلوب ہو گئی تھی۔

داؤد نے اس کے اڑے رنگ والے چہرے پر ایک حقارت بھری نظر ڈالی اور جھک کر جوتوں کے نیچے کھولے اور باری باری دونوں پاؤں جوتوں کے بعد جرابوں سے بھی آزاد کر دیے۔

زویہ اب باقاعدہ کانپ رہی تھی۔

”داؤد پلیز! وہاں سے چلے جاؤ پلیز۔“

داؤد نے زویہ کے چہرے کے قریب دونوں طرف دیوار پر اپنے ہاتھ ٹکا کر اپنا چہرہ اس کے بالکل قریب کیا۔

”زویہ یہ تم ایک رہ بے وقوف لڑکیاں ہوتی ہیں جو سارے خطرے بھلا کر جھوٹی محبت کے قریب میں جکڑی جا کر اپنا آپ لٹا کر آتی ہیں اور دوسری

تمہارے جیسی مکار جو ایک وقت میں کسی کو لگیوں پر نکالتی ہیں مگر آج کے بعد تم یا د رکھو گی کہ داؤد اکرام ہر

دن کسی سے بچنے کے لیے اب تمہیں ایک صبر چاہیے ہوگی۔ تمہارے علاوہ آج تک میں نے کسی لڑکی سے یہ نہیں بولا کہ میں اس سے محبت کرتا

ہوں۔“

”داؤد! مجھے معاف کر دو پلیز یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔“

”ہاتھ جوڑنا تو وہاں ہاؤس پر دوگی تب بھی معاف نہ کروں اور بے فکر ہو گئے تمہارے وجود سے اب اتنی بھی غرض نہیں رہی ہے کتنا ہی نفرت کا ہی نشانہ بنا سکتی۔“ جھکے سے سزا سنا رہی تھی راکھیا وہ فون اٹھایا جو کم از کم داؤد اکرام کے لیے بہت قیمتی تھا۔ اپنے دونوں جوتے ہاتھ میں پکڑے اور کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا۔

زوبیہ کو چہرے پر کھنکھاہٹ لگا۔

”یہاں سے کدھر جا رہے ہو۔ ادھر سے جاؤ جہر سے آئے ہو۔“

”چور نہیں ہوں جو چوروں کی طرح جاؤں۔“ وہ چپٹی گرا چکا تھا۔

”داؤد! میرے بھائی گھر پر ہیں خدا کے لیے یہ مست کرو۔“

”اپنے بھائیوں کی شرم تمہیں نہیں تھی تو میں کیوں سوچوں۔“

”داؤد! میں تمہارے پیر پڑتی ہوں دیکھو میری خالہ آئی ہوئی ہیں وہ میری ہونے والی ساس بھی ہیں۔“

”یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔“ وہ زوبیہ کو ایک طرف دھکیلتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس کے بعد جو جو بند دروازہ اس کے سامنے آیا وہ پوری قوت سے دھڑ دھڑاتا گیا۔

اظہاری کے بعد سبھی لوگ چپٹی نرم نیند میں تھے مگر اتنی ساری آوازیں ایک ساتھ سن کر سارے حواس باختہ سے کمروں سے باہر نکلے گئے۔

اور اپنے سامنے ایک اجنبی کو دیکھ کر پہلا خیال بھی آیا کہ چورا گئے ہیں۔ زوبیہ کے تین بھائی ایک بھابی ماں اور اس کی خالہ۔ شدید حیرت اور شاک

کے عالم میں اسے دیکھ رہے تھے۔ جس نے انہیں لاؤنج میں اکٹھا کیا اور پھر خود سکون سے جوسٹے پر بیٹھ کر جرائیں لور جوتے پہننے لگا۔ اس سارے عمل کے دوران زوبیہ اپنے کمرے کی دالیز پر گری بیٹھی تھی۔

سب سے پہلے نیند تھاپ بڑے بھائی کی بھانگی تھی۔ اس لیے انہوں نے آگے بڑھا کر اس کا گریبان تھام لیا۔

”لوئے کون ہو تم اور میرے کون سے بھائی ہو؟“

”بھئی جلدی ہوش آیا۔“ اس نے گھور کر دوسرے شخص کا اور ایک جھکتا مار کر اپنا گریبان چھڑوا دیا۔

”میں تو نہ جانتے تھی کہ تمہارا اور چاچا ہوں تم تو ہمیشہ کی طرح آج بھی اپنی بی بی کے پیلو میں پڑے ہوئے تھے میں نے ہی نہیں اٹھایا۔ تمہارے گھر کی دیواریں بڑی اونچی ہیں۔ آج کے لاکر جو میں بڑی آسانی سے اندر آ گیا ہوں جا کر کدو کی سارے دروازے اسی طرح بند ہیں اور ہمیشہ کی طرح اپنی مرضی سے نہیں آیا ہوں زوبیہ کے بے حد اسرار پر آیا ہوں۔ اب بس جا رہا تھا سوچا تم لوگوں سے بھی ملاقات ہو جائے۔“ وہ تیزی سے لے لے ڈگ بھرتا خارجی دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ وہاں موجود کوئی شخص اس کا راستہ نہ روک پایا۔

چھوٹے دونوں بھائی تھے ہی ابھی صرف تیرہ سال کے جڑواں، ماں تو صدے سے صونٹے پر ڈھسے تھیں۔ خالہ نے اسی وقت اپنے گھرنون کر کے بیٹے کو بلایا اور کہا کہ انہیں لے جائے۔ بیٹے کے آنے سے پہلے یہ وہ گھر سے نکل کر باہر گلی میں آگئی تھیں۔ ان کو اپنی بہن سے اس وقت رتی بھر ہمدردی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ بلکہ وہ پر یقین تھیں کہ ماں ضرور بی بی کے کرتوتوں سے واقف ہوگی اور

بھئی کی حسیہ پر تو وہ یہ سب کرتی رہی ہے۔

”اور میں نے ماں بیٹی چلیں تھیں میرے بیٹے کی زندگی برباد کرنے۔“ زہرہ جتنا بھی غصہ کرتی تھی کم تھا۔

چھوٹے درویشوں تو ماں کو دیکھنے لگے تھے۔ جو بے جاں ہوتی جا رہی تھیں اور بھائی بھانجی ہوتی اپنے شوہر کے پیچھے گئی تھیں جو زہرہ کے بالوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے جکڑے اسے گھسیٹتے ہوئے واپس کمرے میں لے گئے۔ زہرہ کی جینس باندے سے بلند ہوتی چلی گئیں۔ جو چیزیں بھی ہاتھ میں آئی تھی وہ اس کے ساتھ بڑی بے دردی سے اسے مارنا گیا۔

”بھائی زہرہ جھوٹ بول رہا تھا میں نے اسے نہیں بلوایا۔“ مگر اس کی سننے کے لیے ان کے پاس فرصت نہ تھی۔ بھائی اپنی پوری جان لٹا کر زہرہ کے بال اس کے بھائی کی گھسی سے آزاد کرانے کی کوشش میں خود بھی زہرہ چارنگے کھا گئی تھیں۔ مگر اس کا بھائی کسی صدمت میں بھی اسے آج زندہ چھوڑنے کو تیار نہ تھا۔

جب تک زہرہ کی سولہ گھنٹی ہوئی سیزرین جڑھ کر اس کے کمرے تک پہنچ گئیں۔ زہرہ کے آگے ہار گئی۔ اس کا بے جاں ہونا زہرہ کی صحت کیا ہے

وہ کارپٹ پر اتر گئی منہ گری گئی۔ چہرے پر کیا کچھ ٹھنڈا لکڑی سے تھے۔ ہونٹوں کے دائیں کنارے سے خون نکل رہا تھا۔ ہائیں آگے کے قریب بڑا سا گونڈ نظر آ رہا تھا۔ ان کے بالوں کا ایک بہت بڑا گچھا اس کے بھائی کی آنکھوں سے پھٹ کر فرش پر گر گیا تھا۔ اسی نے اس کی یہ حالت دیکھی تو سارا کچھ بھول کر کھڑی ہوئی آگے بڑھیں مگر سینے کے درمیان ٹکس ہی ہو کر دیا۔

”خبردار امی! اگر آپ اس حرافہ کے قریب نہ آئیں۔“

”بھین کے لیے کبھی زبان استعمال کر رہے ہو۔“ اس دفعہ وہ اتنی اڑھنی آواز میں گرجا کہ درد دیوار لرز اٹھے۔

”مت کہیں اسے میری بھین اور نہ اس کی لاش کو جیل کورس کے آگے پھینک دوں گا۔“ ساتھ ہی اس نے ایک زوردار جھڑپ کے پیٹ پر مارا۔

”مت مار۔“ اس کی ماں ردنی ہوئی اپنا سینہ چھتی ہوئی رہیں تھیں چلی گئیں۔ بھابھی زہرہ کی بھائی کو کھینچتی ہوئی باہر لے جانے کی کوشش میں تھیں مگر اس کا غصہ کم ہونے کی طرف ہی نہیں آ رہا تھا۔

”تم دونوں برابر کی قصور دار ہو۔ تم بھی اسی میری ماں تھی۔“ اب وہ بھابی سے مخاطب تھا۔

”کیا کہہ رہے ہیں آپ ہوش میں آئیں مسئلے ایسے حل نہیں ہوتے۔“

”میری عزت کا جنازہ نکل گیا ہے اور تم چاہتی ہو میں ہوش میں آؤں۔ میرا تو جی چاہ رہا ہے اس کے ساتھ ساتھ میں تم کو بھی مار دوں آخر کیسے گھر پر تباری موجودگی میں رہتے ہوئے یہ بے غیرت یہ سب کر گئی۔“ اپنے گلے کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے شوہر کے ہاتھ دیکھ کر بھائی کا رنگ فق پڑ گیا۔ کسی قیامت کی گھڑی نے سب کچھ فسخ کر دیا۔

☆.....☆

احکاف کے اجتام کو بھائی تھیں ان کپڑے کی جار دیواروں میں سب سے پیچھے والا کمرہ ان بزرگ کا تھا جن کے لیے اس وقت وہ چائے کا کپ لے کر جا رہا تھا۔ ان کو اس نے پچھلے سال بھی اتنی جگہ پر دیکھا تھا۔ آج ستائیسویں کی شب گزری تھی اور ابھی لوگ سحری کر رہے تھے وہ ہی تھوڑی دیر پہلے انہیں کھانا لے کر آیا تھا اور ابھی چائے لے کر جا رہا تھا۔ ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے وہ اپنا کھانا اپنے مخصوص کمرے میں ہی کھاتے تھے۔

ہوش کے باہر رک کر اس نے اجازت طلب کی اس کا نام پتلی چائے لایا ہوں۔“

”آج تو کئی باہر کیوں رک کر اتنی دفعہ پوچھتے ہو یہ صبر اور آجھا کر۔“

”آپ کو برائے لگے اس لیے پوچھ لیتا ہوں۔“
 ”اچھے بچے ہو، اب بیٹھ جاؤ میں چائے پی لوں
 تو کپ لے کر بی جاؤ۔“

”جی اچھا۔“ دروازے والے پروے کے
 قریب دو اکٹھا ہو کر بیٹھ گیا۔

باباجی چائے پینے لگے ساتھ ساتھ وہ جیسے اس کا
 جائزہ لے رہے تھے۔ ”دیکھو، کون سا کپیلے دن سے
 دیکھ رہے تھے کہ سادہ سے ٹیلے میں رکھنے والا
 جوان بڑی عمر کے بزرگ لوگوں کی خدمت آئے
 بڑھ بڑھ کر بڑے شوق سے کرتا تھا۔“

”تمہارا کیا نام ہے؟“ اس لڑکے نے چونک کر
 ان بزرگ کی طرف دیکھا۔ اسے یہاں ایک سال
 ہو گیا تھا مگر کسی کو اپنا نام نہیں بتایا۔

”عمر کیا ہے تمہاری؟“ پہلے سوال کا جواب نہ
 پا کر انہوں نے برائے بغیر اگلا سوال کر دیا۔
 ”اٹھائیس سال۔“

”کہاں کے رہنے والے ہو یہاں لاہور کے؟“
 ”نہیں گوجرانوالہ کا رہنے والا ہوں۔“

”گوجرانوالہ میں کہاں کے رہا کرتے ہو؟“
 ”پرانی پینیل کالونی کا۔“
 ”کرتے کیا ہو؟“

”یہاں ایک ٹھیکیدار کے پاس مزدوری کرتا
 ہوں۔“

اب وہ بزرگ حیران ہوئے تھے۔
 ”بڑھے کتنا ہوئے ہو؟“

”ایف اے پاس ہوں۔“
 ”تو ابھی مزدوری کیوں تم کر رہے ہو ایف اے
 پاس کو تو گوجرانوالہ میں ہی کوئی مناسب کام مل سکتا
 تھا یہاں لاہور ڈیرہ ڈالنے کی ضرورت کیوں
 پڑی۔“

اس دفعہ پھر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ نظریں
 جھکا کر فرش کا ڈیرہ اٹک دیا۔

”تمہارے گھر میں کون کون ہے؟“ اس سوال
 پر اس کے چہرے کے تاثرات میں واضح تبدیلی آئی
 تھی۔ بے چینی اور اذیت۔

جب وہ بولا تو آواز کا نتیجہ ہوئی ہی تھی۔
 ”پہلے کوئی ہوتا تھا اب کوئی نہیں ہے۔“

”شادی شدہ ہو؟“
 ”نہیں۔“ نفی میں سر ہلایا۔
 ”ماں باپ؟“

اب کی بار زبان خاموش رہی اس نے کچھ
 اختیار ہو کر پانی بوندوں کی ضرورت پینے لگا۔
 ”کون بھائی؟“ وہ ابھی بھی رو رہا تھا۔

”ایک بہن ہے۔“
 ”کتنی بھائی؟“ اس سوال پر پھر اس نے سر نفی
 میں ہلایا۔

”تو وہ کس کے پاس رہتی ہے؟“
 ”ابو کے ساتھ۔“

”تم ان لوگوں کے ساتھ کیوں نہیں رہتے
 لاہور کیوں رہتے ہو؟“ وہ جیسے آج اس کی
 والے کے روگ کی تشخیص کرنے نکلے تھے۔

”کیونکہ ان کا گناہ گار ہوں۔“

باباجی نے خالی چائے کی پیالی سائیڈ پر رکھی اور
 ٹشو کے ڈبے میں سے دو تین ٹشو نکال کر اس کی طرف
 بڑھائے۔ جسے اس نے خاموشی سے تمام لیا۔

اس دفعہ انہوں نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ پر وہ خود
 ہی کسی نامعلوم طاقت کے تحت بولنا چلا گیا۔ جب
 دل کا سارا درد داخل چکا تو خاموش ہو گیا۔ باباجی اس

دوران اسے بہت غور سے دیکھتے اور سنتے رہے
 تھے۔

”کیا اسی لیے عمر رسیدہ لوگوں کی خدمت کرتے
 ہو؟“

”ہاں جی۔ جب تک وہ تمہیں مجھے ان کی
 ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی اب جب نہیں ہیں تو

بھائی کے خط کا انتظار بڑی بے چینی سے کیا جا رہا ہے۔ "ماڑہ کے ہاتھوں سے پلٹ چھوٹے چھوٹے پکی جھی۔ آخر ہانے ایسے کیوں کیا۔"

"ڈرتے ڈرتے پلٹ کر ان کی جانب دیکھا۔ جو آنکھوں میں نمی لیے دروازے پر ہی کھڑے تھے۔"

"تم کیا سمجھتی ہو کہ میں حقیقت سے ناواقف ہوں۔ وہ دعویٰ وغیرہ کہیں نہیں گیا ہوا اور اس کا تمہارے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہے۔ تمہاری اماں کی الماری میں سے خاک کی لٹانے لٹے تھے۔" ماڑہ کی آنکھوں سے بے اختیار پانی بہ نکلا تھا۔

"صاف کرویں ابابا یہ میری وجہ سے ہوا ہے مگر میں کیا کرتی امی کی حالت نے میری ہمت توڑ دی تھی مگر یقین مائیں میں نے ایسا نہیں چاہا تھا کہ وہ یوں غائب ہو جائے۔"

ابابا بڑھ آئے اور اس کا سر تھک کر اپنے ساتھ لگایا۔

"میں جانتا ہوں بیٹی! میں تمہیں الزام تو نہیں دے رہا ہوں۔" اس طرف آتی جوتوں کی مخصوص چاپ سن کر وہ جلدی سے سنبھلے۔

"بلو جلدی سے آنکھیں صاف کر لو وہ نماز پڑھ کر آ رہی ہے۔"

ماڑہ نے میکانگی انداز میں آنکھیں اور چہرہ صاف کیا۔

"چلو آؤنی وی آن کر دو دیکھیں مفتی فیب الرحمن صاحب عید کے بارے میں کیا اعلان کرتے ہیں۔"

پھر چائے بنا کر "جی اچھا چلیں۔"

اما کے ساتھ ہی مکن سے نکل کر بڑے کمرے میں آئی۔ بی بی وی آن کر کے نوز چیمبل پر لگایا اور خود ایک

بڑا چھوٹا کمرہ آئی۔ جہاں پہلے سے ہی چولہے پر چائے رکھی جا رہی تھی۔

ماڑہ دیکھ کر ایک دفعہ ہنر مندہ ہوئی۔

برچے میں ان کو ڈھونڈتا ہوں مگر وہ نظر نہیں آتی ہیں اور میری سب سے بڑی تکلیف یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میری وجہ سے ہاری ہے۔"

"چلو جانے والی تو چلی گئی ہیں۔ جو بیچے رہ گئے ہیں انہیں بیوں گنوار ہے ہوا۔"

"ان کا سامنا کرنے کی میرے میں ہمت نہیں ہے۔"

"تو ہمت پیدا کرو ناں وہ کوئی غیر تھوڑی ہیں۔"

نہارا اباب اور تمہاری بہن سب سے زیادہ تمہارے حق دار ہیں۔ یہاں جو اسے لوگوں کا خیال کرتے ہو یہ ذہول نہیں ہوگا جب تک کہ اصل حق دار کو اس کا حق

دیا جائے۔"

نہارا اباب کے پاس وقت سے تمہارا اباب زندہ ہے۔ جاؤ انہی غلطیوں کی معافی مانگ کر اسے منا لو اور خدا بخواتمہ وہ سب کچھ کما کر دے گا؟"

زبان سے کچھ بھی بولے بغیر وہ اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلاتا گیا۔

.....

"تمہاری نماز کے بعد دعائیں دن بھر پڑھو۔"

زبان سے کچھ بھی نہیں ہوتی جا رہی ہیں۔ "ماڑہ جو چاہے نماز پڑھ کر رہی تھی چونکہ کرسوال کرنے والے کو

دیکھا۔

"سب کچھ پڑھو۔" اور جو مجھ سے یہ سوال کر کے زخموں پر تک نہیں کھانا کھالیا؟"

"ہاں میں نے تو کھالیا تمہاری کھالوت تک میں نماز پڑھ لوں۔" اس نے ماڑہ کے ہاتھ پر دست چائے

نہارے کر بچھائی اور نماز کی نیت باعدہ۔

ماڑہ نے ایک نرم مہربان سی نظر اس پر ڈالی اور کہا "کھانا کھا کر اپنے برتن سمیٹ رہی تھی جب ابابا بارہنہ خانے کے دروازے پر آ کر۔"

"خاری! اس واقعہ دو سینیے گزار گئے ہیں۔ تمہارے

”رہنے دیتی ناں میں خود بنا لیتی ہر کام مناف سے کر دیتی ہیں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔“

”میں تم پر کوئی احسان نہیں کرتی ہوں میں جب فارغ پڑھتی ہوں ناں تو داغ گھونٹنے لگتا ہے بس اس سے بچنے کے لیے خود کو مصروف رکھتی ہوں تم برا نہ منایا کرو۔“

چائے پھولوں میں ڈال کر پڑے مازہ کی طرف بڑھائی۔

مازہ نے ایک کپ ابا کو دیا اور دوسرا احکاماف والے پردے کی دوسری طرف بڑھا دیا۔

خود آکر بڑے کمرے میں بیٹھے دونوں کے ساتھ بیٹھے۔

اب سبھی لوگ بس مفتی صاحب کے منتظر تھے۔

انظار آخر کار ختم ہوا۔ عید کا اعلان اور باہر دروازے پر گھنٹی ایک ساتھ بجے تھے۔

”لگتا ہے ماسوں لوگ آگئے ہیں۔“

”جاؤ ہم دروازہ کھولو میں دوسرے انتظام دیکھتی ہوں۔“ احکاماف سے اٹھنے والوں کے لیے پھولوں کے ہار اور نئے کپڑے پہلے سے تیار تھے۔

مازہ اثبات میں سر ہلاتی باہر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ پوچھے بغیر دروازہ کھولا مگر سامنے کھڑے شخص کو کچھ گمراہ سے بے ساختہ جھجک لگتی۔

”بھائی تم.....!“ دوسرے لمحے وہ بھاگتی ہوئی اس کے سینے سے لگی رو رہی تھی۔

”تم نے ہمیشہ میرے ساتھ برا کیا ہے۔ جانتے ہو اس عرصے میں تمہاری وجہ سے مجھے کیا کیا جھوٹ بولنے پڑے ہیں۔“

”ابو جی..... جلدی آئیں بھائی آ گیا ہے۔“

اکرام صاحب کو اپنی ساعت پر یقین نہیں آیا تھا۔ کانپتی ہوئی ٹانگوں سے وہ کمرے سے باہر آئے تھے۔ جب کہ ایک من ہوتا وجود وہیں بیٹھا رہ گیا تھا۔ جیسا بھی تھا لائق یا کٹھن پراتے جاتے رستوں

میں یا دوسرے تیسرے دن مگر آکر اپنی صورت تو دیکھا جاتا تھا ناں مگر پچھلے ایک سال سے تو وہ اس کی صورت دیکھنے کو بھی ترس گئے تھے۔ کمرے سے باہر تو آگئے مگر آگے بڑھ کر اسے گلے لگانے سے جھجک گئے۔ داؤد اکرام کی شخصیت ہی ایسی رہی تھی مگر یہ کیا؟ اپنے سامنے وہ کسے دیکھ رہے تھے۔ نہ

خوشبو میں لٹا نا نیا لباس نہ چھمچاتے جوتے نہ سلینے بنے ہال، نہ فخر سے اٹھی مابک نہ آنکھوں میں بیگانگی کچھ بھی تو نہ تھا۔ خاکی رنگ کا گھٹا سا ستارہ زرد رنگی سی ٹیلی شرٹ جس کے کٹ فولڈ کیے ہوئے تھے۔

پیرس میں جگرز کندھے پر بیک آنکھوں میں چھوٹے چھوٹے شیشے پر حد سے زباؤں زریں۔ چھوٹے چھوٹے بالوں پر فنی کٹ اسٹائل میں لیے ہوئے تھے۔ روتھنڈا ستارہ اس کے گھر آنے کے لیے کیا تھا۔ شیو کر: ہا کر بال کٹا ہے تھیں اور جس ول اور

ہمت سے کام لے کر اس نے دروازے کی گھنٹی بجائی تھی وہی جانتا تھا۔

ابانے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ لیے تھے۔

”آگے بڑھ آؤ یا رو کیا وہیں دروازے کے پاس کھڑے ہوئے ہو۔“

”کبھی لوٹ آئیں تو پوچھا نہ تھا دیکھا نہیں غور سے جنہیں رستے میں خبر ہوئی کہ یہ راستہ کوئی اور ہے۔“

ابانے بھی کچھ نہ کہا کچھ نہ پوچھا اس آگے بڑھ کر اسے تمام لیا کیوں کہ اس کی غیر حاضری اور اس کے بعد اب سامنے نظر آنے والی حالت صاف بتا رہی تھی کہ یہ وہ والا داؤد اکرام نہیں جسے وہ جانتے تھے پھر کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی کہاں پہنچتی تھی۔

وہ باب کی بانہوں میں بالکل بچہ بن کر کھڑا تھا اور انہوں نے بھر پور شفقت سے اسے سمیٹ لیا تھا۔

معافی طلبی تک بات جانے ہی نہیں دی بڑے سلینے سے سب گول کرتے ہوئے مازہ سے بولے۔

”مازہ جاؤ جلدی سے بھائی کو کپڑے نکالو۔“

رواۃ انجمن

کردو۔ باہر تم بھی نہا لو تمہاری ماں تو بیٹے کو پاکستان میں رہنے کے دوران اتنی شان سے پہننے اور سنے دیکھتی تھی اب تو اس کا جینا وہی سے آیا ہے۔ سو سوال کرے گا۔

سب سے ملتے ہوئے وہ متلاشی مفکروں سے اردگرد دیکھتی رہی ہمیں اور آخر پوچھ ہی لیا۔

”ماڑہ بھی میری بیٹی گدھر ہے؟“

”آ..... آپ کی بیٹی صاحبہ اندر اپنے کمرے میں چھپ کر بیٹھی ہیں۔ ہزار دفعہ کہا ہے باہر آئیں مگر سن ہی نہیں رہی ہیں۔“

”کیا مطلب ہے آپ کا کیا ای زمرہ ہیں؟“

”تو بھلا اسے کیا ہونا ہے اچھی بھلی ہے۔ اعجاز میں بیٹھی ہوئی ہے۔ تمہارے ماموں وغیرہ بھی آتے ہوں گے عید ہے تم جلدی سے کپڑے بدل لو۔ پھر تمہاری ماں کو اعجاز سے اٹھاتے ہیں۔“

”ارے دادو بھائی کو دیکھ کر ہم اپنی بھائی کو تو بھول ہی گئے۔ سو سو رہی بھائی۔“ ماموں کی بیٹی ملائکہ خود کو ملامت کرتی اندر کی طرف گئی۔

”اب اندر چھپ کر بیٹھنے کا ٹائم نہیں ہے آپ کے میاں صاحب آگئے ہیں زبردستی ٹرے میں بیٹھی ہے آپ کی طرف سے۔“ ماڑہ نے سب کے منگراتے چیزوں کی طرف دیکھا اور پھر ماڑہ کو جس کے چہرے پر داغ انجمن رقم تھی۔ وہ سبیل انگریزوں سے بھی ماڑہ اور اسی ابا کے چہروں کو دیکھ رہا تھا مگر اصل شاک ملائکہ کے ساتھ بلا سے کمرے میں قدم رکھتی لڑکی کو دیکھ کر لگا تھا۔

دادو جو محسوس کر رہا تھا لفظوں میں بیان کرنے سے صاف تھا مگر اتنا جانتا تھا کہ وہ اپنے رب کا بہت شکر گزار ہے۔ یہ احسان بھی زندگی بھر نہیں چکا سکتا تھا کہ اس کی ماں لڑکی تھی۔ جس کو کھونے کا سوچ کر وہ بہت روایا تھا۔ سب سے زیادہ تڑپ کر دعائیں مانگتی تھیں۔

ماڑہ نے دل میں سوچا کہ جب میں جاؤں گی عید ہوگی ہے۔ خوشی اور جوش سے سرخ لڑنے چاہئے مجھے ساتھ جا کر اس نے دادو کے لیے سفیریاں نکالیں شہدہ شہنواز سوٹ نکال دیا۔ جب تک وہ کپڑے بدلنے لگی ماموں وغیرہ بھی آگئے تھے۔

اس کے سر پر چھت گرتی تو تب بھی وہ اتنا بے یقین نہ ہوتا۔ بتنا بے یقین اپنے سامنے زوبیہ کو دیکھ کر ہوا تھا۔ اماں داری صدقے جانے والے انداز میں اس لڑکی کا منہ مچھوم رہی تھیں اور دادو اکرام کا دل کسی گہری کھائی میں گرنا چاہ رہا تھا۔ اس کا ذہن تھوڑی دیر پہلے ملائکہ کے بولے گئے الفاظ کو دہرانے سے انکاری ہو رہا تھا۔

دادو کی ہر جگہ کی سبھی کے لیے بڑا سر پرانز ثابت ہوئی تھی۔ یہ بڑا کامیاب لڑکھو، تہمتوں اور سفارشی کھاتے کھاتے ماں بھی اعجاز سے اٹھ گئیں۔

اماں کے پاس صوفے پر ایک طرف وہ بیٹھا ہوا تھا اور دوسری طرف جگہ بنا کر اماں نے زوبیہ کو بیٹھایا تھا۔ جس کا رنگ فق ہوتا جا رہا تھا۔ پھر مہمانوں کی موجودگی کا خیال کر کے وہ ماڑہ کے ساتھ باہر چلی جانے کی طرف بلا گئی۔

آج اس چار دیواری میں فصلی خوشیاں آئی تھیں۔

دادو بار بار اماں کا چہرہ مچھوم رہا تھا لڑکی نے اس کی باتوں میں بھر کر خود کو ان کی موجودگی کا یقین دلوانا رہا۔

☆.....☆
عید ہو جانے کے امکان کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں نے کپڑے سے ہی رس ملائی اور وہی بھلے بنا کر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

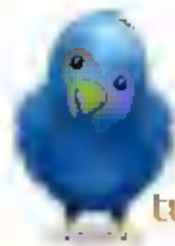
WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

فرنگ میں رکھ دئے تھے ابھی وہی نکال کر سب کو دیکھنے
 ساتھ میں گولڈ ڈنٹس۔ اس سارے وقت میں زوبیر
 نے ملائکہ وغیرہ کو کچھ محسوس نہیں ہونے دیا۔ ان کے
 مذاق اور چھیڑ چھاڑ کو مسکرا کر منظور کرتی گئی اور خود کو
 باور پنا خانے میں بلا وہ مہزوف شو کیا۔ دودھ پیلے
 سے اہلا ہوا تھا۔ اس نے دوبارہ امان دیا۔
 وہ لب بھینچے سنجیدگی سے ماں کے بڑا بڑا بھارتا رہا۔
 اس نے کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں لی ہاتھوں کے
 سوالوں کے جواب میں بھی ہنس ہنس ہاں کرتا رہا۔
 جونہی مہمان گئے اس نے سوالیہ نظروں سے اماں کی
 طرف دیکھا۔

اس وقت ابا اور ماما بھی ابھری۔ وجہ تہ اور
 جس کے متعلق وہ چاہتا پابنا تھا۔ وہ اپنے زوبیر
 دئے دل کو سنبھالتی ہوئی دے پاؤں سمیت پوچھتی
 تھی۔ کبھی کبھی ہوتا ہے ماں ایسا کہ ہم اپنی مدد بھول
 جاتے ہیں اور اپنی مرضی کے اصول و قانون بنا کر
 جینا چاہتے ہیں اور پھر کھوکھلی ہے تو دوبارہ کبھی بھی
 اپنے ہی ردوں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہتے۔
 اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ پیلے ہی مرحلے
 پر ایسی چوٹ کھائی گئی کہ اب زندگی سے ہی ڈر گئے
 لگا تھا۔

”پلیز امی! آپ مجھے بتائیں گی کہ یہ لڑکی
 میرے گھر میں کیا کر رہی ہے اور وہ ملائکہ اور اس
 کے بہن بھائی اسے بھابی کس کے حوالے سے بول
 رہے تھے؟“
 ”میری جان جب تمہارے گھر میں ہے تو
 تمہارے حوالے سے ہی بھائی بولتے ہیں۔“
 ”اس سے پہلے کہ میں ناگل ہو جاؤں آپ بتا
 دیں کہ یہ یہاں کیسے آئی کیا بلواس کی ہے اس نے
 آپ لوگوں سے۔“
 ”وہ بے چاری کیا کہہ سکتی تھی دادو تمہارے

یاس غصہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جونم نے اس
 کے ساتھ کیا وہ ظلم تھا۔ تمہیں دیر نہیں کرنا چاہیے
 تھا۔“

”عجیب باتیں کر رہی ہیں آپ امی۔ اپنی عزت
 ماننا تھا میں اسے اور اس نے میری غیرت کے منہ پر
 طمانچہ مارا تھا۔ مجھے اگر علم بھی ہوتا کہ اس کا بھائی
 اسے زندہ چھوڑ دے گا تو اس رات اسے اس کو اپنے
 ہاتھوں سے مار کر وہاں سے نکالتا۔“
 ”تمہاری غیرت پر طمانچہ تو کبھی نہیں لگتا۔“
 ”تمہارے نکاح میں دتے ہوئے کسی اور کی بیٹی
 تھی۔“

اماں کی سفائیاں دینا بند کر دیا وہ
 تینوں کے متعلق وہ چاہتا پابنا تھا۔ وہ اپنے زوبیر
 دئے دل کو سنبھالتی ہوئی دے پاؤں سمیت پوچھتی
 تھی۔ کبھی کبھی ہوتا ہے ماں ایسا کہ ہم اپنی مدد بھول
 جاتے ہیں اور اپنی مرضی کے اصول و قانون بنا کر
 جینا چاہتے ہیں اور پھر کھوکھلی ہے تو دوبارہ کبھی بھی
 اپنے ہی ردوں پر کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہتے۔
 اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ پیلے ہی مرحلے
 پر ایسی چوٹ کھائی گئی کہ اب زندگی سے ہی ڈر گئے
 لگا تھا۔

”میں زوبیر کو اپنی بیٹی بنا کر اپنے ساتھ اس
 چھت تلے لایا تھا۔ جب وہ بے گھر اور بے آسرا
 کھڑی تھی اور وہ بھی صرف میرے بیٹے کی وجہ سے
 اس رات اگر اس کے بھائی نے اسے مارا نہیں تھا تو
 جینے کا حق بھی چھین لیا تھا۔ میرے اللہ کا حکم ہے کہ
 اگر کسی کا عیب دکھو تو اس کو اچھالتے کے بجائے اس
 پر پردہ ڈال دو تا کہ اللہ تمہارے عیبوں پر پردہ ڈال
 دے۔“

اگر زوبیر کی بھائی اپنے باپ کو ادھر باکر زوبیر کو
 اس کے ساتھ نہ بھیج دیتی تو زوبیر مر ہی چکی تھی۔
 یہ وقت ملنے والی میڈیکل امداد نے اس کی تکلیف
 میں کمی کی تھی۔ دو ہفتے اسپتال میں رہی مگر اس کے

گھر سے کوئی دیکھنے نہیں آیا۔ کیوں کہ بھائی نے ماں کو دھکی دی تھی کہ اگر وہ زوبیہ کو دیکھنے لگی تو وہ ماں اور دونوں چھوٹے بھائیوں کو بھی گھر سے نکال دے گا اور زوبیہ بھی اگر بچ گئی ہے تو اس دفعہ مار کر ہی دم لے گا۔ ماں بے چاری سارے صدمے برداشت نہیں کر پائی پہلے بیٹی پر اتنی ہوی تہمت لگنا پھر اسے نیم مردہ حالت میں دیکھنا۔ سارے خاندان کا تھو تھو کرنا اور آخر میں بیٹے کا بولنا۔ بھائی نے چارے کو ہارٹ ایک ہوا اور زندگی ہارٹی۔ بھائی کے زوبیہ کو آخری دفعہ منہ دیکھنے بھی نہیں دیا۔

وہ تو ہمیں فون آیا تھا۔ تمہارے دوست کے شو پر کوئی صاحب تھے جو مجھ سے اور تمہاری ماں سے بات کرنا چاہتے تھے۔ ہم دونوں گئے فون سنتے ہی انہوں نے اسپتال کا پتا بتا کر وہاں پایا اور ہمیں ساری بات بتادی۔ فون کرنے والا زوبیہ کی بھالی کا والد تھا۔ اس بچی کی جو حالت میں نے دیکھی تھی میں نے اسی وقت اپنے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں مرتے دم تک اس بچی کی کفالت کروں گا۔

تمہاری ماں نے جذبات میں آکر ساری برادری رشتے داروں میں زوبیہ کو تمہاری بیوی کی حیثیت سے حعارف کر دیا ہوا ہے۔ میں نے اسے سمجھایا بھی تھا مگر خیر۔ اب یا تو تم تھوڑا طرف دکھاؤ اپنی غلطی مانو اور اپنے بوڑھے ماں باپ کے منہ سے کئی بات کی عزت دکھ لو نہیں تو میں تم پر تو اس گھر کے دروازے بند کر سکتا ہوں۔ زوبیہ پر نہیں یہ اس کا گھر ہے اور یہاں وہ پوری عزت کے ساتھ رہے گی۔ تم جہاں جی چاہے جا سکتے ہو۔" ابا نے دادا کو کرام کے غبارے کی ساری ہوا ایک جھٹکے سے ہی نکالی اور سکون سے ہاتھ جھارتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

مازہ کو یہ سب دیکھ کر بڑا مزہ آرہا تھا۔ ابا بول رہے تھے اور زندگی میں پہلی مرتبہ وہ صرف سن رہا

تھا۔ دادا نے سر اٹھا کر مازہ کی طرف دیکھا جو کھٹکھٹلا کر ہنسی چلی گئی۔ دادا نے کھن اٹھا کر اس کا نشانہ لیا۔

"بند کرو اپنے دانت۔"
"یہ تو اب کبھی بھی بند نہیں ہوں گے جناب اور آپ بھی جلدی سے انھیں مجھے اور بھائی کو چیر لیاں دلوا لیں۔"

"کہیں نہیں لے کر جاؤں گی۔ یہی آئی بھالی والی۔" مازہ کے بلند ہوتے ہوئے فونوں پر وہاں کی دھکی معنی خیز مسکراہٹ نے دادا کو بھی مسکرائے۔

کبھی کہاں؟" اس نے کان کھجاتے ہوئے لاپرواہ انداز میں کہا۔

"اب زوبیہ کیسے پالنے کے نچے۔ میں بتا سکتی ہوں کہ وہ اس ہنٹ لبیل پر بیٹھ کر تیرے بیمار ہی ہوں گی اگر آپ وعدہ کرتے ہیں۔" وہاں ابا نے کہا۔
"تمہیں تو ہرگز نہیں ملیں گی چھوڑو ان کو۔ اس سارے فساد کی جڑ ہی تم ہو۔ تم نہ بتاؤ کہ اس شخص نے ڈھونڈ لیتا ہوں۔"

پہلے ابا کے کہنے پر ان کے ساتھ جا کر عشاء کی تیار پڑھ کر آیا۔ پہلی جماعت نکل گئی تھی۔

ابجی پر اس نے خاموشی سے اسے سارے گھر میں ڈھونڈا مگر وہ کہیں نظر نہ آئی۔ مازہ کپڑے استری کرتے ہوئے مسلسل اسے چھیڑ رہی تھی۔

"بغیر مدد کے نہیں ڈھونڈ پائیں گے ان کے ٹھکانے کو صرف میں ہی جانتی ہوں ماں لیس پار۔"

وہ آخر میں چھت پر آیا۔ ساری چھت دکھ لی مگر بے کار وہیں ریلنگ پر جھک کر کھن میں دیکھا رہا پھر گٹھڑی کی سڑھی نظر آئی۔ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر دونوں بازو ٹانگوں کے گرد لپیٹے ان پر سر جھکانے لگی۔

غلامی نہ تم مجھے معاف کر دو۔“ اس نے داؤد کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

”تمہارے ماں باپ نے مجھے اس وقت سہارا دیا تھا۔ جب میرے اپنے مجھے چھوڑ کر تھارت سے منہ موڑ کر چلے گئے تھے۔ داؤد میں نے اللہ سے بہت معافی مانگی ہے۔ تمہارے ابا کہتے ہیں جب کوئی انسان شرمندہ ہو کر اپنی غلطیوں کی معافی مانگتا ہے تو اللہ اسے معاف کر دیتے ہیں۔ کیا تم مجھے معاف کر سکتے ہو۔ ساری حقیقت جاننے کے بعد؟“

داؤد کو حقیقت قبول کرنی ہی تھی کیوں کہ یہ اس کے ماں باپ کی خواہش تھی اور یہ لڑکی جیسی بھی تھی اب بدل گئی تھی اور گھر سے بے گھر بھی اسی کی جیب سے ہوتی تھی۔ اس لیے داؤد نے نرمی سے اس کے آگے صاف کر دیے۔ ”یہ معافی کے لیے بندہ تھوڑا کھلے ہوئے۔“

”چلو اگھے قدم اٹھاتے ہیں نئی منزل کی طرف نیک نیتی کے سانچے اور ایمانگاری کے ساتھ۔“ مازہ نے آکر شور مچایا تھا۔

”ساڑھے بارہ ہو گئے ہیں اور اگر مارکیٹ بند ہوئی تو آپ کی خیر نہیں ہے۔ صبح عید والے دن میری بھابی کے ہاتھ میں چوڑیاں ضرور ہونی چاہیے۔ یہ ماں کے بعد میرا بھی حکم ہے اور ماں کو کہہ رہی ہیں صبح مسجد میں آپ و دونوں کا نکاح ہونا ہے۔ کیوں کہ سب لوگ سچے سمجھتے ہیں کہ نکاح ہو چکا ہے تو اب اصل میں ہوگا۔“

مازہ بولتی جا رہی تھی اور خوشیاں دلوں پر دستک دے رہی تھیں اور کون بے وقوف ہوگا جو آگے بڑھ کر دیکھے اور اواز نہ کھولے۔

☆.....☆

”دیکھو ماں کہتی ہیں کہ رات کے وقت اس طرح دوپٹوں کے ساتھ چٹ کر نہیں بیٹھتے کئی چادر ہوتے ہیں پھپھکیاں وغیرہ۔“

”جو وہیں ہلکی سی جنبش ہوئی تھی مگر سر نہیں اٹھایا۔“

”تمہیں کس نے کہا ہے کہ اونچائی پر اللہ قریب ہوتا ہے۔“ اب وہ اس کے بالکل برابر بیٹھ گیا تھا۔

”خوڑی ویر یونی خاموشی چھائی کر رہی۔“

”اگر تم مجھ سے جھوٹ بولے بغیر کنارہ کش ہو جائیں تو مجھے بالکل برا لگتا مگر جو رویہ تم نے رکھا ہوا تھا وہ میری تو ذہن تھی اور مجھے یہ خیال ہی پاگل کر دینے کے لیے کافی تھا کہ میں ایک لڑکی کے ہاتھوں بے وقوف بنا ہوں۔ اس کے باوجود بھی میں انتہائی شرمندہ ہوں کہ تمہیں یہ ساری تکلیف اٹھانی پڑی۔“

”اس طور پر تمہاری والدہ کی وفات کا سن کر مجھے وہی احساس ہوا ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں کسی بھی صورت میں اس شخص کی ستانی نہیں کر سکتا۔“

”میرے بھی یہی کہوں گا کہ مجھے یہاں کہہ دینا کہ میں وہی نہیں کرتا مگر اپنی پوری کوشش کروں گا کہ تمہارا یہاں کو تم سے ملوا دوں۔“ اس نے سر ہلکے سے

”وہ بے کار زنا ہوا تھا اپنے مضبوط ہاتھ سے تھام لیا۔“

”وہ بھی ہانسی بھی رو رہی تھی۔“

”ابو! مجھے معاف کر سکتی ہو؟“ کافی دیر بعد

”نہیں معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

”خاطی تمہاری نہیں بلکہ میں غلطی کر چکی۔ میں نے بھی ان چیزوں کو سنجیدگی سے سوچا ہی نہ کہ خدا اور حقیقت یہ ہے کہ میں نے سوچا تھا کہ داؤد خوب سوچتا ہے۔ وہ اپنی اسی سے رکھتی ہے مگر میری حال کا بیٹا تمہارا ہے۔“

”مقابلے میں مالی طور پر بہت مضبوط تھا۔ اس لیے شہزادہ اس سے کرنا چاہی مگر میں ہانتی ہوں داؤد میں

دروازہ برائے انسانیت

قلعین کے دھاوا بولنے والے "افشاں نے
دروازے کی طرف نہیں دیکھے بلکہ انہوں نے
ساتھ جاتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے یہ کچھ ہیچ دروازہ پر کون
آگیا؟ ارے بھائی میری اتنی زور سے دھکوازہ بجا
رہے ہیں جیسے خدا نخواستہ اسرائیلی فوجوں نے



”ارے کیا اول فول تک رہی ہو، صبح صبح کے وقت بد فال نکال رہی ہے یہ لڑکی بھی ماں ہیں۔۔۔! کبھی نہیں سدھرے گی۔“ اماں بی نے مرغیوں کو داند ڈالتے ہوئے افشاں کی بھی کلاس لی جس پر افشاں کسمسا کر رہ گئی اور جلدی سے دروازہ کھولا سامنے پوسٹ مین کھڑا تھا۔

”پاجی ایہ لیس آپ کی رجسٹری۔ جلدی کریں اتنی پچھلائی دھوپ میں کب سے کھڑا ہوں۔“ پوسٹ مین نے افشاں سے دستخط کرواتے ہوئے کہا۔

”ارے بے بھی ذرا صبر کے ساتھ۔ تم تو ہماری

شاہمارا کیسپر لیس سے بھی زیادہ تیزی دکھا رہے ہو۔“ افشاں کو اپنی مثال پر خود ہی ہنسی آگئی۔ اس نے ڈاکیر سے رجسٹری وصول کر کے اسے رخصت کیا اور بے چینی سے نفاذ چاک کیا۔ تو اس کے اندر سے جگمگا تا سلو وکریکا دعوت نامہ نکلا۔

”اوہ! زبردست یہ..... یہ میرے لیے آیا ہے۔ اماں بی..... اماں بی۔“ افشاں نے خوشی سے چیختے ہوئے آواز لگائی۔

”ارے صبر، بی بی اتنی اتاد لی کیوں ہو رہی ہو؟ کیا ہو گیا ہے؟ کیا او باہر نے شرف ملاقات بخش دی ہے یا پاکستان کا قرضہ معاف کر دیا ہے۔“



اماں بی نے اپنا چشمہ ناک پر ڈھرتے ہوئے ہاتھوں کی اوک سے افشاں کو دیکھا جو خوشی سے دکتے سرخ چہرے کے ساتھ ہاتھ میں پکڑے کارڈ کو بار بار بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

”اوف اوہ! بی اماں آپ بھی ناں سمجھی سیری خوشی میں خوش نہیں ہوتی۔ بابا کو بھی ابھی حیدر آباد جانا تھا۔ چلیں میں شام میں ان کو لون کر کے خوش خبری سناتی ہوں۔ وہ جتنا خوش ہوں گے۔ ایک دعی ہیں جو مجھے ہمیشہ سراہتے ہیں آپ کو مجھ سے محبت ہی نہیں۔“ یہ کہہ کر افشاں نے سر ہلکے کمرے میں کھس گئی۔ ابھی باقی دوستوں سے بھی یہ خوش خبری شیئر کرنی تھی جب کہ بی اماں ناشتے کی تیاری کرنے لگن کی طرف چلی گئیں۔

☆.....☆

”دانیہ دانی ارے بیٹا اٹھ جاؤ۔ دیکھو دن چڑھ آیا ہے۔ تم نے کہا تھا آج تمہیں کسی پارٹی میں جانا ہے۔“ دانیہ کی ماما نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔ دانیہ جو ان کی آواز سن کر بھی سستی سے آنکھیں بند کیے ہوئی تھی۔ ایک دم بستر سے چلا گئیں مار کر اتری۔

”اوہ مائی سویٹ! Thank you! میں تو بالکل بھول ہی گئی تھی۔ میری دوستیں تو میرا گلادبا دیں گی۔ you know یہ بہت ہی اہم Event ہے۔ مجھے اس دن کا بہت شہت سے انتظار تھا۔ میرا یہ خواب تھا جس کی آج تعبیر مل رہی ہے۔“ دانی نے آنکھیں بند کرتے ہوئے جذب کے عالم میں کہا۔

”اوہ مجھے بھی تو پتا چلے کہ آخر ایسا کون سا خواب ہے جس نے ہماری بیٹی کے چہرے کو اتنا روشن اور لبوں میں مسکان بھر دی ہے۔“ دانیہ کی ماما نے پیار سے دل ہی دل میں اس کی مصومیت کی نظر اتارتے ہوئے پوچھا۔

”ارے! It is surprise! بتاؤں گی ابھی تو مجھے تیار ہونا ہے۔ میں آج سہ سے منفرد لگنا چاہتی ہوں۔ آخر اپنی نامور شخصیات سے آج شرف ملاقات ہے۔“ یہ کہہ کر دانیہ دانش روم میں کھس گئی۔

”یہ لڑکی بھی ناں درگجویشن کر لیا ہے مگر ابھی تک پچھتا نہیں گیا۔ اللہ میری بیٹی کی خوشیوں کو ایسے ہی قائم رکھے۔“ مسز امتیاز نے تمام کھری چیزیں سینٹے ہوئے دل میں دعا مانگی۔

☆.....☆

”اوہ! مجھے یقین ہی نہیں آرہا کہ میں نے اسے خاص کی تعبیر پالی ہے۔ اف کتنا خوب صورت ہے۔“ اسے پکارتے ہوئے ”Pc lawn“ میں مٹی رڈھی، کھجکا ہسٹ مٹی اور مال ہتھ لور بنا ہوا تھا۔ خوشی سے جھکا کر لہجے سے کہہ دیتے ہوئے ادھر سے ادھر خوش گپیوں میں کھردرتے تھے۔ سامنے ہی اسٹج کو گلاب اور Tulips سے سجایا گیا تھا اور رنگ برنگے خبارے بہت ہی رنگین اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا منظر پیش کر رہے تھے۔ اسٹج کے ایک طرف مہمانان گرامی کے لیے سلور میزوں کا سجایا گیا تھا جس میں کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جن کے سامنے سر میز پر مہمانوں کو پیش کرنے کے لیے خوب صورت پھولوں کے گلڈے اور شیڈز جمع ہو چکی تھیں۔ سب سے آگے بڑھی۔

”ایسا لگ رہا ہے میں بھولے سے کسی پرستان میں آگئی ہوں۔“ یہ سوچتے ہوئے وہ داخلی دروازے سے کچھ اور آگے بڑھی۔

”افشاں، افشٹی۔“ اس نے چونک کر چہرے منور دیکھا۔

”ارے دانیہ! تم ادھر۔“ افشاں دانیہ کو دیکھ کر خوشگوار حیرت سے گلے ملی۔ جو پرہل اور اسکاں

بلوگٹری انٹرنیٹ جاری جٹ کے موٹ میں ہم رنگ اسٹارٹ لیے بہت ہی بیماری لگ رہی تھی۔
 "ہاں! اور تم یہاں کیسے؟" دانہ نے بھی جراتی سے پوچھا۔

"کیوں کہ ماہ بدولت بھی آج کی پر وقار تقریب میں مدعو ہیں۔" انٹاشا نے اپنے فرضی بیان کھڑے کرتے ہوئے کہا بلیک گٹر کی لوگ شہرت اور چوڑی وار پا جانے میں ہم رنگ آؤ بڑے پہنچے وہ بھی بہت خوب صورت لگ رہی تھی ابھی وہ دونوں دوستیں باتیں کر رہی تھیں کہ سنے سے ریمیل اور عائشہ بھی آتی نظر آئیں۔
 وہ دونوں کا ہر گھر کے گولڈن گھوں سے مزین سوٹ میں نشی مسکراتی بہت ہمار لگ رہی تھیں۔ وہ سب آؤنا میں خوشدلی سے ملیں۔ اسی وقت تقریب

کا آغاز ہونے کا اعلان ہوا اور تمام مہمان گرامی نے ساتھ ان دو شہسب نے بھی نشست سنبھال لی۔
 انفریب کا آؤنا اور حیرت انگیزان پاک سے ہوا اس کے ساتھ ساتھ پیش کی گئی۔ انفریب کو لہو آگیا جس کا ان دو دوستوں کو بے تحشی سے اتنا اظہار ہوئی ہاں تقریب کی چف گیسٹ محترمہ صاحبہ نے ہر ایک کا ہاتھ (آئی) انج پر تشریف لایا جکی تھیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھ بے ساختہ پر زور تالیوں سے گونج اٹھا۔
 انہوں نے اپنی سیٹ سے ہی اٹھ گئی جسے دانہ نے

پر زور سے دیکھا۔ ہر ریمیل کا ڈیجیٹل کیمرہ حرکت میں لایا۔ اور اس لمحے ان کی عجیب صورت انصا دیر میں انہوں نے اسے اپنے مخصوص دیکھے اعزاز میں خوب شروع کیا تو پورے سال میں سناپ ہو گیا۔ اس پر سکون ماحول میں تشریف لائے۔
 انہوں نے انہوں سے بھیرتی محسوس ہو رہی تھی۔ آؤنا انٹاشا کے پر وقار ڈریس میں ان کی شخصیت سب سے منفرد ممتاز تھی۔ ہر کوئی ان کے شفاف سونے جیسے الفاظ کو اپنے دل میں میٹھی کی طرح اتار

رہا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے تمام مہمان گرامی کا شکریہ ادا کیا۔ پھر روحی سالگرہ کے پر مسرت موقع پر سب کو اس کی کامیابی و شہرت کی مبارک باد دی اور سینئر ڈائریکٹرز کے ساتھ جونیئر ڈائریکٹرز کی کاوش و محنت کی دل سے خوب صورت الفاظ میں تعریف کی۔ جوان کے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں تھا۔ اسی وقت وہ بہت ہی پر وقار خواتین انج پر تشریف لائیں تو ایک بار ہال پھر تالیوں سے گونج اٹھا۔ پتا چلا کہ ماہ ناز سب کے دلوں کی ملکہ شازیہ مصطفیٰ اور نائلہ طارق ہیں۔ ادہ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ آج میں اپنی پسندیدہ مصنفہ سے مل رہی ہوں۔"

"یہ خواب تو نہیں۔" انشی نے ریمیل کو چٹکی کالی۔

"سی.....! انشی کی بیٹی مجھے نہیں خود کو کاٹو۔"
 ریمیل نے انشی کو گھورتے ہوئے کہا تو انشی اپنی ہنسی پر قابو پاتے سامنے انج کی طرف دیکھنے لگی۔
 جہاں اب صالحہ آئی، شازیہ جی اور نائلہ جی کو پھولوں کے گلہستے کے ساتھ Best Achievement ایوارڈ اور تقریبی اسناد پیش کر رہی تھیں۔ ریمیل نے جلدی سے اپنے سر سے اس خوب صورت باد گار منظر کو

خود کو کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اس کے ساتھ ابتدا ہی سے شخص اہر ذہین لوگ منسلک رہے۔ جن میں سے ہماری تین گویا نایاب نائلہ، شازیہ مصطفیٰ بھی ہیں سہاس گل کسی ذاتی مسئلے کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکیں۔ مگر میں دل سے ان کی شکور ہوں اور تقریبی اسناد اور ایوارڈ ان تک پہنچا دی جائیں گی۔ ان کے ناول نے ردا کے قارئین کو کتنی شگفتگی کو فٹ میں رکھا۔ نائلہ کے بے ساختہ جلوں کی آوازیں اور شازیہ اور سہاس گل کے پر

مزاح اور روسپیک مزاج نے روا کو ہمیشہ سچے

موتوں اور گفتگوں کی طرح جھکے گائے رکھا۔ "صالحہ
آپنی کئی بات پر ہال ایک بار پھر پر جوش تالیوں سے
کوچ اٹھا۔ اس کے بعد نائلہ طارق اور شازیہ جی
نے بھی اپنے خوب صورت انداز میں صالحہ آبی کا
شکر یہ ادا کیا اور نئی مصنفات کی حوصلہ افزائی اور
رہنمائی کے لیے ایک تقریبی اور مشاورتی ادارے کا
قیام کا وعدہ کیا۔ ان کو دیکھ کر ان کے ناؤ کی خوب
صورت سلیقہ شعار اور باوقار بیرونی کا خیال آ رہا
تھا۔ ان کے بارے میں ان چاروں نے کچھ نہیں
جو تصور تھا وہ دونوں اس سے بھی زیادہ بالظاہر اور
خوش گفتار لگیں۔ ابھی وہ لوگ ان کی سحر انگیز باتوں
اور شخصیت میں کھوئی ہوئی تھیں کہ صالحہ آبی نے
ایک اور خصوصی ایوارڈ کا اعلان کیا جو نئی ابھرتی
ہوئی مصنفہ سیدہ فرزین حبیب کے لیے Best
novelist of the year
اعزاز میں تھا۔ پرتپاک تالیوں کے شور میں ریسل
کے برابر کی نشست سے بلیک عبابوہ اور پنک
اسکارف میں ملبوس ایک باوقاری لڑکی شان بے
نیازی کے ساتھ رسمی چال چلتے ہوئے آج پر پہنچی
اور نائلہ طارق کے دست مبارک سے تعریفی سند
اور ایوارڈ وصول کیا۔ شازیہ جی اور صالحہ آبی نے
بھی گلے گلے کرا سے مبارکباد دی۔

"ارے..... یہ فرزین اپنی فرزین ہیں۔
میرے برابر میں جتنی بھی اور مجھے معلوم ہی نہیں۔"
واہیہ نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

"ارے ہاں یارا ان کے افسانے اور ناول کو
بڑھ کر ایسا لگتا تھا کہ یہ کوئی خاتون ہیں مگر یہ
تو..... بہت جگ ہیں۔" ایشی نے بھی سرگوشی کی۔
انہوں نے دیکھا اس سنجیدہ اور بیاداری لڑکی کی
آنکھیں نم تھیں۔ شاید یہ خوشی کے آنسو تھے جو
کاسیالی کی صورت میں اس کی آنکھوں میں چمک

رہے تھے۔

"سب سے پہلے صالحہ آبی، نائلہ جی، شازیہ جی
اور تمام حاضرین شغل کو میرا خلوص بھرا سلام اور درود
کی سالگرہ بہت بہت مبارک۔ اس کے بعد اٹھ
پاک اور میرے والدین کا شکر یہ کیوں کہ ان کی
رہنمائی اور دعاؤں کے بغیر میری ذات ایک زور
بے نشان ہے اور اس کے بعد سویت جی صالحہ آبی کا
ذمہ داریوں شکر یہ جنہوں نے اپنی سویت پیجر رہنمائی
اور حوصلہ افزائی سے ایک علامہ جی لڑکی کو آج اس
خاص اور منفرد ایوارڈ سے نوازا۔ خاص سا دیا اور
ادب کی دنیا میں ایک شناخت دی۔ ان کی رہنمائی
کے بغیر میرے علمی سفر کو طے کرنا اور یہاں تک
نہیں تھا میں ابھی بھی طفل کتب ہوں۔ مجھے
کے لیے اور ہر روز کو سمجھنے میں ابھی بھی اپنے سینئر
حوصلہ افزاؤں اور رہنمائی کی ضرورت ہے۔ مجھے
آج بھی وہ ان داد سے تقریباً دو سال پہلے جب
میں نے اپنی والدہ جی بہت انفرائی پر پہلا افسانہ
رہا کے لیے ارسال کیا تھا تو مجھے اس کی اشاعت کی
بالکل امید نہیں تھی مگر صالحہ آبی نے مجھے جی طفیل
کتب کی پہلی کاوش کو نہ صرف روا میں چمکایا بلکہ
اپنی خوب صورت اور پر خلوص باتوں سے
حوصلہ افزائی اور تعریف بھی کی۔ جو میرے ذہن
کے گوشے میں اب تک محفوظ ہے۔ ان کی محبت اور
چاہت نے میرے دل کو بانگہ لیا اور پھروں کے
بٹوں سے نکلے لفظوں کو محبت کے پر سے بانگہ ل
صالحہ آبی تک پہنچائی رہی۔ جنہیں وہ سراسر اس
اور اس طرح آج اگست 2015ء میں میرے علمی
سفر کو روا کی سالگرہ کے ساتھ ساتھ پورے تین
سال ہو گئے ہیں۔ فرزانہ سے فرزین تک کا سفر
بہت خوب صورتی سے طے کیا۔ امید کرتی ہوں
آئندہ بھی تازیت روا کے سائے میں میرا سفر
جاری رہے گا اور ان میں میرے ساتھ اور کئی

لکھاری مسافر ساتھیوں کا اضافہ ہوتا جائے گا۔ ردا کی سب سے منفرد بات یہ ہے کہ اس نے میرے ساتھ ساتھ دوسری نئی لکھاری دوستوں جیسے سویت ہی جانیہ، چلی افشاں اور ریمیل کو بھی اپنے سائے میں جگہ دی۔ میری ان دوستوں کا بہت بہت شکر ہے جو یہاں موجود ہیں اور میں ان کی باتوں سے محفوظ رہی ہوں۔ آپ دوستوں نے ہمیشہ میری تجاویز کو سراہا سنا دیے کے ذریعے اپنا قیمتی وقت نکال کر مجھ کو اپنی رائے سے آگاہ کیا۔ آپ سب کی محبتیں اور خلوص میرے لیے زیت کا جتنی سرمایہ ہیں۔ اللہ پاک کی رضا اور مہربانی اور آپ سب کے ہنر میں کچھ بھی نہیں۔ "فرزین نے اظہارِ آنکھوں سے اختتامی کلمات ادا کیے۔ صالحہ آئی نے ایک بار پھر گلے لگا کر اسے پیار کیا اور پھر باقی تمام راسخز افشاں، دانیہ، ریمیل کو بھی پر زور باتوں میں دلچسپی دلایا گیا۔ انہیں ناملہ جی اور صالحہ آئی کے تعلق کی کساند اور حوصلہ افزائی کے لیے شیلڈز سے نوازا۔ سب نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی اور دعا مانگی کہ سویت ہی نورین ملک نے فرزین کی دعا سے کھلی ہوئی خوب صورت آواز میں ردا کے لیے پریمی۔ جسے سب نے پیسے کہا۔

"یہ خوب صورت لکھاری کی کامیابی کے ساتھ آج سویت ہی صالحہ آئی کی سالگرہ کا بھی انمول تحفہ ہے۔" افشی نے لکھاری کے اختتام پر بتایا تو سب نے صالحہ آئی کو بھی مبارک باد اور دعا میں دیں۔

☆.....☆

ریمیل نے پورے گروپ کا خوب صورت منظر ہمیشہ کے لیے اپنے گیمے میں محفوظ کر لیا۔ اس کے بعد ان سب نے صالحہ آئی کی معیت میں دعاؤں اور پر جوش شور کے ساتھ بائیں اہل اور فریش کریم سے سجا خوب صورت کیک کا نا جس میں ردا اور صالحہ آئی کا نام جگمگا رہا تھا۔ کیک کٹتے ہی ہر طرف غباروں اور پناخوں کے چھٹنے کی آوازیں گئیں۔ ہر کوئی اپنے اپنے انداز میں خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ پھر تمام مہمانوں کو چائے کے ساتھ لذیذ کیک پیش کیا گیا جسے سب نے انجوائے کیا۔ تمام راسخز سے آؤگراف لیے گئے سویت ہی صالحہ آئی نے اس خوشی کے موقع پر تمام مصنفات کو اپنا خوب صورت ناول: دعا اور پیغام کے ساتھ گفٹ کیا جو ان چاروں کے لیے کسی انمول خزانے سے کم نہیں تھا۔ اتنی پذیرائی پر ان کا دل رب کے شکر گزار تھا۔ اس طرح یہ دن ان کی زندگی کا خوب صورت یادگار دن بن گیا۔ ان سب نے خوشی خوشی ایک دوسرے سے الوداعی منیات مانگی۔ انہیں یقین تھا کہ ردا کے سائے میں یہ کبھی سفرِ وقت کے ساتھ ساتھ مزید مضبوط ہوتا جائے گا۔ آج ان چاروں کا صالحہ آئی جیسی پریشانی اور پر خلوص دوستی سے ملنے کا خواب پورا ہو گیا تھا۔ افشاں اور دانیہ کو گھر پہنچ کر نہ صرف اپنی سویت مانا اور بابا سے یہ خوش خبری شیئر کرنی تھی بلکہ آج کے خوب صورت دن کو اپنی ڈائری میں بھی محفوظ کرنا تھا۔

☆.....☆

انہی دنوں راستے میں خوشیوں کے کھلے کنول جیسے گلے میں ہوا کامیابیوں کے گلے تو جیسی ہی دعاؤں میں سدا رہے شامل تھے پروردگار کی رحمت سے حاصل رہتی سدا تیرا مقدر و مونس تیرے لیے کامیابیوں کا سونہرے دروازہ ہے نہ تجھ پر کسی برسے کی نظر نہ: تجھ پر کسی بددعا کا اثر ہر لب پر ہو تیرے لیے دعا تو سدا خوش رہے ہے میری یہ دعا

عجیب سے جوگ لگے جانا

عجیب روگ ہے جانا
عجب جوگ ہے جانا
یہ کیسا روگ ہے جانا
یہ کیسا جوگ ہے جانا

یہ سب کچھ جانتے کب تھے
یہ باتیں ذکر کے قابل
بھلا کروانے کب تھے

میں، جہاں عاصم عجیب ہی زندگی تھی بھری تھی
جس پر حنائی کے دن آئے تو شادی ہو گئی۔

پندرہ سال کی عمر میں خود سے نو سال بڑی لڑکی سے۔
جب اڈانہ جہاں کی طرح محبت کرنے کے دن آئے تو
بچے ہو گئے۔ تین بیٹائی کی عمر میں تین بچے۔ تو پھر
اسی الٹ۔ پھر میں عجیب سے ہونے کے دن آئے
پڑھائی ختم ہونے کے دن لڑکے چھوڑنے کے
دن آئے تو وہ آ گئی۔

اور..... محبت ہو گئی۔

میں تیس سال کا تھا۔ شادی شدہ نہیں تھا۔
باپ۔ جاب ہولڈر، PHD اسٹوڈنٹ۔

اور وہ.....

صرف اٹھارہ سال کی۔ آوارہ بادل جیسی چلتی
کلیں جیسی۔ من مو جی۔ آنرز کی اسٹوڈنٹ۔

میرے برابر آکر کٹری ہو گئی۔ نیچا بکھانے لگی۔
تھکے دیکھنے لگی۔ حاوی ہونے لگی۔ آنکھوں میں

آنکھیں ڈالنے لگی۔ سر پر سوار ہونے لگی اور میں.....
میں برواشت نہ کر سکا۔ سب کچھ بھول سا گیا۔

بس وہ یاد رہ گئی۔ میرے آگے بولتی ہوئی مجھ سے
لڑتی ہوئی۔

اور پھر میں بھی اس سے لڑ پڑا۔ وہ لڑکی تھی اور میں

میں..... قانزہ صدیقی چار بھائیوں کی اکلوتی
بہن، سن سو جی، مندی اور موڈی۔ اپنی مرضی سے شام
کرنے والی اپنی مرضی سے شام کرنے والی۔ اپنی دنیا
میں مست، مگن اپنے آگے کبھی ابو کی بھی نہ پلٹے دی،
جب جی چاہا روٹی جب جی چاہا نمکس۔ اپنی خواہشات
کو ہمیشہ آنکھوں پر رکھا اور زمانے کی باتوں کو ہمیشہ
جوڑنے کی نوک پر۔

محبت جیسا فضول کام میرے شایان شان ہی نہ
تھا۔ سو کیا ہی نہیں۔

یہ روگ پالا ہی نہیں

یہ جوگ لیا ہی نہیں

مگرے وقف تھی میں حد سے زیادہ پاگل، پناہی
نہ تھا کہ محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے۔

کسی سے بھی

کہیں بھی

کسی بھی طرح

شاید ہی لیے مجھے بھی ہو گئی۔

بڑے بوز سے تاتے تھے

کئی قہے سناتے تھے

مگر ہم مانتے کب تھے



لڑکا۔ وہ کمزور تھی اور طاقتور۔ وہ نا سمجھ تھی اور میں شاید عقل کل۔
 سو وہ پارٹی۔
 اور میں جیت گیا۔
 خود سے 14 سال چھوٹی فائزہ سے دوسری شادی کر لی۔

بہت ساری بلندی پر
 گھنٹوں پر یوں کے جھرمٹ میں
 تیرے پیروں کی پائل میں
 تیرے چھوٹے سے گاؤں میں
 تیری زلفوں کی چھاؤں میں
 ستارے، چاند، سورج والہا نہد رقص کرتے ہیں اور

☆ ☆
 ہمیں معلوم ہی کب تھا
 تیرے قدموں کی آہٹ پر
 گھائی مسکراہٹ پر
 تیرے وہڑوں کی چمک پر
 تیرے سر کے اشارے پر
 چمن کے پھول سارے
 اس طرح دھیان دیتے ہیں
 کہ ذرا سے وصل کے جھانسنے میں

پھر.....
 پھر مجھے وہ اچھی لگنے لگی۔ اس کی عادت ہونے لگی
 اس کی باتوں اس کی یادیں اس کی مسکرائیں ہر شے سے
 زیادہ جیتی ہو گئیں۔ اس سے چھپ کر اپنے کانٹا تظار
 رہنے لگا۔ میں نے دوسری شادی کا کوئی بھی
 خیال ہی نہیں کیا۔

اپنی جان دیتے ہیں
 اتنا بے بس، اتنا مجبور، اتنا بے کس میں نے خود کو
 کبھی نہیں پایا تھا۔ وہ فارغ تھا اور میں مفتوح۔ وہ
 آنسو..... وہ سسکیاں..... وہ تیش شاید میں کبھی نہ بھلا
 پاتی جو اس رات عثمان عاصم کے قدموں میں دان
 دیں لیکن اسے رحم نہ آیا۔
 اسے بس جیتنا تھا ہر قیمت پر اور میں نے اس کی
 دوسری بیوی بن کر ہارنا بستر سمجھا۔
 کسی کو نہیں بتایا۔ موقع ہی نہیں ملا۔
 نہائی کو۔
 نہ ابوکو۔
 کسی کو نہیں۔ چپ چاپ اپنا آپ اس کے
 حوالے کر دیا۔

☆ ☆
 اس کے سونچنے میں ہی کئی جا رہی
 میں اس سے اپنا فرق دوسرا چلا گیا۔ وہ دینی چلی گئی
 بہت بولا کرتی تھی۔ بے زبان ہی ہو گئی۔
 بہت ہنسا کرتی تھی۔ ہنسنائی بھول گئی۔
 کھلٹی چلی گئی۔ ہنسی چلی گئی۔ ختم ہوئی چلی گئی۔
 ☆ ☆

☆ ☆
 ہمیں معلوم ہی کب تھا
 صدائے دلبرانہ پر
 نگاہ کا طمانہ پر
 جھائے شکر مانہ پر
 ادائے کافرانہ پر
 ستارے، چاند، سورج والہا نہد رقص کرتے ہیں۔
 اور پھر یوں ادا۔
 عثمان عاصم کی دوسری بیوی کو اس سے محبت ہو گئی۔
 اس کی باتیں سننے کو دل پھلنے لگا۔ اس کے بازوؤں کا
 گھیرا محضوظ لگنے لگا۔ وہ جب جلاتا میں چلی جاتی۔ میں
 رفتہ رفتہ کم ہو گئی اس میں۔
 ٹوٹ گئی اس میں۔

☆ ☆
 انا کے تخت پر بیٹھے
 ہمیں معلوم ہی کب تھا
 انا کے تخت سے ادا پر

بکھر گئی اس میں۔ ایسے جیسے ختم ہی ہو گئی اس
 میں۔
 اسے کہہ نہ سکا۔ بتانہ سکی کہ کل متاع ہو میری۔
 اب چھوڑا تو جی نہیں پاؤں گی۔ دور گئے تو رہ نہیں
 پاؤں گی۔ مر جاؤں گی۔
 "عثمان! اب نہ چھوڑنا۔" کہہ ہی نہ پائی۔

وہ بہت روئی۔ مجھ پر اڑ نہ ہوا اور وہ ایک بار پھر
 ہار گئی۔ جس رات وہ ماں جیسے رتبے سے محروم ہوئی۔
 میں اس کے پاس نہیں تھا۔
 وہ اکیلی تھی..... تنہا.....
 "اب میں مر بھی گئی تو ست آئیے گا۔" آنسوؤں
 اور سسکیوں سے بھر اس کا فون میری بیوی نے سنا
 تھا۔

☆.....☆

ہمیں ادراک ہی کب تھا
 ہمیں کامل بھروسہ تھا
 ہمارے ساتھ کسی صورت
 بھی ایسا کچھ نہیں ہوگا
 دل نادان کبھی قابو سے بے قابو نہیں ہوگا
 بد دنیا وار، دنیا دار سے سادھو نہیں ہوگا۔
 ٹکر ہو گیا۔ میرا دل بے قابو ہو گیا۔ ایک طوفان
 آیا تھا۔

ابو کے ہاتھوں نے نہ جانے کہاں کہاں نکل
 ڈالے تھے۔ بھائیوں نے نہ جانے کیا کچھ کہا تھا۔
 عثمان کی بیوی رو رہی تھی اس سے ایک ہی سوال
 کر رہی تھی۔

"اسے طلاق دو..... طلاق دو اسے....." عثمان
 نے کہا تھا اور میں..... میں خاموش نظروں سے اس
 کو دیکھتا تھا اور پوچھ رہی تھی۔
 کیا تصور تھا میرا۔

سوائے یہ کہ میں اس کی دوسری بیوی تھی۔ دوسری
 بیوی اس بے نام معاشرے کی ایک گالی۔
 میں نے عثمان سے شادی کر لی تھی اور عثمان نے
 مجھ سے دوسری شادی کر لی تھی۔ دونوں تصور میرے
 ہی تھے۔

عثمان کی پہلی بیوی، دنیا کی نظروں میں سب سے
 زیادہ نکل رہی تھی۔
 عثمان نے پتے..... بے چارے پتے۔

اور.....
 اس نے چھوڑ دیا۔
 ☆.....☆
 تمہیں کب علم تھا جاہاں!
 ترے ہیکے سے دخل کر جاؤ گی ہر سٹ بکھرتی ہے
 شب مہتاب کی دو شیزگی کیسے بکھرتی ہے
 تیری کھل کی چمن چمن من میں کیا کھٹی بھاتی ہے
 تیری آواز دیرانے میں کیا جا دو جگاتی ہے
 تیرے نئے نئے میں کیسے جلتے جگ جاتے ہیں
 بہت پختہ ارادے تیرے..... ٹوٹ جاتے ہیں
 بکا ارادہ تھا کہ اسے اب ہی نہیں چھوڑوں گا۔
 اسے اب زندگی بنا کر جیوں گا۔

حالا نگہ.....
 میں نے اس سے کوئی اقرار نہیں کیا تھا۔
 کبھی کوئی اظہار نہیں کیا تھا۔
 لیکن جب اس نے پوچھا تھا "اب کبھی چھوڑیں
 گے تو نہیں؟"

تو انکار بھی کیا تھا۔
 میں نے کہا کہ اگلے کلکے میں..... میں نہیں مانا
 تھا۔
 اس نے کہا کہ اپنی بیوی کو نادیکھیں لیکن مانا
 تھا۔
 یہاں تک کہ.....
 جب اسے میرے ساتھ رہنے کا صلہ ملنے لگا۔
 اس جہاں تیرے ملنے کا تو میں تب بھی نہیں مانا۔

میرے والدین، چھوڑ دے کس۔

نشان حاسم، صرف ایک سرو۔

لیکن میں، قازمہ صدیقی ظالم عورت، بے حیا لڑکی۔ بے غیرت بیٹی۔ عاتصہ بیوی اور سب سے بڑھ کر دوسری بیوی۔

"طلاق دو اسے۔" نشان کی بیوی نے اسے جنجھوڑا تھا۔

"نشان پلیز! میرے آئینے کو نظر۔"

"میں بیوی ہوں آپ کی۔" میری لگی بندھ گئی۔

"نہ چھوڑیں پلیز۔" پاؤں پکڑے اس کے۔

"نہیں رہ پاؤں گی۔" اس کے قدموں کو لہسوں سے دھویا مگر

میں کون سی پہلی بیوی تھی۔ عزت دار اس کے بچوں

کی ماں۔

میں تو دوسری بیوی تھی۔ بے حیا۔۔۔۔۔ آوارہ۔۔۔۔۔

نہیں رک سکا۔ نہیں روک سکی میں چلا گیا۔ روتا چھوڑ

کے چلا گیا۔

☆.....☆

مگر

مگر پھر یوں ہوا جاناں

نہ جانے کیا ہوا جاناں

بڑا آفسوس ہوا جاناں

جگر کا خون ہوا جاناں

"کیوں چھوڑ آئے اسے۔" دل رو رو کے پوچھ رہا

تھا۔ میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"نشان وہ رو رہی تھی۔" دل بے قابو ہو رہا تھا۔

"کیسے رہے گی تمہارے پیئر۔" دل پوچھ رہا تھا۔

"بیوی ہے تمہاری۔" دل رو رہا تھا۔

"کیا ہوا جو دوسری ہے۔ بیوی تو ہے ناں عزت تو

ہے ناں اور سب سے بڑھ کر محبت ہے تمہاری۔"

گاڑی کی رفتار یکدم کم ہوئی تھی۔

"تم اپنا پیچھن نہیں بچا پائے۔ جوانی نہیں بچا

پائے۔ اب محبت تو بچا لو۔" جس نے یکدم گاڑی

روک دی۔

"کیا ہوا ہے؟" بیوی نے پوچھا۔

"مجھے واہیں جانا ہے۔" میں نے گاڑی کا رخ

واپس موڑا تھا۔

"کیوں؟" دو بولی تھی۔

"کیونکہ وہ میری بیوی ہے۔ تمہیں نہیں چھوڑ سکتا

لیکن اسے بھی نہیں چھوڑ سکتا۔" میں بولنا چلا گیا۔

"تم قابل احترام ہو وہ قابل محبت ہے۔ میری

ضرورت ہے۔ تم میرے بچوں کی ماں ہو۔ وہ میری

روح کا حصہ ہے۔ تمہیں ہمیشہ ساتھ رکھوں گا۔

سے بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

☆.....☆

تیرے دل کی اک منیش

نے کھانسی ہو گئے ہم بھی

بڑے بے قسمت بچے تھے

ماں ہو گئے ہم بھی

سقاوت کرنے نکلے تھے لوہے

ساکس ہو گئے ہم بھی

بڑے پوزھوں کی باتوں کے

قائل ہو گئے ہم بھی

رہنا ہوا آقا تھا وہ واہیں تر پتا ہوا بھانگتا ہوا۔

"اب نہیں چھوڑوں گا۔" بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

میرے سر پر چہرہ کے رو رہا تھا۔

"دوسری بیوی ہوں آپ کی۔" میں بولی تھی۔

"بیوی تو ہو۔" وہ بولا تھا۔ صبح عید تھی۔ خوشیاں

دوبالا ہوا وہی جانی تھیں۔

بڑے پوزھوں کی باتوں کے

قائل ہو گئے ہم بھی

کہ محبت روگ ہے جاناں

عجب بچوگ ہے جاناں

☆.....☆

ردا ڈا بجسٹ [128] اگست 2015۔

MOVEETA®
The Touch of Softness

Quality Tissue No More An Issue

نفاست اور سہولت موویٹا شوکی بدولت

VIRGIN PLUS سے تیار کردہ پاکستان کا واحد پریشیئرڈ شوکی

ایکسٹرا ٹیم، ایکسٹرا نکھت، ایکسٹرا سہولت!

جذب گتے آمالی سے صاف کرے روانی سے

Super Soft

یا کوہت ... زیادہ نفاست

Perfumed Soft

یا کوہت سے زیادہ خوشبو

Super Soft Ro.
& Kitchen Ro.

یا کوہت بھی ... یا کوہت بھی

A PRODUCT OF K.B. TRADING

TEL: (021) 3562123

BOX NO. 23 KARAC

11000 PH

TEL: (021) 3562123

FAX: (021) 3562123

http://www.moveeta.com

SCANNED BY FAMOUS DUNOVELS

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

انروز جہاں قدر ہے چین

چپکے سے دروازہ ڈرا کھول کر اندر جھانک آیا۔ منقہ لباس میں وہ سر و قد رکوع میں جانا دکھائی دیا تھا۔

دروازے سے کان لگا دینے وہ کچھ دیر تک سن گئی۔ لینے کی کوشش کرتی رہی تھی مگر کچھ نہ سنیں گیا تو



PREPARED BY FAMOUSURDUYSTORY.COM

ہی سمجھا تھا۔
 ”تم مجھے صبر کی تلقین مت کرو، انسان کا صبر کرنا
 اللہ کو پسند ہے۔ اس لیے صبر کرنا محض نہیں لگتا مگر
 اس کی حواالت انسان کو تجوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ کیا
 اس کا اندازہ تمہیں میرے چہرے سے نہیں
 ہو رہا؟“ اس کے بے بس انداز پر جانشہ اسے دیکھ
 کر رو گئی تھی۔

”تم نے بھی منہ بھر کر ان سے کہہ دیا تھا۔ ہم
 دونوں کھانے پر آپ کا انتظار کریں گے۔ آپ
 پہلے اطمینان سے نماز پڑھ لیں۔ لگتا ہے تمہاری

”جہاں اسے کیا بدتمیزی ہے؟“ عقب سے
 ابھرتی مدھم گھرتی آواز پر اس نے فوراً دروازہ
 کھولا۔

”میں اس بدتمیزی پر اس لیے مجبور ہوں کیوں
 کہ بیوک سے میرا حشر بگڑ رہا ہے اور اللہ حضرت کی
 عبادت خول بگڑانی جا رہی ہے۔“ وہ حسمکین لہجے
 میں بولی تھی۔

”جہاں اتنا صبر کر لیا ہے تجوڑ اور کر لو، وہ پیسے
 ہی باہر آتے ہیں، ہم نے کھانا ہی کھانا ہے۔ دستر
 خوان بالکل ریڈی کی ہے۔“ جانشہ نے مدھم آواز میں



آخری بات کو انہوں نے بہت سنجیدگی سے لیا تھا۔
اس نے جتایا تھا۔

”وہ مہمان بن کر پہلی بار ہمارے گھر آئے
ہیں۔ یہ اچھا لگا کہ کھانے پر ان کا ساتھ دینے والا
کوئی نہ ہوتا۔“ جائشہ نور بولی تھی۔

”تو ان کو بھی یہ یاد رکھنا چاہیے تھا کہ کسی کے گھر
جا کر بے وقت نہیں سونا چاہیے۔“

”آواز تو ہلکی رکھو۔ انہوں نے سن لیا تو۔۔۔“
جائشہ نے ٹوٹا تھا۔

”ذوالکفل بھائی صرف تمہیں کی وجہ سے سوتے
تھے۔ تم نے کبھی انتظام مل سفر کیا ہو تو اندازہ ہو۔“

جائشہ کی بات ادھوری رہ گئی تھی جب دروازے پر
آہٹ ہوئی۔

”مٹاف کیجیے گا خواتین۔ مجھے ذرا دیر ہوگی۔“
”ذرا۔۔۔۔۔“ جواہر کی زبان سے بے اختیار

نکلنا تھا۔
”کوئی بات نہیں۔ آپ آئیے کہیں کھانا ٹھنڈا نہ

ہو جائے۔“ جائشہ کے فوراً بول اٹھنے پر اس نے
مسکرا کر جواہر کو دیکھا تھا۔

”تمہیں شدید جھوک میں اونچا بولنے کی عادت
ہمیشہ سے ہے؟“ ذوالکفل کے سوال پر جائشہ تو

ضرور شرمندہ ہوئی تھی۔
”یہ تو میں نے کبھی غور نہیں کیا۔ البتہ مجھے دوسوں

کی پرائیویسی میں دخل دینے کا بہت شوق ہے۔“ وہ
مسکراتے لہجے میں بولی تھی۔

”15 منٹ میں چار بار دخل اندازی۔۔۔۔۔“
ذوالکفل نے ایک بار پھر سے شرمندہ کرنے کی

ناکام کوشش کی تھی۔
”وہ تو میرے صبر پر منحصر تھا۔ انتظار بڑھتا تو دخل

اندازی کی تعداد بڑھ سکتی تھی۔“ لاؤنج کی سمت قدم
بڑھاتی وہ شراوت سے بولی تھی۔

”باقی سب تو سوچکے ہوں گے میری غفلت کی

منہ کے دوران؟“ اس بار وہ جائشہ سے مخاطب
تھی۔

”جی ہاں! امی ابو تو ویسے بھی جلدی سونے کے
عادی ہیں اور جازم آپ کے جاگنے کا انتظار کرتے

کرتے سو گیا۔“ جائشہ نے جواب دیا تھا۔
”میں نے جاشی سے کہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے

لیے کھانا ٹیبل پر لگا دو مگر اس نے صحت خراب دیا۔“
جواہر نے مسکراہٹ چھپا دیے ہوئے کہا تھا۔

”بہت اچھا کیا جناب، تم کو زمین پر بیٹھے کھانے
لوگ ہیں۔“ وہ خوش دلی سے بولا تھا۔

جواہر نے اڑاتے لوازمات سے جھک رہا تھا۔ جواہر نے
چھٹی ہوئی تھی۔

”بھائی! اسٹیل کے کھانے کھا کر تو آپ گھر کے
کسانوں کے ذرا کھانے بھی بھول جاتے ہوں گے۔“

جائشہ بولی تھی۔
”ایسا بھی نہیں ہے بھائی! میں گھر آتا جاتا تو

مستقل رہا ہے۔ بس یہ ہے کہ کھانے کھانوں کی
قدر بہت ہے مجھے۔“ وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ

بولا تھا۔
”بہت خشک ہوتی ہے ہاسٹل کی زندگی پتہ نہیں

آپ کیسے وہاں رہتے رہے ہیں اور ابھی مزید رہیں
گے ہاؤس جاب مکمل ہونے تک۔“ جائشہ تعجب

سے بولی تھی۔
”ہاسٹل میں رہنے کی قربانی دے کر ہی تو یہ ایم

بی بی ایس ڈاکٹر بنے ہیں۔ ہمارے خاندان کی تو
چھٹی کسی سہیل میں حکیم تک نہیں گزرا۔ یہ بس ایک ہی

ہیں، خوش قسمتی ہماری۔ ویسے پوری امید ہے کہ
شستہ میں ایک کے بجائے دو ڈاکٹر ہو جائیں

گے۔ جب ان کی زندگی میں ایک لیڈی ڈاکٹر کی
آمد ہوگی۔“ جواہر نے ایک مسکراتی نگاہ ذوالکفل پر

بھی ڈالی تھی۔
”ذوالکفل بھائی! ایسا ہو تو کمال ہو جائے گا۔“

ابھی وہ کہہ کر وہی لائف پارٹنر بنانے لگا۔ "جانشہ
خوش ہو کر بولی تھی۔

"کجا ہاں! کیوں کہ ایک ڈاکٹر یوی ہی ڈاکٹر
تو ہر نو برداشت کر سکتی ہے۔" جوہر کے مسکراتے
ہجے پر ذوالکفل نے اسے دیکھا تھا۔

"میں آپ کے اس اسٹینٹ سے متعلق نہیں
ہوں مگر آپ وہ دنوں کی اطلاع کے لیے عرض
ہے کہ میں ایک ہی کافی ہوں اور میری زندگی میں
کوئی لیڈی ڈاکٹر نہیں آنے والی۔" ذوالکفل کے
تطبیعی انداز پر جوہر نے ہنس کر ہنس کر کہا۔

"ہاؤس جاب مکمل کرنے کے بعد آپ کہا
کریں گے؟" جانشہ کے مزید سوال پر جوہر کو
کہتے ہوئی تھی۔

"اسٹیل انٹرنیشن کا ارادہ ہے۔"
"آپ مجھے کس اب تک میڈیکل کی اتنی
مشکل پڑھائی کے بعد بھی؟" جانشہ نے حیرت
سے پوچھا تھا۔

"اب ڈاکٹر بننے کے لیے عین تو سرکاری ہی پڑتی
ہے۔ آپ دونوں کی اسٹڈیز کہاں تک پہنچیں؟"
جواب دے کر ذوالکفل نے سوال بھی کیا تھا۔
"میں تو ایم ایس سی کر رہی ہوں۔" جانشہ نے
خوش سے بتایا تھا۔

"تو بہت اچھی بات ہے۔"
ذوالکفل نے خوشی سے کہا تھا۔ "ابھی میں ذہین آنکھوں والی
اپنی اس کامیابی کی کڑی کو دیکھا تھا۔ حالانکہ وہ جوہر
سے چھوٹی تھی مگر اس سے زیادہ بخیرہ، نفیس اور
باہر شخصیت کی مالک نظر آ رہی تھی۔ وہ وہ
نفس تھا۔ ان دونوں سے ذوالکفل کی یہ پہلی
اور ہلکے سی ملاقات تھی۔ سو یہ فرسٹ اسٹینٹ
تھا جو ذوالکفل کی طرف آیا تھا۔

"اور تم کیا کر رہی ہو آج کل؟" ذوالکفل کو
دوبارہ اس سے پوچھا پڑا تھا، جو مکمل کھانے کی

طرف متوجہ تھی۔

"آج کل کو چھوڑیں۔ میں تو کبھی بھی کچھ نہیں
کرتی۔" اس کے لاپرواہی سے کہنے پر ذوالکفل
حیران ہوا تھا۔

"ذوالکفل بھائی! آپ اس سے یہ سوال نہ ہی
کرتے تو اچھا تھا۔ ابو کی ڈانٹ ڈھپت پر یہ مشکل
سے گریجیشن ہی کر سکتی ہے۔" جانشہ کو بتانا پڑا تھا۔
"وہ کیوں! پڑھنے کا شوق نہیں؟" ذوالکفل
نے براہ راست اس سے پوچھا۔

"میں پڑھتی ہوں مگر ڈگریوں کے لیے نہیں نہ
ہی مجھے ان کی ضرورت ہے۔" وہ اسی لاپرواہی سے
بولی تھی۔

"مگر دنیا تو سنا مانتی ہے؟" ذوالکفل اس کے
جواب پر حزیلا لہجھا تھا۔

"دنیا سنا ان سے مانتی ہے جو اس کے لیے
کتابیں پڑھتے ہیں۔ دنیا تو انسان کی پہلی سانس کی
بھی سنا مانتی ہے اور آخر سانس کی بھی۔ بے چارہ
انسان دنیا کو سندھی دیتے دنیا سے ہی گزرتا جاتا
ہے۔ ساری سندس دنیا میں ہی دھری کی دھری وہ
جاتی ہیں۔" اس کی متعلق ذوالکفل کو پسند نہیں آئی
اسی لیے خاموش رہا۔ اس کے بعد کھانے کے
دوران تمام وقت وہ جانشہ سے ہی جو گفتگو رہا۔ ایک
دو بار جوہر نے گفتگو میں شامل ہونے کی کوشش کی
مگر ذوالکفل نے کوئی توجہ نہ دی۔ جیسے محسوس کر کے
وہ بھی بس خاموشی سے کھانا کھاتی ان کی بات سن رہی تھی۔

کھانے کے بعد وہ بیوی پر نوردیکھ رہا تھا۔
جب دسترخوان سے پلٹیں سیتی جوہر نے اسے
مخاطب کیا تھا۔

ابھی کے لیے گرین ٹی بناؤں، میں بہت
بھی پیانی ہوں آپ کو پسند آئے گی۔"

جانشہ نے ہنسی سے کہا۔ "مختصر جواب میں انکار کرنا

وہ نئی دینی کی سمت متوجہ ہو گیا تھا۔ تب ہی جانے آئی تھی۔

”ذوالکفل بھائی! آپ کے لیے چائے بناؤں۔ کوئی تکلف مت کیجئے گا۔“

”چائے تم بناؤ گی تو بالکل انکار نہیں کروں گا۔“

ذوالکفل کے جواب پر جاہر حیرت چھپانے لگی۔ کھڑی ہوئی مگر اس کے قدم ہلکے گئے۔ اس نے جب ذوالکفل کے نون پر کال آئی تھی۔

”ذوالکفل! کہاں ہو تم، اتنی کالز کی ہیں میں نے۔“ دوسری جانب سے بہت ناراض لہجے میں کہا گیا تھا۔

”ایم سوری! میں بہت بے خبر سو گیا تھا۔ ابھی کھانے سے فارغ ہو کر کال کرنے کا ہی ارادہ کر رہا تھا۔“

”خالہ جان کی کال ہے کیا؟“ جاہر کی اپناک مداخلت پر وہ رک گیا تھا۔

”نہیں، ماہم ہے۔“ ذوالکفل نے اپنی اور اس کی مشرتکہ ماموں زاو کا نام لیا تھا جس کے بعد جاہر خاموشی سے لاؤنج سے نکل گئی تھی۔

”اس لڑکی پر تو جہالت ختم ہے۔ کہ اس ٹاک کرنے پر اس نے ہینا کوئی معذرت بھی نہیں کی ہو گی؟“ ماہم نے ناگواری سے پوچھا تھا۔

”شاید بھول گئی ہو۔“ وہ بولا تھا۔

”بھول نہیں گئی، میمنز سے ناہلہ ہے اور سمجھتی ہے خود کو بہت اعلیٰ۔“ ماہم جلتے انداز میں بولی تھی۔

”اور تم نے تو کہا تھا کہ رات میں تم ہماری طرف آؤ گے۔ یہاں ہم سب تمہاری کال کا انتظار کر رہے تھے۔“

”اب اور شرمندہ نہ کرو، میری غفلت پر۔ ابھی تو یہاں بھی کسی سے نہیں مل سکا ہوں۔“

”چلتے رہنا ان سب سے بھی لیکن ابھی میں

بھائی کو باپا کو سمجھتی ہوں تمہیں پک کرنے۔“

”انجلی میری وجہ سے کسی کو پریشان نہ کرو، میں کل ہاسٹل کا ایک چکر لگا کر تمہاری طرف پہنچا ہوں۔“ وہ بولا تھا۔

”تباہ مت نکلتا، کہیں سے کہیں پہنچ جاؤ گے۔ ایک طویل عرصے بعد اس شہر میں آئے ہو۔ میں خورآ رہی ہوں کل شام تک پچھو بھولی طرف۔“

”جو حکم آپ کا۔“ وہ بولا تھا۔

”اور ہاں، میرے آنے تک سب چیزیں ہلکی ہلکی تیار کر کے رکھنا۔“ وہ لہجھا تھا۔

”بہت شوق ہے کہ تم کو پاس کیجے نہیں بس باتیں بنا کر لڑو کہو سناں رکھنے کی بیماری میں مبتلا ہے۔“

”ٹھیک ہے، میں اس پر اہمیت نہیں دے رہی ہوں۔“

”کل ملتے ہیں پھر۔“ وہ بات ختم کرنے کے لیے اعزاز میں بولا تھا۔

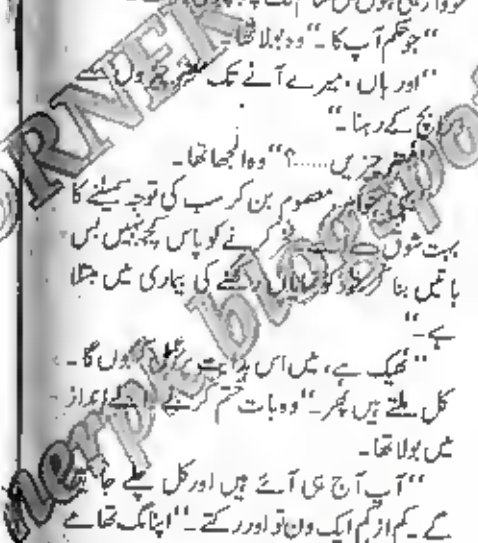
”آپ آج ہی آئے ہیں اور کل ملے جا رہے تھے۔ کم از کم ایک دن تو اور رکے۔“ اپناک تھامے صونے پر بیٹھتی جاٹھ نے کہا تھا۔

”میں ضرور رکتا مگر میرے پاس اب صرف کل کا ہی دن ہے۔ جس کا وعدہ میں نے ماہم سے کیا ہے۔“ وہ بولا تھا جب کہ چائے کے گھونٹ بھرنی جاہر نے اسے دیکھا تھا۔

”آپ کے نزدیک وعدے کی اہمیت ہے؟“ اس کے سوال نے ذوالکفل کو حیران کیا تھا۔

”ظاہر ہے، اہمیت ہے اسی لیے تو کوشش کرتا ہوں وعدہ خلافی نہ کروں۔“

”پھر تو آپ کو یہ بھی پتا ہونا چاہیے کہ وعدے ہر کسی سے نہیں کیے جاتے ورنہ ان کی قدر و اہمیت کم جاتی ہے۔“ وہ بیٹا لہجے میں بولی تھی۔



وہاں تینا چھوڑ کر یہاں آئیں۔" جوا با جائشہ
بگڑی تھی۔

"کہا ہوا ذوا کفعل نے کچھ کہہ دیا تمہیں؟"
"کیا مطلب..... شرم کرو کچھ۔" جائشہ کے
چونکنے اور چہرہ گہر کرنے پر، کفعل کھلائی تھی۔

"اور بات سنو، ان سے تم ذرا آسان فہم لفظوں
میں بات نہیں کر سکتی تھیں؟"

"سنو! جو الفاظ سیدھے دل سے نکل کر زبان
تک پہنچیں ان سے زیادہ خالص اور آسان فہم لفظ
اور کوئی نہیں ہو سکتے۔"

"چاہے سامنے والے کے ٹکڑوں سے لگی سر تک
جا کر بھی نہ بچے۔" جائشہ کے حسمکین لہجے میں بات
کانٹے پر وہ مسکرائی تھی۔

"وہیے میں تو ذوا کفعل بھائی سے بہت زیادہ
متاثر ہوئی ہوں۔ ایک تو ان کی شخصیت اتنی اچھی
ہے۔ اوپر سے ان کی قابلیت کا رعب مگر ذرا بھی
غور نہیں۔ ان کے سامنے تو لگ رہا تھا جیسے میں
کچھ بھی نہیں ہوں۔" جائشہ بہت زیادہ مرعوب
دکھائی دے رہی تھی۔

"ایسا اس لیے ہے کہ ان کے سامنے تم اپنی
قابلیت کو نظر انداز کر رہی ہو۔ بری بات یہ نہیں ہے
کہ آپ کسی انسان کی قابلیت پر رشک کر رہے
ہیں۔ بری بات یہ ہے کہ اس کے سامنے آپ اپنی
قابلیت اور قدر و اہمیت کو نظر انداز کر کے خود کو کمتر
سمجھ رہے ہیں۔" جواہر نے سمجھانے والے انداز
میں کہا تھا۔

"ظفری سی بات ہے جب انسان خود اپنی ہی
ذات کو اہمیت نہ دے تو کسی اور سے بھی یہ توقع
نہیں کرے کہ وہ اسے اہمیت دے گا۔ سمجھیں کہ
ظفری نے جواہر کے غلطی سے پوچھنے پر جائشہ نے
کچھ مہر نہ دیا تھا۔ اسٹاپ کے ساتھ اثبات میں سر
ہلا رہا تھا۔

"ہو سکتا ہے لیکن ماہم ہر کسی میں شامل نہیں
ہے۔" ذوا کفعل سمجھ گیا تھا کہ وہ ماہم سے اس کے
دوسرے کی بات پر ایسا کہہ رہی ہے سو کچھ رکھائی
سے بول گیا تھا۔

"اچھی بات ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔" وہ
سر دھجھے میں بول کرئی وی کی سمت متوجہ ہو گئی تھی
مگر چند لمحوں بعد خاموشی سے اٹھ کر لاٹریج سے
اٹھ گئی تھی۔

"ماہم اور جواہر کے آپس کے تعلقات اچھے
تھیں نہیں ہیں؟" اس کے جانے کے بعد وہ
جائشہ سے پوچھنے بھیر نہ رہ سکا تھا۔

"ہاں نہیں، ان دونوں کو ایک دوسرے سے سدا
کاہر ہے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو ناپسند کرتی
ہیں۔ آپ ہاسٹل میں رہتے رہے ہیں۔ اس لیے
زیادہ نہیں چارچے ہوں گے۔"

"نہیں محوڑا بہت تو جانتا ہی ہوں۔" وہ
بولا تھا۔

"آپ ماہم سب کز میں سب سے زیادہ ماہم
بانگی سے اچھڑ ہیں۔ وہ بہت تعریف کرتی ہیں آپ
کی۔" جائشہ نے کہا تھا۔

"بگڑا ہل میں جب بھی ہاسٹل سے گھر آتا تو
ماہم مجھ کو دیکھنے آتی ہوتی تھی۔ اس لیے اس سے
تو دور بھاگتا ہوں۔"

"جی ہاں، ماہم بانگی نے لیے کیا مشکل ہے صبح
تو نکلتی سے آپ کے گھر پہنچنا اور رات کی
نمائش سے واپس آنا۔" وہ سادہ ہنس لہجے میں مسکرا
کر زویا جب کہ ذوا کفعل خاموش رہا تھا۔

☆.....☆

"انکھوں سے ہانڈ ہلا کر اس نے جائشہ کو دیکھا
تھا۔ جوائشہ سے اسے دیکھتی بیڑ پر آئی تھی۔

"کیوں منہ پھولا ہوا ہے؟"
"ہاں بھی ہے سب سوچکے ہیں پھر بھی تم مجھے

جو اباسوال پر وہ جمل سا ہوا تھا۔

”اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ اس لیے تو اس کے کلام پاک کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ بندے کا جب دل چاہتا ہے کہ اللہ اس سے کلام کرے تو وہ قرآن مجید کھولتا ہے۔“ اس کی مدح آواز اور عقیدت سے بھر پور لہجے کو سنا وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔ بس دیکھ رہا تھا۔

سرخ روپے کے لیے میں اس کے سر پر ایک عجیب سی چمک نمایاں تھی۔
”دراصل آپ کی نیند پوری ہو چکی تھی۔ اس لیے آپ کا دوبارہ سونا مشکل ہے۔“ زوالکفل نے خاموشی سے جواب دیا۔

”میں نے غلط ہوا کہ میری وجہ سے تم

ڈسٹرب ہو گئے۔“
”بالکل نہیں، میں جو سوچتا تھا وہی تھی، الحمد للہ اب یاد ہو چکی ہے۔ میں تو اس سے حفظ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔“

”مگر یاد کیوں کر رہی تھیں؟“ وہ پوچھنے لگا۔
سکا تھا۔

”جس سے محبت ہوتی ہے تو اسے خوش کرنے والی ہر چیز کو یاد رکھا جاتا ہے۔ میں اللہ کی محبت میں اللہ کے کلام پاک کو دل میں محفوظ کرتی ہوں۔ اس کی تلاوت کرتی ہوں۔ دل کو تسکین ملتی ہے کہ میرا کوئی ایک عمل خالص اللہ کے لیے اسے راضی کرنے کے لیے ہے۔“ اس کے کہنے پر زوالکفل کچھ بول نہیں سکا تھا۔

”میں آپ کے لیے کوئی کتاب نکال دوں؟“ اس کی خاموشی پر وہ پوچھ رہی تھی۔

”نہیں، تم ذرا رگو، میں پہلے وضو کر آؤں۔“ اسے مخاطب کرتا وہ کرے کی سمت گیا تھا کچھ دیر بعد جب وہ واپس آیا تو جواہر ہنس نکلتی تھی۔

”اس میں ترجمہ، تفسیر سب ہے۔“ قرآن مجید

کافی کوشش کے باوجود نیند دوبارہ مہربان نہیں ہو رہی تھی۔ اکنائٹ میں چلا ہو کر اس نے کچھ مصروفیت تلاش کرنی چاہی تھی کہ اسے اذان میں موجود یک شہت کا خیال آ گیا۔

لاڈلج کی لائٹس آن تھیں۔ یک شہت کے سامنے رکتے ہوئے یکدم نیچا اس کی نگاہ شہت کے ساتھ ہی کھلی کھڑکی پر پڑی تھی۔ کھلی کھڑکی پر روشنی میں وہ جواہر ہی تھی جو کھڑکی کے قریب ہی کھڑکی کے گرد بیٹھی کچھ پڑھنے میں مصروف تھی۔ اس کا رخ بھی اسی جانب تھا سو وہ ذوالکفل کی موجودگی سے بے خبر نہیں رہی تھی۔

”میں کوئی کتاب لینے آیا تھا۔“ اس کی حیران سوالیہ نظروں پر وہ گڑبڑا کر بولا تھا۔ دوسری جانب جواہر خاموشی سے اسے رکنے کا اشارہ کرتی کرتی سے اٹھتی تھی۔

”اور آخر کار نیند آپ پر مہربان نہ ہوئی۔“ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولتی وہ اس کے سامنے آ کر کھڑکی تھی۔

”ہاں، بس اسی لیے سوچا کوئی اچھی سی کتاب پڑھ لی جائے۔“ بولتے ہوئے ذوالکفل نے ایک بار پھر اس کے ہاتھوں میں موجود قرآن مجید کو دیکھا تھا۔

”ہمارے گھر میں اور اس دنیا میں بھی اس کتاب سے زیادہ اچھی کتاب اور کوئی نہیں وہ مقدس کتاب جسے قرآن مجید کہتے ہیں۔“ بولتے ہوئے اس نے قرآن مجید ذوالکفل کے سامنے کیا تھا۔

”تم اس وقت قرآن پڑھ رہی تھیں؟“ وہ کچھ حیران ہوا تھا۔

”اتنی حیرت کیوں؟ قرآن پڑھنے کے لیے بھی اللہ نے کوئی خاص وقت مقرر کیا ہے؟“ اس کے

دے دیتے ہوئے وہ بتا رہی تھی۔

”یہ تو اور زیادہ اچھی بات ہے۔“ وہ بولا تھا۔

”اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو آپ مجھ سے یہ سورہ

من میں جو میں نے یاد کی ہے۔ دراصل مجھے عادت

ہے یاد کر کے کسی کو سنانے کی۔ اچھی طرح پھر ذہن

تازہ ہو جاتا ہے۔“ وہ کچھ پتکچاہٹ بھرے لہجے

میں بولی تھی۔

”کیوں نہیں، ضرور، اس میں رحمت کیسی

جہاں ہی وجہ سے مجھے بھی تو ایک اچھا عمل کرنے کا

موقع مل رہا ہے۔“ صوفی نے پریشانی کے بعد

ذوالکفل نے اک نگاہ سے دیکھا تھا جو کارہ پر

پتکچاہٹ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ رہی تھی۔

”سورج کروں؟“ جواہر کے سوال پر اثبات

میں سر ہلاتا تھا۔ ”تھوڑی سی باتوں میں موجود قرآن کی طرف

متوجہ ہو جانا تھا۔“ صوفی نے جواہر کی آواز اس کی

باتوں تک نہیں بڑی طرف سے دیکھا وہ اس کی طرف

دیکھنے سے خود کو روک کر نہیں سکا تھا۔ تلاوت کی ایسی

خوب آواز ایسا روح پرور پر سونڈا اور رات کی گہری

ناموشی اور سکوت میں ایک سحر طاری ہوئے لگا تھا۔

یہ بھول گیا تھا کہ جواہر نے اسے کیا فریاد دیا تھا۔

”وہ بس دیکھ رہا تھا، سن رہا تھا۔ اٹھنا نہ

سکا تھا۔“ صوفی نے جواہر کے آداب، ادائیگی

کے تقدیر سے دیکھا تھا۔ ”چھاؤ کو بخوبی قائم رکھتے

ہوئے ہیں اس کا چہرہ صبر و تحمل سے تھمتھانے لگا تھا۔

پیشانی کے وسط میں بائیں تک سیاہی پھول کر ابھر

سکی تھی۔ ذوالکفل جانتا تھا کہ قرآن کی جس

سورہ کی تلاوت کر رہی ہے وہ بے شک سورہٴ بقرہ

صورت ہے مگر اس سورہٴ کی تلاوت کو سننا اس قدر

خوب صورت ہے یہ اندازہ اسے اب ہو رہا تھا۔

مقدس الفاظ سیدھے دل میں اترتے عجیب

رہ جانیت بخش رہے تھے۔

ذوالکفل کو یاد نہیں رہا تھا کہ آخری بار اس نے

کب تلاوت کا یہ حسن دیکھا اور سنا تھا۔ شاید اسے

زندگی میں پہلی بار روح کی گہرائیوں سے تلاوت

سننے کا موقع ملا تھا۔ وہ کیا محسوس کر رہا تھا۔ وہ خو

د بھی نہیں جانتا تھا۔ بے شک کلام پاک کی خوشبو

اپنے سننے والوں کی بھی روح کو مہکا دیتی ہے۔

ایمان کو تازہ کر دیتی ہے۔ یہ بندے پر اللہ کا فضل

ہے کہ اللہ کے کلام کو خاموشی سے سننے میں مشغول

رہنے پر بندے کے اعمال نامے میں نیکیوں کا

اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک وجد کی ہی کیفیت اگر کسی تو

تلاوت مکمل ہوتے ہی وہ خود ہی نہیں ارد گرد موجود

ہر شے کلام الہی کے رعب کے زیر اثر بالکل سنائے

میں گہری تھی۔ خاموش ہوتے ہی اس نے مسکرا کر

ذوالکفل کی طرف دیکھا تھا۔

”شکر ہے اللہ کا، کہیں غلطی نہیں ہوئی۔ ورنہ

آپ اگر درمیان میں ٹوکتے تو مجھے اپنی کندہ زبانی پر

بڑی شرمندگی ہوتی۔“ جواہر کی اس بات پر وہ جیسے

ہوش میں آتا کچھ پریشان سا ہوا تھا۔

”جواہر! ایک کام کرنا کسی اور کو بھی یہ سورہٴ

ضرور سنا دینا تاکہ مجھے تسلی ہو جائے کہ میں نے

سننے میں کوئی غلطی یا غفلت نہیں کی۔“ وہ بتا نہیں سکا

تھا کہ تلاوت کو بغور سننے کے علاوہ کچھ اور نہیں کر

سکتا تھا۔

”جی ضرور، آپ مطمئن رہیں۔ صبح ابوب کو سنا دوں

گی۔ وہ تو اکثر فجر کے بعد مجھ سے تلاوت سنتے

ہیں۔“ اس کے کہنے پر وہ خاموش رہا تھا۔

”آپ کے لیے چائے یا کافی لے آؤں؟ مجھے

بالکل کوئی زحمت نہیں ہوگی۔“ وہ اس کے متوقع

انکار سے پہلے بولی تھی۔

”بس وقت بالکل ختم نہیں ورنہ خود تم سے

لےتا۔“ وہ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا

سوئیے سے اٹھا تھا اور اسے شب بخیر کہتا کمرے کی

طرف بڑھ گیا تھا۔

جس میں بھول میں کوئی نہ رہے کہ اللہ کی بارگاہ میں اللہ کے معاملے پر ماں باپ سے کوئی باز پرس باجواب طلبی نہیں ہوگی۔ جتنا نے دائرے انداز میں پہنچی وہ تخت سے اتری تھی اور تیر کی طرح لڑائی سے نکلی تھی کہ بہر حال ماں کے ہاتھوں سے وہ اپنی حریذ عزت افزائی ہیں کروا سکتی تھی ذرا لکھنے کے سامنے۔

دوپہر ڈھل چکی تھی۔ موسم معتدل تھا۔ مہم ہوا کے چھوٹوں کے ساتھ غم مٹی کی مہک بھی فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ صبح کی اونچی دیوار پر پھیلی سبز گھنٹی بیلوں پر سفید اور گلابی پھولوں کے انبار تھے۔ گلوں میں پردے بہت شاداب نظر آ رہے تھے۔ ان پر پنی گلابی بو پھانسیں ڈالتی وہ صبح میں آتے پتوں کی طرف متوجہ ہوتی تھی۔

غماش پر ڈاکٹر نے اس کے سوال پر جواب دیا تھا۔ "میں نے تو ایسے ہی اسے مرنے میں دیکھا دیا تھا۔ کیا باقی آپ خود ڈاکٹر نہیں جانتے تھے؟" جواب کی حیرت پر وہ بے ساختہ ہنستا ہنستا کہتا تھا۔

"آپ تو بہت معروف رہا کریں گے۔" "میں نے تو اسے کبھی نہیں ملے گا آپ کو۔" "لیکن میں نے اسے کبھی نہیں ملے گا۔" وہ ہنستا ہنستا۔

"آج دن کا آغاز بہت اچھا ہوا ہے۔ میں چاہتا تھا تم تلاوت کرنی رہو اور میں سیکھوں۔" "اب اس بارے میں کیا کہوں۔ یہ اللہ کا ارادہ ہے کہ اس نے سیکھنے کی جستجو میں چنگائی۔ اللہ کا کام خوب صورت ہے۔ اسے خوب صورتی سے پڑھنے کی خوش کرنا بھی اللہ سے محبت اور

عقیدت کی دلیل ہے۔" وہ بولی تھی۔ "آپ میری بارہ تعریف مت کیجئے گا۔" اس لیے سب کی تعریف اور رشک انسان کا داغ خراب کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس لیے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی۔" وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی کہ تب ہی ہارن کی نیز آواز نے دونوں کو چونکا دیا تھا۔

"ماسوں جان آگے ہیں۔" اسے اطلاع دیتی وہ گیٹ کی سمت بڑھ گئی تھی۔ ذرا لکھنے نے نما پاں طور پر یہ محسوس کیا تھا کہ ماہم اور جواہر کے درمیان رکی مسکراہٹ کا بھی تبادلہ تک نہ ہوا تھا۔ جواہر اپنے ماسوں کی طرف ہی متوجہ تھی جب کہ ماہم گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی سیدھی اس کی جانب بڑھ آئی تھی۔ اپنے ماسوں اور ماہم کے ہمراہ رخصت ہونے تک اس نے ماہم اور جواہر کی ایک دوسرے سے لگائی گواچی طرح جاچ لیا تھا۔

رات کے کھانے کے بعد ماہم کے ہمراہ لان میں چھل قدمی کرتے ہوئے وہ جواہر کا ذکر سرسری انداز میں کر گیا تھا لیکن اگر اسے اندازہ ہوتا کہ ماہم کو اس کا ذکر ہی بہت ناگوار گزرے گا تو وہ کبھی جواہر کا نام بھی اس کے سامنے نہ لیتا۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ اس میں اتنی اونگھی بات کیا ہے جو تم اتنا متاثر ہو گئے ہو۔ اچھی تلاوت کرنے والوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے۔ اس کی یہ ایک اچھائی اس کی ہزاروں برائیوں پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔ ویسے بھی اسے بہت شوق ہے کہ زبان استعمال کر کے سب کو اپنے بس میں کرنا۔" "تم سے کس نے کہا کہ میں کسی کے بس میں ہوں؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"میں نے کہا کہ اگر میں اس کی کوئی اچھی بات تم سے سیکھ کر اپنی گاتو تمہارا دل اس کی جانب سے صاف ہوگا۔"

"میرا دل صاف ہے مگر اس میں آپ کی اچھی بری کے لیے کوئی گنجائش نہیں اور آج تم نے خور رکھا ہوگا اسے اتنی توقع نہیں ہوئی کہ اپنے گیٹ پر زرا مسکرا کر ہی استقبال کر سکتی میرا۔ خیر مجھے بھی ایسے غیر ضروری لوگوں کی وجہ کی ضرورت ہے نہ ان میں رنجش، ررسروں کو اپنی نظر متوجہ متوجہ کرنے کی بیماری تو اسے ہے ویسے یہ اس کی بیماری بھی ہے۔ ورنہ ساری زندگی اپنے مال باب کی چیز پر پیشی ہی رو جائے گی کسی احمق بندے کے انتظار میں۔"

کا استہزاء یہ لہجہ زوال کفیل کو اچھا نہیں لگا تھا کفیل بھی کچھ کہنے کی اس نے غلطی نہیں کی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں یہ تہیہ کر لیا تھا کہ جو اہر کے بارے میں کوئی بات نہ وہ کرے گا نہ ماہم سے سے گا۔

☆.....☆

بھائیوں روکتے ہوئے اس نے اسٹڈی ٹیبل کے گرد گھومتی تھی اس میں تم بھی جاؤ گے دیکھا تھا۔

"جاؤ جاؤ پڑھتے پڑھتے زوال کفیل سے باتیں بھی کر لو۔ مجھے سخت تیند آ رہی ہے۔ ہاسٹل میں ناٹ شفٹ ان کی چل رہی ہے۔ جاگ میں رہی ہوں۔ ویسے تو اپنی مرضی سے خوب نہیں لگاتی ہوں ان کے ساتھ۔" وہ جانتے بوجھتے ہی۔

"تمہاری انتہا میں بر طرف کر چکی ہوں۔ کیوں کہ مجھے پڑھنا ہے ابھی اور۔ ویسے بھی زوال کفیل بھائی کی تاکید ہے کہ میں اسٹڈیز کو پہلی ترجیح دیا کروں مگر ویسے بھی ان کی پہلی ترجیح تم ہی ہوتی ہو۔ ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ ان کی کال میرے بھانے تم رہیں کرو ورنہ ہر بار صرف تمہارے نمبر پر ہی کال نہ کریں۔ یہ تو تم ہو جو جھوٹے بھانے بنا کر اپنا خون مجھے پڑا دیتی ہو۔"

"ختم ہو گئی تمہاری بک بک.....؟" جو اہر کے خشمگین لہجے پر وہ ہنسی تھی۔

"ایک اور پیشہ کور دیکھنا تھا۔ انتظار کی زحمت

کے لیے ناراض نہ ہونا، معذرت۔"

"اب اس میں ناراض ہونے والی کیا بات تھی

جو آپ معذرت کر رہے ہیں؟"

"احتیاط ایسا کیا کیوں کہ میں کسی کی بھی ناراضی

برداشت نہیں کر سکتا اور تمہاری تو بالکل بھی نہیں۔"

"یہی تو مسئلہ ہے۔ ہم لوگوں کی ناراضی کے

خدشات میں جتا رہتے ہیں جب کہ لوگ اس بات

پر بھی ناراض ہو جاتے ہیں۔ میں پڑھاؤں ہونے کا

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انہیں فوراً اچھی ہمارے

خدشات، جذبات مگر معذرت کی پروا نہیں۔"

مگر کیا ضرورت ہے خود کو پریشان کرنے کی

جو کبھی ٹھیک ہے۔" ذوال کفیل بولا تھا۔

"مجھے تمہاری یہ بات اچھی لگتی ہے کہ تم ذرا ان

کی بات کو دل سے نکال کر جانچتی ہو۔"

"اور مجھے آپ کی بیانات بہت اچھی لگتی ہے کہ

آپ ہر روز لوگوں کی سچائی کر کے اللہ کی خوشنودی

حاصل کرتے ہیں۔"

"میں بس کوشش کرتا ہوں ورنہ میں بہت بھلا

اچھا انسان نہیں۔"

"ایسا مت کہیں، کوشش اللہ کی راہ میں

کرتے ہیں جن کے دل میں ایمان کی روشنی ہو۔

اچھائی کا نور تو ہر انسان کی ذات میں چھپا ہوتا ہے۔

بالکل ایسے ہی جیسے سمندر کی آغوا گہرائیوں میں تم

مولیٰ، بس کوئی اسے پالیتا ہے، کوئی غافل رہ جاتا

ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو انسان ایک دوسرے کو چیرے چاڑھے

کر دے اور کلمات نہ رہے ہوتے۔"

"ایک منٹ یہ چہرہ ہزاروں بات خاص طور پر تم

نے میرے لیے تو نہیں کی؟" ذوال کفیل کے چونک

کر پوچھنے پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

"مگر! آپ کو حق ہے طنز کرنے کا محترم

ویسے مجھے پتا ہے تمہارے طنز میں بھی ایسا ہی ہوتا

پہلی بات تو یہ کہ میں نے آپ کے پروفیشن پر بالکل طنز نہیں کیا۔ دوسری بات یہ کہ میں آپ کی بات سے شفق نہیں۔ طنز شتوں میں سو جودا پناہیت تو تم کر کے ہر رشتے کے رنگ کو پہلے پھیکا اور پھر بے رنگ کر دیتا ہے۔“

”یہ شاید تمہارا تجربہ بول رہا ہے۔ یقیناً اس وقت تمہارے ذہن میں ماہم ہے۔“ ذوالکفل مسکراتے لہجے میں بولا تھا۔

”کچھ ویر پہلے آپ نے ٹھیک کہا تھا۔ یہ تجربات ہی تو ہوتے ہیں جو چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بھی گہرائی سے جانچنے کا ہنر دیتے ہیں۔ رہ گیا ماہم کا معاملہ تو میرے اور اس کے درمیان صرف اس کے دل کا خلا ہے۔“ وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

☆.....☆

تقریب کی ہوا کی چہل پہل بڑھتی جا رہی تھی۔ سب کے درمیان رونگٹا کھڑا ہوا۔ وہ بڑی یکسوئی سے اس کا منظر تھا۔ جسے تقریب میں شرکت کے لیے اس نے بہت اصرار کیے بعد میں بھی کیا تھا اور وہ ظاہر تو ماہم کے بھائی کی ایجنٹ میں نہ جانے کا بہت اچھا بہنہ بنا کر پیش تھی۔ ذوالکفل کا اصرار صرف اس لیے تھا کہ کافی دن گزر جانے کے بعد وہ آگے سے آگے بڑھ کر گفتگو کرنے کا یہ موقع مٹوانا نہیں چاہتا تھا۔

ماہم بہت اچھی زبان ثابت ہو رہی تھی۔ سب سے مل کر وہ ماہم کی نظر سے محتاطی طرف ہو گیا تھا مگر وہ ماہم ہی کیا جو ذرا غافل ہو جاتی۔

”ذوالکفل! تم سب سے الگ ہو چکے مہمان کیوں آگے۔ میں ڈھونڈ رہی تھی۔“

”میں ٹھیک ہوں اور کوئی مہمان تو ہوں نہیں۔ میرا بیڑے ڈسٹرب نہ کرو خود کو۔“ وہ بولا تھا۔

”ڈسٹرب تو مجھے تم نظر آرہے ہو۔ جانتی ہوں

کس کا انتظار ہے تمہیں۔“ ماہم کے سرو لہجے نے اسے چونکایا تھا۔

”وہ ایک ہی تو ہے تمہارے دن رات کی فکر رکھنے والی، ہر رات تمہارا نمبر بڑی ہوتا ہے۔ مجھے ایک فون کرنے تک کی فرصت نہیں ملتی تمہیں۔“ وہ سچی سے بولی تھی۔

”ماہم! اگر تمہیں لگاے کہ دنیا میں ایک وہی رہ گئی ہے جس سے میں بات کر سکتا ہوں تو یہ تمہاری سوچ ہے۔ سچ تو صرف یہ ہے کہ میری سب سے اچھی کزن اور دوست تم ہو یہ جانتے ہوئے بھی بار بار مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔“

”مان بھی تو خود جانی ہوں، تم کون سا سنانے کے لیے آ جاتے ہو۔“ وہ ٹکا جی لہجے میں بولی تھی۔

”اسی لیے تو کہتا ہوں تم میری سب سے اچھی دوست ہو۔ اب دیکھو میرے کچھ کہے بغیر ہی تم سمجھ گھٹیں کہ مجھے کس کا انتظار ہے۔“ ذوالکفل نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”مجھے بے وقوف مت سمجھو۔ سب سے اچھی دوست تمہاری وہی ہے جس کا بے چینی سے انتظار ہے تمہیں۔“

”مگر نہیں۔ وہ سب کچھ ہو سکتی ہے مگر میری دوست نہیں۔“ ذوالکفل کے سنجیدہ لہجے پر اس کے تاثرات بدلے تھے۔

”یعنی میں دوست ہوں تمہاری بس اور کچھ نہیں۔“

”ماہم! تم اپنا مقابلہ اس سے کیوں کرنے لگتی ہو؟“ وہ زچ ہوا تھا۔

”کیونکہ تم مجبور کرتے ہو۔ وہ اس قابل نہیں ہے کہ میرے مقابلے پر آئے مگر۔۔۔۔۔“ بات

اور ڈھاری چھوڑ کر اس نے یکدم چمک اٹھنے والی ذوالکفل کی نگاہوں کے تقاب میں دیکھا تھا۔

چہرے پر مسکراہٹ بجائے جو اب ہر قرب آتی جا رہی

تھی۔ رائے زنی، بیوقوفوں کے سادہ نفس لباس میں رہ
لبوس تھی۔ بالوں کو لہریں ہی پونی ٹیل میں اس نے
جکڑ رکھا تھا۔ جیولری کے نام پر بس سلور جے بس اس
کے کانوں میں جگمگا رہے تھے۔ اسے چاٹتی
نگاہوں سے دیکھتی ماہم تنگ رہی تھی۔

”آؤ تمہارا ہی انظار اور ہاتھ۔ ویسے برا مت
ماننا، یہ خوشی کی نفیر ہے۔ بکرا بھانن تو آج بھی
لباس کے معاملے میں تمہارا نکلاں اور تمہاری رنگ
راحتنگ نم نے قائم رکھا ہے۔ سادگی کا شکر چاہیے
غربت کا نمونہ دکھائی رہ رہی ہو۔“ ماہم نے لڑکی
نصیحت آمیز لہجے پر جہاں زرا لکھلکھ ونگ تھا وہیں
جواہر کے تاثرات بھی ایک میل کو بدلے تھے۔

”مجھے تو آج پتہ چلا کہ لوگ میرے لباس سے
لے کر جوتے کے رنگ تک پر بھی نگاہ رکھتے ہیں۔“
جواہر کے فخریہ انداز پر ماہم نے ابرو چڑھا کر اسے
ریکھا تھا۔

”ماہم! میں تو جو ہوں سو ہوں مگر تمہارے نفسیاتی
مسائل پہلے سے زیادہ بگڑ چکے ہیں۔“
”اپنی بکواس اپنے پاس رکھو۔“ ماہم تنگ ہی تو
مگھی تھی۔

”میرا خیال ہے کہ آپ دونوں کسی بحث کو شروع
کر کے اس خوشی کے موقع کو خراب نہ کریں۔“
ڈو اکھل کے درمیان میں بول اٹھنے پر وہ دونوں
اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں جو کچھ کوفت زدہ نگاہ
ان دونوں پر ڈال رہی تھی۔

”زاکٹر صاحب سمجھدار ہیں ورنہ شاید میرے
ہاتھوں تمہارے اڑتے پر بچے برداشت نہ کر
پاتے۔“ جواہر طنز یہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

”رک جانا تو تمہاری اوقات اس کے سامنے
آجاتی۔ اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ تم جیسی ناکارہ
لڑکی اس جیسے کوالیفائیڈ بندے کو پھانس کر اس کے
گلے کا طوق بن جائے گی۔ دیکھ لیتا کچھ اچھا وقت

گزار کر ایسا جائے گا کہ پٹ کر دیکھے گا بھی نہیں
تمہیں۔ کنویں کی مینڈکی کنویں میں ہی رہ جائے
گی۔“ ماہم کے لہجے میں حقارت ہی حقارت تھی۔

”بھانسنے کے تو سارے مگر تمہارے پاس ہیں۔
میں تو کچھ بھی نہیں تمہارے ارہمے، جھگڑوں کے
سامنے۔ میرے نزدیک نہ تمہارے کوالیفائیڈ ڈاکٹر
کی کوئی اہمیت ہے نہ اس کی فوجی کی کوئی وقعت۔
نرہ مجھے جنت میں لے جائے گا نہ میری قبر میں
آئے گا۔“

اپنے حسد میں غم کتنی ہی اترام سرکشی کر رہی تھی
میں نے گروار میں کھوٹ تمہارے فرشتے بھی
دیکھے ہیں۔ نہ تمہارے دماغ کا ظل دور ہو سکتا
ہے۔ نہ لڑکی کو سوچ بدل سکتی ہے مگر میری طرف
سے اطمینان رکھو۔ مجھ کو نے اپنا جھوٹا نہیں بخش
دیا۔ ویسے بھی بڑا کٹریں اشد ضرورت تو تمہیں ہے۔
لگا لو ابڑی جیتی کا زور۔ تمہیں نہ کبھی بچنے چڑھے ہی
جانے گا۔“

”تم تو میری سوچ سے بھی زیادہ بھیا ہو جواہر!
جو بکواس تم نے زرا لکھلکھ کے بارے میں کہی ہے
کے بعد تمہیں لگتا ہے کہ وہ تمہاری شکل بھی رکھے
گا؟“ ماہم بھڑک کر غرائی تھی۔

”حیرت ہے۔ میں نے کھڑے کھڑے تمہاری
مٹی پلید کر دی اور تم زرا لکھلکھ کا رونا روئے جا رہی
ہو۔ ترس آتا ہے اب تم پر، حسد انسان اس سے رکھتا
ہے جسے وہ اپنے آپ سے بہتر سمجھتا ہے جس کا اچھا
ہونا اس کی برداشت سے باہر ہوتا ہے جس کی
اچھائیوں کو نقصان پہنچانے کا وہ کوئی موقع نہیں
گنوا تا۔ تمہیں بھی جس قدر سوتے مل رہے ہیں ان
سے فائدہ اٹھاؤ میری اجازت ہے تمہیں۔“

”تمہاری اجازت میری جوتی کی ٹوک پر
زرا لکھلکھ کو بھی پتہ چلنا چاہیے کہ تم اسے دیکھے گا بھی
نہیں سمجھیں۔ میں اسے ہرگز بھی تمہارے جھانسنوں

میں نہیں آنے دوں گی۔" ماہم شدید مشتعل ہو کر
وہاں سے علی تھی۔

دور سے ہی ذوالکفل کو انداز ہو گیا تھا کہ مگر
ٹھیک شاہک چل رہی ہے۔ اسے حیرت نہیں ہوئی
تھی مگر جاہر کے رویے نے اسے ضرور پریشان کر
دیا تھا۔ وہ مسلسل اسے نظر انداز کرتی دور دور ہی
رہی تھی۔ ذوالکفل کو صوبح کی نہیں مل رہا تھا اس
سے بات کرنے کا، زیادہ وقت نہیں گزارا تھا کہ
ذوالکفل نے اسے جازم کے ہمراہ وہاں سے
جانے دیکھا تھا۔

"اس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ اس لیے وہ گھر
جاتی ہے۔" جانتے نے اسے وجہ بتائی تھی مگر وہ تو
صبر سے بیٹھی ہی تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کی
مشکل پر جوہر نے اتنی اجنبیت اور لاتعلقی اس
کے ساتھ دوڑا رکھی، حالانکہ وہ جانتی تھی کہ ذوالکفل
خاص طور پر اس کے لیے ہی اپنے بھٹ شیڈول سے
وقت نکال کر اس تقریب میں آیا تھا۔

☆.....☆
"مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ تم کیوں ذوالکفل کو یہاں
کیا؟ مسلسل نظر انداز کر رہی ہو۔ میں اسے
تک نہیں سمجھتی تھی لیکن اب اسے یہاں لایا گیا ہے۔
وہاں تک وہ نہیں جانتی تھی کہ وہاں سب سمجھتے ہیں۔ ماہم
کوئی جہلی باز نہیں ہے، ہر جہل نہیں ہوتی تو پھر ان
ماہم کا غصہ کیوں لایا گیا ہو؟ اب تم اپنا فون
آف کر کے رکھ دو۔ کیونکہ اسے اب ذوالکفل
بھائی کی کوئی کال ریسیو نہیں کر دینی کی وجہ سے
بانت ختم کرنی جانتے گھر سے نکل گئی تھی۔ دوسری
بانت میں اس نے اپنا فون آف کیا تھا اور پھر ڈریسنگ
کے دروازے میں ڈال کر گھر سے باہر نکل گئی تھی۔

یہ تو صبح میں میرا لہجہ تھا جانتے سے کوئی بات کر رہی
تھی۔ کوئی دھیان دینے بغیر وہ تخت پر بیٹھتی اخبار
پڑھتی تھی۔

"مجھے حیرت ہے زیب نے ابھی تک مجھے فون
کر کے نہ اس معاملے کا ذکر کیا نہ کوئی مشورہ، ورنہ
وہ تو پہلی فرصت میں ہر بات مجھے بتاتی ہے۔"

"کس معاملے کی بات کر رہی ہیں؟" چونک کر
اس نے اخبار سے نگاہ ہٹائی تھی۔

"تم دنیا میں رہو ہونو کچھ خبر بھی دو۔" مہر نے کافی
بار اسی سے اسے دیکھا تھا۔

"تو اب بتادیں۔" اس نے حیرت سے جانتے
کو بھی دیکھا تھا۔

"تمہارے ماموں نے خود رشتہ دیا ہے،
ذوالکفل کے لیے ماہم کا۔" ماں کی اطلاع پر اس کی
نظر جانتے پر ٹھہر گئی تھی۔

"ہاں، دو دن پہلے ہی ماموں نے فون پر ای کی
بتایا یہ سب، انہوں نے خالد جان سے بات کر لی
ہے۔ انہوں نے بہ آفر بھی دی ہے کہ شادی کے
بعد ذوالکفل بھائی اور ماہم اسی شہر میں رہیں یا کہیں
اور۔ گھر، گاڑی وہ ان کو دیں گے۔ یہی نہیں ماموں
اسپتلا تزییشن کے لیے ذوالکفل بھائی کے ملک
سے باہر جانے کا بھی انتظام کریں گے اگر وہ ملک
بے جا نہ جانا چاہیں تو ان کے لیے ایک پرائیویٹ
کلنگ سٹ کیا جائے گا۔" جانتے نے روایتی سے یہ
سنہ بتاتے ہوئے اس کے سپاٹ چہرے کو بغور
دیکھا تھا۔

"چار بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔ خبر سے
باپ بھائیوں کے پاس روپے پیسے کی فراوانی بھی
ہے۔ اللہ کے فضل سے اور پھر ماہم میں بھی کیا کمی
ہے۔ ماشاء اللہ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ ابھی بھی
جانے کون سا امتحان دینے کی تیاری کر رہی ہے۔"

یہ تو صبح میں بولی تھی۔
اسی دن کے لیے میں تمہیں کہتی تھی کہ اچھا
پڑھ لکھ جائے، انہوں کی طرح تمہارا باپ کوئی لینڈ
لارڈ نہیں ملازمین پیشہ انسان ہے۔ تم از کم اعلیٰ

تعلیم حاصل کر کے ہی خود کو کسی قابل کر لیتیں تو آج خال، ماسوں، اپنے بیٹوں کے لیے سب سے پہلے تمہاری طرف دیکھتے مگر تمہارے تو گن بنی دنیا سے نرالے ہیں۔" ماں کے نامگوار لہجے پر اس کے تاثرات بدلتے تھے۔

"بات کسی کی بھی ہو، کوئی بھی مگر میرے نام پر ضرور رو دیا جاتا ہے۔ ذرا سنیں، چھوٹے کے ساتھ وہ اخبار پڑھتی تھی اور جا رہا تھا کہ وہ دن وہاں سے نکلی چلی گئی تھی۔

"آپ تو دل کی بھڑاس نکال دیتی ہیں مگر وہ جواب گھنٹوں تک روتی رہے گی اس کا جواب اب کو آپ ہی دیجیے گا۔" جانشہ ناراضی سے ماں کو دیکھتی اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔

☆.....☆

ایک ہفتے میں بخار نے اسے بالکل نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کی غیر معمولی خاموشی گھر میں کسی سے بھگی چھپی نہیں تھی۔ جانشہ بھی خاموش تھی اس کی کیفیت کو کسی حد تک سمجھنے کے باوجود وہ کیفیت جس کے اسباب سے جواہر خود بھی انجان رہتا چاہتی تھی۔

ذہن کی دوپہر کی دھوپ دیواروں پر دم توڑ رہی تھی۔ صبح کے سرخ اینٹوں والے فرش پر کچھ سوکھے پتے بکھر رہے تھے۔ کرسی پر براجمان وہ جانے کہاں گئی مگر بظاہر رنگا ہیں ادھر ادھر پھینکتی چڑیوں کی جانب تھیں۔ ڈور بیل کی آواز سے ہری طرح چونکا گئی تھی۔ چند لمحوں تک وہ گیٹ کی چٹائی جالیوں سے نظر آتے لیدر کے جوتوں کو دیکھتی رہی تھی اور پھر گہری سانس کئی گیٹ کی سمت بڑھی تھی۔ بخور اس کے تاثرات دیکھتا وہ اندر آیا تھا۔ جب کہ وہ نظر ملائے بغیر سلام کا جواب دیتی ایک طرف ہٹ گئی تھی۔

"اتنی خاموشی کیوں ہے۔ سب کہاں ہیں؟" اس کی تقلید میں کرسیوں کی سمت بڑھتا وہ پوچھ رہا

تھا۔

"اے! اور جانشہ، ماسوں جان کی طرف مجھے ہیں۔ ان کی طبیعت کچھ دنوں سے ناساز تھی۔ جائز ہے گھر میں سو رہا ہے۔ آپ نہیں میں اسے چکائی ہوں۔"

"نہیں اسے ڈسٹرب مت کرو، بیٹھ جاؤ۔" ذرا لکھلکھ کے روکنے پر جواہر نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور پھر کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"جواہر اتنی طویل ناراضی، ایلٹیمٹ مارے، قصور تو بتا دیا ہوتا۔" بخور اس کے اترے اہمیت سے بھر پور ذرا لکھلکھ نے دیکھا تھا۔ انگریزی ٹکڑے کا رنگ بے بسلائی سے وہ لباس میں وہ بہت مستحکم سی دکھائی دے رہی تھی۔

"اس طبیعت سے تمہاری؟" وہ پوچھ رہا تھا مگر اس کے جیسے طوائف نہیں۔ ہوا سے چہرے پر بکھر نہیں تراشیدہ نہیں۔ جانشہ وہ اس کی طرف شاید دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

"مجھے سوچا بھی نہیں تھا کہ یہاں تو کتنی کئی کے لیے اتنے بے بس ہو جاؤں گا۔ اس کے لیے جواہر ہوں جو محسوس کرتا ہوں نہ اس سے شیئر کر سکتا ہوں نہ کسی اور سے۔ کچھ نہ کہہ کر بھی۔ اذیت میں ہوں کہہ دیا تو جانے کیا قیامت آجائے۔" وہ بچھے لہجے میں بولا تھا۔

"آپ کا کچھ نہ کہتا ہی بہتر ہے۔ آپ کو جو کہا ہے جا کر اس سے کہیں جو سانپ کی طرح میرے پیچھے بڑی ہے۔ آپ کی وجہ سے میں اپنی عزت کی حریف دھیماں نہیں اڑا سکتی۔ مگر آپ کو اس سے کیا غرض۔ مجھے نہیں ہے پردہ کہ آپ کیا سوچتے ہو؟ محسوس کرتے ہیں۔ میری ذات سے بڑھ کر نہیں بس آپ اپنی دولت، امارت کے غرور میں وہ آپ کے سامنے جان بوجھ کر مجھے بچ ثابت کر رہی تھی اور آپ خاموشی تماشا ہی بنے ہوئے تھے مگر بچ میں

نہیں، وہ ہے۔ آپ ہیں۔" وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔

"آپ کی خاموشی کا ہی یہ انعام ہے کہ اس نے بہت اچھی قیمت لگائی ہے آپ کی۔ کوئی کیوں اس کی جگہ مجھے بہتر سمجھے گا؟ اپنی بڑی آسائی ہاتھ آئے گئے باوجود بھی اگر آپ میرے سامنے وہی بین بجا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ماہم نے درست کہا تھا۔ آپ صرف اپنے وقت کو یہاں اچھا گزارنے کے لیے مجھے استعمال کر رہے ہیں۔"

غصے میں بھڑکتی وہ یکدم ساکت ہوئی تھی۔ ایک ہی جھٹکے میں درمیان میں رکھی ٹیبل کو پلٹاواہ کری سے اٹھا تھا۔ اندھنی گرتی ٹیبل اونگ، گلاس کی فرش پر چلی کر سچوں سے نظر ہٹا کر جوار پرنے سے اپنی طرف بڑھتے دیکھا تھا۔ جو شدید مشتعل تھا۔ اس کا چہرہ لکڑی کی طرح تھا۔ سرخ ہو رہی تھی۔ وہ جو ہم بخیر و خوشی تھے اس کی سانس اوپر کی اوپر اور نیچے کی نیچے ہی رہ گئی تھی۔ جب اس کا بازو سختی سے جکڑ کر ذوالکفل نے اسے ایک ہی جھٹکے میں کری سے اٹھا کر مقابل کیا تھا۔

"درست کہا تم نے بہت اچھی قیمت لگائی تھی۔" بے میری جو زور وار طراخچہ بن کر میرے منہ پر گری ہے۔ میری انا میری خودداری پر، آج تمہاری وجہ سے اس شہرے کی اذیت اور بڑھ گئی ہے۔"

اس روئے و ہاڑی کے سرخ چہرے اور آنکھوں سے پھلکتے جلال کو دیکھی تھی۔

"ساری دنیا جو چاہے تمہیں ملزم توہم یوں بے نسبت نہ کرے۔" اس کے بازو سے گزرتے ہی ہاتھ وہاں چبھے ہوا تھا۔

"تصور تمہارا نہیں ہے۔ شاید کھوٹ کہیں میرے ہی غلوں میں رہ گیا ہوگا۔ کیوں کہ اس شہر کے لوگ تو کچھ غلط کر ہی نہیں سکتے۔ یہ میری غلطی ہے کہ تمہارے لیے اپنے جذبات میں ماہم سے

نہیں چھپا سکا۔ میرے بھروسے کا یہ صلہ ملا کہ میرے ہی سامنے تمہیں بے عزت کیا گیا۔ میں صرف اس لیے خاموش رہا کہ کہیں بات اور نہ بڑھ جائے۔ بھری تھفل میں کوئی تم پر انگلی نہ اٹھاوے۔ اگر یہ سوچ سچ ہوئے کا ثبوت ہے تو تم مجھے ایسا ہی سمجھو۔" کتنی کڑواہٹ ہے اس شہر کے پانی میں۔ یہاں کسی کے دل میں جگہ بنانا کتنا محال ہے۔ سر اٹھا کر آیا تھا یہاں، کچھ مہربان اپنوں کی بدولت اب سر جھکا کر جاؤں گا۔ کسی کو اپنی ذات سے بڑھ کر چاہنے کی مزا ہے یہ۔ وہی اگر ساتھ ہوتی تو شاید میں اتنا بڑا قدم نہ اٹھاتا۔" مجھے لہجے میں بولتا وہ اس کے چہرے سے نظر ہٹا گیا تھا جو ساکت کی ساکت ہی تھا۔

"بس تمہیں ہی بتا کر جا رہا ہوں صرف اس لیے کہ میرے لیے سب سے زیادہ اہم یہاں صرف تم ہی ہو اور یہاں سے جانے کی اہم وجہ بھی تم ہو۔" اس کے زخم خوردہ لہجے اور زخمی نگاہوں نے جوارہ کے دل کو جھنجھوڑ دیا تھا۔

"جا رہا ہوں، اب واپس نہیں آؤں گا۔" ایک آخری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالتا وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ جوارہ کو جیسے ہوش آیا تھا۔ وہ اسے پکارنا جانتی تھی مگر جانے اس اچانک سٹپے والے دھچکے کی شدت تھی یا حد نہ کہ آواز حلق میں ہی گھٹ گئی۔ قدم زمین میں جکڑ گئے تھے۔ بس اس کی پشت کو دیکھی وہ عجیب کیفیت میں تھی اور جانے والے نے پلٹ کر بھی نہ دیکھا۔ اپنے پیچھے وردازہ بھی بند کر گیا۔ گہرے سہیب سنائے میں گھری وہ ماؤف وارن کے ساتھ کرسی پر بیٹھتی چلی گئی تھی۔ کوئی گرم گرم ہوا تھی اسے اپنی آنکھوں سے بہہ کر چہرے پر چلی تھی۔

بڑی آواز تو قہر کے کھیل میں وہ ایک ایسے شخص کو کھیلنے کے درمیان میں ہی ہار گئی تھی جو اسے

اپنی ذات پر بھی فوقیت دے چکا تھا۔ اپنی قابلیت پر اسے برتری پر رکھنا رہا تھا۔ لا حاصل کی تکفیش میں جو حاصل ہے اسے ہی گنوا دینا ایک خسارہ ہی تو ہے۔ اسے احساس ہو رہا تھا۔ وہ اسے ہاتھوں سے = خسارہ کر چکی ہے۔ وہ دھولائی آنکھوں سے بند دروازے کو یک تک دیکھتے ہوئے دل میں کوئی چیز کتنی اسے محسوس ہو رہی تھی۔ میں بڑھتی جا رہی تھی۔ بھاگتی ہوئی وہ گھر کے نور کوئی بھی اسے چلے سے چلے جائے سے رابطہ کرنا تھا۔ ایک چاندنی سی تھی جو اسے روکنے کے لیے کوئی لائحہ عمل نور کوئی طور پر اختیار کر سکتی تھی۔

☆.....☆

لیکن یہ سب جائے کو اس سے تفر کر گیا تھا۔ جو ابھر کو اس نے بے نقط سنا لی تھی۔ اس کی نظر میں تصور دار سراسر جو ابھر ہی تھی۔ پچھتاوا تھا یا کچھ اور بہر حال اس نے اپنی صفائی میں نہ ایک لفظ کہا نہ اس کے پاس کہنے کو کچھ تھا مگر اس کا دل ہر طرف سے خراب ہو گیا تھا۔ جائے سے بات چیت اس نے ترک کر دی تھی تو جائے نے بھی ذرا پروا نہیں کی وہ جانتی تھی کہ جائے نے ذرا لکفل کو صرف زبان سے ہی نہیں۔ عمل سے بھی بڑے بھائی کا درجہ دیا ہے۔ اس شہر میں ایک جائے ہی تھی جس نے سب سے زیادہ ذوا لکفل کا خیال اور خبر رکھی تھی۔ کپڑے، جوئے، ضرورت کی چیزیں اور طرح طرح کے کھانے کا کردہ لازم کے ذریعے ہاسٹل بھیجتی رہتی تھی۔ جو ابھر کو اعزاز تھا کہ وہ ذوا لکفل سے کھینک میں ہے۔ لاشعوری طور پر اس کی ساتھیوں کو خطر رہتی تھی مگر جانے کیوں گھر میں کوئی ذوا لکفل کے بارے میں بات ہی نہیں کرتا تھا۔

رمضان کریم کے پر نور مہینے کے مقدس دن، رات کا آغاز ہوا تو اس کی ساری توجہ عبادت کی جانب مبذول ہو گئی۔ خاموشی پہلے سے زیادہ

بڑھ گئی تھی، وہ جو پہلے خوش و خروش ہوا کرتا تھا۔ اب بار بار رہتا تھا۔

جب وہ سوچنے بیٹھتی تو اسے بہت عجیب لگا کہ ایک شخص کے چلے جانے سے یوں کتنی زندگی بے رونق اور سناں ہو سکتی ہے۔ یہ کہنا اور سمجھنا بہت آسان ہوتا ہے کہ کسی کے چلے جانے سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پتا نہیں ہم کیوں یہ بھول جاتے ہیں کہ غائب والا انسان اس زمین پر ایک ہی ہے۔ وہ جیسے اس سے جدا ہو گیا کوئی دوسرا نہیں، اس کی جگہ پر کوئی دوسرا آتا ہے۔ وہ جگہ خالی ہی رہتی ہے فرق ہے شک ہے۔ وہ جگہ خالی رہ جاتا ہے۔ زندگی میں بھی اور

جیسے کہ وہ آنکھیں موندھے لٹی تھی۔ جب تک جائے کو کسی دوست سے باتیں کرتی آسمان پر چاندنی کی روشنی کو ششوں میں تھی۔ آج ساری ناراضی اور کڑے کڑے کڑے زبردستی چھت پر چھینچ لائی تھی۔

"اب ذرا تم بھی کوشش کر لو۔ میں کیا کرتی ہوں آن کرتی ہوں۔ شاید خوش خبری مل جائے۔" اس کا کاغذ حائل کر ہدایت دیتی تھی۔ چند لمحوں تک وہ نیم وا آنکھوں سے جائے کو جاتے دیکھتی رہی تھی اور پھر دوبارہ آنکھیں بند کر لی تھیں۔ آخری عشرے میں اس کی طبیعت کافی ناساز رہی تھی۔ سو وہ اب بھی ٹھہرا رہی تھی۔ وہم ہوا کے جھونکے وہ خود سے ٹکراتے محسوس کر رہی تھی۔ جب ایک بانوس ہی وہم مہک اسے اپنا وہم ہی تھی مگر یہ کیسا وہم تھا جو اور دگر، فضا میں بڑھتا، پھیلتا جا رہا تھا۔

"سنگدل لڑکی۔" تھمیر وہم آواز پر اس نے یکدم آنکھیں کھولی تھیں۔ دل کی دھڑکن ایک ایک تھم گئی تھی۔ خواب کی سی کیفیت میں اسے دیکھتی وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

میں چلا ہوں۔" ذوالکفل بکدم تھا ہو کر اس سے اٹھتے اٹھنے رکا تھا۔ جب بے اختیار ہی وہ اس کا ہاتھ خنام کر روک گئی تھی۔ ذوالکفل ونگ ہوا تھا جب کہ وہ بری طرح جھینپ کر ہانپہ پیچھے ہٹا گئی تھی۔

"بہت بہت شکریہ اگر بہ خوب صورت حمایت تم پہلے کر لیتیں تو میں تڑپ نہ رہا ہوتا۔" گہری نظروں سے ذوالکفل نے اسے دیکھا تھا۔

"یہ تو میرا دل ہی جانتا ہے کہ اتنے دن کس طرح میں نے تمہیں دیکھے بغیر، تمہاری آواز سے بغیر گزارے ہیں۔"

"آپ کو اتنے غمے، اتنا ناراض پہلی بار دیکھا تھا۔ غلطی میری تھی۔ اس لیے آپ سے سنا کر نے کی بھی جرات نہیں تھی۔ ورنہ میں پہلے ہی آپ سے معافی مانگ لیتی۔ آپ کو یہاں سے جانے کی بات بھی نہ کرنی پڑتی۔ میں اپنا چہرہ بھی آپ کو نہ دکھاتی۔"

"تم زندگی مانگو، دل مانگو، جان مانگ لو مگر معافی تو تم سے مجھے ہی مانگنی پڑے گی۔ میں بھی کیا کرتا، تمہاری بہن تم سے زیادہ ظالم ہے۔ تمہارے بارگاہِ شہداء نے آجانے تک اس نے تم سے بالکل اٹھنے دینے کی ہدایت کی تھی۔ مجبور تھا ورنہ اس کے فریضے تمہاری جو خیر خیر ہوتی رہی اس سے بھی جاتا۔ پاگل ہو جاتا میں۔" اس کے بے بسی سے کہنے پر جواہر نے بس ایک پر شکوہ نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔

"جاندو کیسوی؟" وہ پوچھ رہا تھا۔
 "نہیں دیکھنا۔"
 "تو پھر کل عید مجھے دیکھ کر مرنانی ہے؟"
 "نہیں سنانی عید بھی۔"

اس نے کہتے دکھ دیتی ہو تم، اب کیا اپنے فرشتوں کو مانگا ہے؟ وہ ہنسی کرنے کے لیے۔ "وہ زوج ہوا تھا۔"

جینز اور ہنی کھر شرٹ میں ملبوس ملبوس سیدھی تک فولڈ کیے اپنے دروازے کے ساتھ وہ بیٹھا وہاں موجود تھا۔ اس کے وجہ چہرے پر شہدگی کی گہری چھاب تھی اور شہد رنگ گہری آنکھوں میں شکوے نمایاں تھے۔ اسے سخت کے سہارے براجمان ہونا دیکھ کر وہ دھڑکتے دل کو سنبھالنے سر جھکا گئی تھی۔

"تم نے سنا نہیں، میں نے سنگدل کہا تمہیں۔" ذوالکفل نے بغور اس کے بیچ چہرے پر گہری زردی اور نقاہت کو دیکھا تھا۔

"طعنہ دے رہے ہیں؟" نگاہ اٹھائے بغیر وہ بولی تھی۔
 "نہیں حقیقت بتا رہا ہوں۔" وہ بولا تھا۔
 "کس کو ایس آئے؟"

"اس کے جواب پر جواہر نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔
 "میں تو وہاں جا چکا تھا۔" گہری تمہاری طرح سنگدل نہیں تھے کہ روکنے کی کوشش نہ کرتے۔
 "بہت بری بھی ہو تم۔"

"ہاں! میں جانتی ہوں کہ میں بری ہی ہوں۔" اس کی رست و آج کے چمکنے بال پر نگاہ بٹھکانے پر وہ بولی تھی۔

"اپنا خیال کیوں نہیں رکھا۔ میری ناراضی کا اتنا بوجھ ہی نہیں ہوتا تمہیں؟" اس کے سوال پر وہ نہ کچھ ہی نہ نگاہ اٹھائی۔

"جانشہ نے بتایا کہ تم خال ہی سے اتنا ناراض ہیں کہ پھر اسٹریز شروع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔" اس نے گارنہ کرو میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ تمہاری بیٹی بگڑی کے بھی ان کی بیٹی کو ایک ڈاکٹر سے لیا ہے۔" مسکراتی نظروں سے ذوالکفل نے اس کی نظریں آنکھوں کو دیکھا تھا۔

"نہیں میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں تو پھر

”کہاں ہے چاند؟“ غصی سے ذوالکفل کو دیکھنے کے بعد اس نے آسمان کو دیکھا تھا۔
 ”وہ رہا ادھر۔“ ذوالکفل نے اشارہ کیا تھا۔
 ”کہاں..... نہیں نظر آ رہا۔“
 ”غور سے تو دیکھو اس طرف.....!“

”جہیں ہے کوئی چاند، بالکل جھوٹ۔“ جواہر کی بات اور میری وہ گئی جب ذوالکفل نے ایک چپت اس کے سر پر لگائی تھی۔ سبے ساختہ اللہ کی شکر کر جواہر نے بہت مدح سے باریک ہلال کو بھر دیکھا تھا۔
 ”آپ کو چاند مبارک۔“ وہ غصی سے بھی بولی۔
 ”تمہیں بھی زمین اور آسمان کے دونوں چاند

مبارک۔ اب چلو میرے غم میں تم نے عید کی کوئی تیاری نہیں کی۔ مجھے ہی ازالہ کرنا ہوگا۔ خالہ امی سے اجازت لے چکا ہوں۔ ویسے دونوں بعد تمہارے لیے مجھے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اب پوچھو وہ کیسے؟“ اس کے سکرانے لہجے پر جواہر نے بس حیران سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”کیونکہ پر سوں میرے گھر سے سب یہاں آرہے ہیں۔ تمہیں میرے محلے کا پارٹیا نے، مطلب مجھ سے منسوب کرنے۔“ اس کی اطلاع نے جواہر کو دم بخود کیا تھا۔
 ”مگر..... وہ ماہم.....“ وہ جانے کیا کہنا چاہتی تھی وہ خوش جانتی تھی۔

”ہاں، اس کو ایسا شخص ملنا چاہیے جو اس کی طرح مکمل اور اس کے قابل ہو۔ ہم تمہارے درویش صفت انسان، آپ جیسی درویش خاتون کے ساتھ ہی خوش رہ سکتے ہیں۔ ویسے بھی جس رشتے میں محبت اور ول کی رضا شامل ہونے کا امکان ہی نہ ہو، اسے قائم نہ کرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔“ وہ سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔

”جانتی ہو۔ تمہیں جاننے کے بعد مجھے اعزازہ ہوا کہ واقعی کچھ لوگ بند سناپ کی طرح ہوتے ہیں

جس کے سرورق سے ہی کوئی رائے قائم کرنا ہے تو قوی ہوتی ہے۔ امی کی خواہش پر ڈاکٹر بننے کی حامی بھرتے ہوئے میں نے صاف طور پر یہ کہہ دیا تھا میں شادی صرف اس سے کروں گا جو میری پسند ہو گی۔ میں نے ان کی خواہش کا احترام کیا اور وہ میری خواہش پر خوش ہیں مگر تم سے ملنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ میں شادی اس سے کروں گا جو مجھے اللہ سے فریب کر دے۔ مجھے شدت سے انتظار ہے اس وقت کا جب میں رات کو سو جاؤں تو پہلے تمہاری آواز میں اللہ کے خوبے صورت کلام کی تلاوت سنوں گا اور ان کا آواز بھی سنبھاریں گی۔ میں کہ کروں گا۔ کسی سستی کی گنجائش نہیں ہوگی اجازت کے آخر میں اس کی سمیٹ پر جواہر کے جوتے سے ایسے دیکھا تھا۔

”ویسے پوری اساتذہ سے کہہ یہ انتظار زیادہ طویل نہیں ہوگا۔“ کچھ عرصے کے بعد میں کہہ جواہر کا سارا خون چہرے پر سمٹ گیا تھا۔
 ”مگر میری اساتذہ.....“ وہ غصی سے بولی تھی۔

”اب کوئی حماقت نہ کرنا۔ مجھے بار بار ذوالکفل نے طرح طرح کی طرح سے گھر کا تھا وہ بے ساختہ ہستی اس کی تھکے میں تخت سے اٹھ گئی تھی۔

اب کسی حماقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پہلے وہ بے یقین تھی مگر اب عمل یقین تھا کہ اسے نوازا جا رہا ہے شاید اس کے کسی اچھے عمل کی بدولت اور پھر نوازنے والی ذات تو بے نیاز ہے۔ انسان کی حماقتوں کے باوجود بھی اس کی عطامیں کمی نہیں آتی۔ وہ خوش تھی۔ آسمان پر آج نمودار ہونے والا چاند ضرور ناگھل تھا مگر اپنے ساتھ نہ صرف عید کی بلکہ زندگی کی بھی عمل خوشیوں کی نوید لایا تھا۔ یہ چاند اس کے لیے اب ہمیشہ بہت محترم رہنے والا تھا۔

.....☆.....

عشق

کہ وہ اس کے لیے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ وہ الفاظ ہی نہیں اترے تھے ابھی تک چھپ کر نیازی کے لیے اس کے جذبات کی ترجمانی کر سکیں اور عمر نیازی؟

شادی کے چار سال بعد اس کے سامنے کھڑا ہوا۔ وہ کسی اور سے محبت کرنے لگا تھا۔ ویسی ہی محبت تھی جو اس سے کتنی تھی۔ پچھلے سال لندن میں ملی تھی اسے وہ اور اس کے فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ کرسٹین جوزفین۔ کے پاپا اور ماما تک رو گئے۔ عیسائی لڑکی؟ عیسائی سے شادی کرنے کا ان کا بیٹا۔

”میں نہت کرتا ہوں اس سے اور بہت سے اور معاشرے کی حد و کوشش مانتی۔“ وہ کئی شہینز کی طرح گرتی چلی گئی۔ وہ کون سی محبت کی بات کر رہا تھا۔ جس کی حد میں نہیں تھیں؟ کیا وہ اپنی وہ محبت تھی جو حد میں پھلا تھے کا برس دے رہی تھی؟ محبت اور جنون..... وہ جنون کو نہت کہہ رہا تھا سبھی تو جنون حرام ہے۔ جنون حد میں پار کر جاتا ہے۔

”میں اپنا فیصلہ سنا چکا میں کرسٹین سے شادی کر رہا ہوں۔“ فیصلہ کر لیا۔ سنا دیا اور چلا گیا اور وہ محبت کے ہشت میں اکیلی بھکتی رہ گئی۔

☆.....☆

خواب تھا دیدہ بیدار تھی۔ دشت بڑھتا ہوا دیوار تک آنا تھا عاتکہ نیازی کے بس وہ ہی عشق تھے۔ وہ عشق جن پر اسے بہت مان تھا۔ ایک عشق اللہ تعالیٰ کی ذات تھی اور دوسرا عشق اس کا شوہر عمر نیازی تھا۔ دونوں سے اسے سچا عشق تھا۔ ذرا سے شک سے پاک، صدق دل سے کھرا عشق، اللہ کی ذات سے عشق اس کی گھٹی میں تھا۔ جس عمر میں بچے بیشکل ایک ایک کر الف ب پڑھتے ہیں ابونے اسے سارے کلمے یاد کروا دیے تھے۔ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے۔ چھوٹی سی عاتکہ کو ساتھ کھڑا کر لیتے۔ بنیاد مضبوط ہو تو عمارت کیوں مضبوط نہ ہو؟ گیارہ سال کی تھی جب سے تہجد باقاعدگی سے پڑھ رہی تھی۔ خاندان میں کوئی عاتکہ جیسا پارسا نہیں تھا اور اللہ نے اس کے لفظوں میں شکر رکھی تھی۔ اس کی دعائیں اثر رکھتی تھیں۔ اس کی التجا کو یونہی واپس نہیں لوٹا دیا جاتا تھا۔ ایک زمانہ گواہ تھا عاتکہ نیازی کے کہہ کر، ارکی پارسانی کا۔

اور دوسرا عشق عمر نیازی، جسے وہ اپنی ذات سے بڑھ کر چاہتی تھی۔ اس کا وجود اس سے زیادہ عمر نیازی کے نام تھا۔ عمر نیازی، جو کہ خواب تھا اس کا بغیر کسی التجا کیے اسے عطا کروایا گیا تھا۔ عمر نیازی جس کے بارے میں وہ کبھی نہیں بتا سکتی تھی



SCANNED BY FAMOUSORNOVELS

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY

اب اگر میں خاموش رہتا تو عزت جانی میرا دشمن میرے کردار تک آیا تھا وہ سب طے کر چکا تھا۔ فیصلے ہو چکے تھے۔
 ”عمر! خدا کا خوف کرو وہ غیر مسلم ہے۔“
 ”اہل کتاب ہے وہ پاپا۔“

”اپنی پارسا بیوی پر اس غیر مسلم کو ترجیح دو گے؟“

”وہ محبت ہے میری۔“
 ”اور عاتشہ بیوی ہے تمہاری بیوی۔“
 ”وہ تعلق میں توڑ دوں گا۔ میری طرف سے آزاد ہوگی۔ وہ بھی اپنی مرضی سے کر لے۔“
 اور عاتشہ نیازی کو لگا آج ہی وہ قیامت ہے جس کا وعدہ ہے۔ پاپا زور سے دھاڑے تھے۔
 ”میں عاق کر دوں گا تمہیں۔ سمجھتے کیا ہو تم۔“
 ”کرویں۔ میں شادی کر کے رہوں گا۔“ وہ خندی بن کر عروج پر تھا۔

”میں عاتشہ نیازی کو طلاق..... پاپا کا تمہیں اس کا کال رٹنگ کیا تھا۔“

”دفع ہو جاؤ میرے گھر سے دفع ہو جاؤ۔“
 اور عاتشہ کے لیے قیامت واقعی برپا ہو گئی تھی۔
 ”جار ہا ہوں۔ میں اجازت لینے نہیں آتا تھا۔“
 ”تائے آتا تھا۔ آج ابھی شادی کروں گا۔“
 وہ کارپٹ پر گر گئی تھی۔ پاپا اور ماما اس کی طرف بڑھے۔

”عاتشہ بیٹی! عاتشہ سنبھالو خود کو۔“ اس کی سانسیں دھکنکی کی مانند چل رہی تھیں اور سانس ایسے پھولی ہوئی تھیں جیسے وہ میلوں کی مسافت طے کر کے آئی ہو۔

”وہ بد قسمت ہے بیٹا! وہ تمہارے جیسی لڑکی ڈیڑھ روٹی نہیں کرتا۔“ پاپا تاسف سے کہہ کر چلے گئے۔

”عاتشہ.....! آئی ہوئے ہوئے اس کے بال سہلار ہی تھیں۔“
 ”تم اسے خدا سے کیوں نہیں مانتیں؟“ وہ ان کو دیکھتی رہ گئی۔

”مجھے خوف آتا ہے۔ اس کے حضور اس کے جہدوں میں۔ ایک بندے کو ایک بشر کو مانگنے ہوئے بہت شرم آتی ہے۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور اس کا پورا بدن لرز رہا تھا۔
 ”اسے خدا سے مانگتے ہو عاتشہ! اور اسی شام جب دو وقت مل رہے تھے۔ عاتشہ نیازی کے ہاتھ اٹھ گئے تھے۔ اس قابو مطلق کے سامنے بچا ہوا ہاتھ کھانے سے پہلے ہی عطا کرنا آیا تھا۔

”میری تیری مخلوق کہتی ہے کہ مجھے مانگنا آتا ہے۔ میری دعاؤں میں اثر ہے۔ میں جو مانگ لوں وہ مجھے ضرور ملتا ہے۔ یہ بھی تجھ سے عمر نیازی مانگتی ہوں۔“ شاید وہ اتنی بے جا نہیں تھی کہ اسے مانگنا آتا ہے۔ اگر معلوم ہو تو اسے بہت بہت پہلے مانگ لیتی یا پھر..... شاید کبھی نہ مانگ لے۔

☆.....☆
 آج وہ بہت خوش تھا جو اس نے چاہا تھا وہ ہونے والا تھا۔ لبرٹی سے شاپنگ بیگ لیے ڈھ دوڑوں ساتھ ساتھ باہر نکلے تھے۔ وہ وہیں کھڑی رہی تھی اور عمر پارکنگ سے کار نکالنے لگا تھا۔ وہ کچھ دور تھا جب اس نے دور سے کرسمین کو دیکھا اور اس تیز رفتار کار کو وہ وہیں سے چلایا تھا لیکن بیوی ٹٹی نہیں تھی۔ تیز رفتار کار کرسمین کو چلنی ہوئی وہر جا چکی تھی۔ وہ دوبارہ زور سے چلایا اور اس کی طرف بھاگا۔ آن کی آن میں مجمع اکٹھا ہو چکا تھا۔ وہاں سے کرسمین کو لے کر وہ اسپتال کیسے پہنچا اسے معلوم نہیں تھا۔ اسے صرف خون میں لت پت کرسمین کا وجود یاد رہا۔ آئی سی یو میں ششے کی

حسن بنکا ہوا بازار تک آیا تھا
 وہ کرشمین کی کوئی رشتے دار تھیں جو کہ فادر
 کے ساتھ اس سے ملنے آئی تھیں۔

"ڈیر! اسے معاف کر دو۔ فادر بھی اس کے
 گناہ معاف کر چکے ہیں۔" عائشہ نے اچھنبے سے
 ان کو دیکھا۔

"کیا آپ وہاں تھے فادر جب وہ مجھ سے میرا
 شوہر چھین رہی تھی؟ جب وہ اس کی وجہ سے مجھے
 طلاق دینے والے تھے۔ آپ تھے وہاں؟"
 "دیکھو۔ مائی چائلڈ ناؤ کی از....." عائشہ نے
 ان کی بات کاٹی۔

"جب آپ وہاں تھے ہی نہیں تو کیسے معاف
 کر سکتے ہیں وہ سب؟ اس کے وہ سب گناہ کوئی
 بھی کیسے معاف کر سکتا ہے وہ گناہ جن کو خدا بھی
 معاف نہیں کرتا جب تک بندہ نہ کرے؟"
 وہ خاموش رہ گئے تھے۔ وہ انھی اور دروازے
 تک آئی۔

"جب سارے جہان کا مالک۔ ہر قسم کے
 اختیار ہونے کے بعد بھی معاف کر سکتا ہے تو میری
 کیا مجال کہ میں معاف نہ کروں۔ معاف کر دیا
 میں نے کرشمین کو۔" کہتے ہیں ناں زندگی میں
 نیچے بھات بھی آتے ہیں جب زمین و آسمان
 دونوں تک ہو جاتے ہیں۔ زمین و آسمان دونوں
 اس کا امتحان لینے پر تلے ہوئے تھے۔ دو پہلے بھی
 اس کا نہیں تھا۔ وہ آج بھی اس کا نہیں تھا۔ وہ اگر
 عائشہ نیازی اور اس کی ذات سے وابستہ ہر شے
 بھول گیا تھا تو کیا ہوا۔ وہ اسے یا ابھی کبھی۔

وہ دن بھر سب اچھا ہے کا خول خود پر جڑھائے
 سر و کمر رہتی۔ عمر کا خیال رکھتی۔ واک پر لے
 جاتا۔ اس کے سوا کچھ روزنی ہدایات دیتے اور وہ
 روز ایک نئے عہد کے شروع کرتی۔

ہر ایک دیوار کے اس پار بہت سی نالیوں اور
 تاروں میں جکڑی کرشمین۔

"نہ! نہ جانے کس نے پاپا کو اطلاع دی
 تھی۔ وہ عائشہ اور ماما کے ساتھ جلدی سے وہاں
 پہنچے تھے۔ پاپا کے گلے لگ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر
 رہ رہا تھا۔

"پاپا! اسے پچائیں وہ مر جائے گی اسے پچا
 لیں۔"

وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ تبھی
 شوکت کی دیوار سے سر نکراتا۔ کبھی چلانے لگا۔
 کبھی رونے لگا۔ عائشہ کا دل آرے سے کھڑے
 کھڑے کیا جا رہا تھا۔

6 گھنٹے بعد ڈاکٹرز باہر آئے تھے۔ وہ مر
 چکی تھی۔ مگر نیازی کے چہرے سے جیسے سارا
 خون سچوڑ لیا تھا اور وہ ہوش و خرابی سے
 بچا نہ ہو گیا تھا۔

"نروس بریک ڈاؤن۔" عائشہ نے بتایا۔
 سولہ گھنٹے بعد وہ ہوش میں آیا اور ہسپتال میں
 منت کے بعد دوبارہ غنودگی میں پھنسا گیا۔ شوکت
 دیوار سے لگی کھڑی عائشہ مسلسل اس کی زبردستی کی
 دعا مانگ کر رہی تھی۔

دوبارہ ہوش نہ گھنٹے بعد آیا تھا۔
 "نروس بریک ڈاؤن۔" عائشہ نے بتایا۔
 "نروس بریک ڈاؤن۔" عائشہ نے بتایا۔

چاون بعد اسے ہوش آیا تھا۔
 "اب وہ ٹھیک ہے۔ لیکن....." عائشہ کا دل زور
 سے بھرا۔

"میسوری لوسس (یا دواشت پٹلی گئی ہے)
 نقل نام کناں تھا۔

☆.....☆

مشق کچھ سوچ کر خاموش رہا درنہ

صد ایک دفعہ پھر سی تھی۔

مستر دعی تھا۔ کردار بدل گئے تھے لیکن اس کا کردار آج بھی دعی تھا۔ شمشے کی باریک دیوار اس کے اس پار نالیوں اور تاروں میں جکڑا عائنہ نیازی کا جو دو۔ دو سال قبل وہ مجھ سے بے گزر گزار ہا تھا اور اب دو سال بعد آنسو بیوی کے نام تھے۔ باب کے گلے لگ کر بھی وہ بالکل وہی سی رہا تھا۔ قطرہ قطرہ بہتا ہوا۔ قطرہ قطرہ بہتا ہے۔ آنسو لہجہ یاد آنا ماضی۔ لہجہ یاد آتے لہجہ نہیں۔

"اللہ اسے بچالینا۔ اسے بچالینا۔" وہ فریادیں بڑھاڑیں مار مار کر دیتے ہوئے اس کے دل میں کی گئی تھیں لیکن آج شاید قبولیت کا وقت نہیں تھا۔

دہر چکی تھی۔ تقدیر بدلی تو نہیں تھی۔ دعی ہی تھی جو کول کول چکر۔

"اشو عائنہ مجھ سے بات کرو۔ میں اب ڈر نہیں کبھی تم سے بے وفائی نہیں کروں گا۔ مجھ سے مت ہو، عائنہ اشو ہیلز۔"

کرسٹین جو زمین جو اس کی محبت تھی اس کی یادداشت اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ عائنہ نیازی جس کی وہ محبت تھا۔ اس کی یادداشت: وہیں لوٹا گئی تھی خالی ہاتھ تو ہمیشہ محبت کرنے والے رہتے ہیں۔ جیسے وہ خالی ہاتھ تھا اور جیسے وہ خالی ہاتھ تھی۔ سفید ابدی چادر اوڑھے ہوئے۔

محبت..... چہ..... انجام..... ہمیشہ ایک ہی..... جدائی..... لوگ آخر محبت کرنا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟

☆.....

اور ایک اور کڑا امتحان، جب ڈاکٹر کے کہنے پر وہ عمر کو کرسٹین کی تصاویر دکھاتی رہی تھی کہ شاید اسے دیکھ کر اسے کچھ یاد آجائے۔ ہنسی مسکرائی تصاویر اس کے دل پر پھریوں کے جیسے لگ رہی تھیں۔ اسے کچھ بھی یاد نہیں تھا۔ کچھ بھی یاد نہیں آیا تھا۔ کرسٹین کی تصاویر کچھ کر بھی نہیں۔ دو سال کب گزرے۔ پانی نہیں چلا۔

☆..... عین اس وقت مقدر نے بنائے کرسٹین جب میں اس شخص کے معیار تک آیا تھا امیدزدیک تھی۔ چھ مہینوں روزہ تھا جب وہ لڑا اور اپنے لیے شاپنگ کرنے آئی تھی۔ وہ اب ایک لمحے کے لیے بھی اس کو نظر دے سے جدا ہونے نہیں دیتی تھی۔ شاپنگ مکمل کر کے وہ دونوں گاڑی میں آ بیٹھے تھے جب عائنہ کو اچانک کچھ یاد آیا تھا۔ عمر کو وہیں گاڑی میں رکھنے اور جلدی داپس آنے کا کہہ کر وہ مال میں گھس گئی تھی۔ بمشکل پانچ منٹ گزیرے تھے جب ایک کابین پھاڑنے والی آواز آئی تھی۔ زمین زور سے چلی تھی۔ وہ یو کھلا کر باہر نکلا۔

اگر شاپنگ مال میں بلاست ہو اتھا۔ ہر طرف چیخ پکارت تھی۔

"عمر....." کہیں دور سے آئی آواز اس کے دماغ کے پردوں کو تھپس تھپس کر رہی تھی۔ اسے لگا اس کا سر کسی تیز دھار پتھر سے کاٹا جا رہا ہے۔ چند لمبے لمبے مٹی کی یادیں..... خون..... چھینٹیں..... صدائیں..... شہر، کرسٹین اور اب..... عائنہ.....

وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے مال کی طرف بڑھا لیکن چکر کر دیں پتھر ملی سڑک پر گر گیا تھا۔ غنودگی میں جانے سے قبل اس نے اپنے نام کی

پہلوان

”آگیا تیرا ابا تو کہہ دینا اسے اگر کل تک
قرض نہ لوٹایا تو گھر سے کوئی چیز لے کر لے جاؤں
گا۔“ پہلوان جی خاصے اکٹا کے اور کے دار تک
دے کر یہ جاوہ جا۔

نوٹھی نے گہرا سانس خارج کیا۔
پہلوان اب بھی کیا کرتے پھرتے ہیں۔ نام
کے لوکان (دکان) لے کر جیسے ہی کوئی قرضے کے
مطالبے والا آتا، لہرائے میں ہی تان کر سو جاتے
ہیں۔ حد سے لوگوں کے ہاتھ دیکھتے ہیں ہوتے۔

ابے نے تو شروع سے بس تیرا پیٹھری اور جھوٹ
بولنا ہی سکھایا ہے۔ بچپن سے جب ہی کوئی چیزوں
کے مطالبے والا آتا، بس بھیج دیتے مجھے کہ نہ دے

ابا گھر پر نہیں اور اب ایسی عادت پڑ گئی ایسے
جھوٹوں کی کہ اگر ابا نہ بھی کہے خود ہی جواب دے
دینا ہوتا کہ ابا ظاں نوٹھی پر گیا۔ دوائی لینے گیا۔

نوٹھی خاصی کوفت سے بڑ بڑانے میں مصروف
تھی۔ حد سے زیادہ بے زاریت، تڑ اور کوفت
لیے تاثرات نے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔

”تیرے ابا کے ساتھ ساتھ تجھے بھی دوائی کی
ضرورت ہے۔ اکیلے ہی بولی جا رہی ہو۔“ آواز پر
نظروں کا رخ موزا تو سامنے احد کا مسکراتا ہوا چہرہ

تھا۔ بڑا تر دنا زہ سادہ بھی اندر تک پر سکون ہو گئی۔
لہو لگا تھا بے زاریت اڑن چھو ہونے میں۔

”چلو جیسا تم کہو۔“ وہ مسکرائی۔ احد نے ہلکا سا

یہ شہر کے مضافاتی علاقے کی ایک گدی اور
ٹوٹی پھوٹی گلی تھی۔ گلی میں معمولی سا کھانہ قدی
تھی۔ رشید قصائی کی دکان پر گوستہ خرک لے
والوں، کالو چچا کی پلاسٹک کے برتنوں کی ریڑھیوں
کے گرد بھجوم اور کاشی کی دکان سے تیز میوزک کا شور
سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔

آج پھر ادھار کی واپسی کا مطالبہ کرنے کوئی
آیا تھا اور ابا معمول کے مطابق اس صورت حال
میں منتظر سے غائب تھے۔ بے چاری نوٹھی

..... (نام تو نوٹھین ہے مگر کہتے سبھی نوٹھی ہی ہیں)
آج پھر جھوٹے بچے بہانے بنانے دکان میں
کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی تھی۔

”چچا! یقین مایے ابا واقعی گھر نہیں ہیں۔ وہ
اپنی دوائی لینے گئے ہیں جیسے ہی گھر آئے تو میں آپ کا
پیغام دے دوں گی۔“ نوٹھی یقین دلانے کی پوری
کوششوں میں تھی۔

”اوں ہوں..... گیا ہے ابا دوا لینے۔“
پہلوان صاحب منہ بکاڑ کر بولے۔ پھر خاصی
بد مزگی سے مزید گویا ہوئے۔

”نٹھی کہیں کاہ پتہ نہیں کہاں پھسا دیا رب
نے مجھے۔“

مقابلہ کون سا کم تھی۔ اس سے بھی زیادہ
بڑا زاریت سے کھڑی تھی۔ پہلوان جی نے اس کے
تاثرات خاصے چہرے انداز میں ملاحظہ فرمائے۔



”اچھا خدا بہتر کرے گا ہم فکر نہ کر۔“
 ابا کو اچانک تیز بخار نے لیا تھا۔ کئی دن
 ہوئے بخار کا زور ہی ٹوٹنے میں نہیں آ رہا تھا اور تو
 اور زشی خور خاصی پریشان ہو کر رہ گئی تھی۔
 ”رشید چچا! میں پیسے سمجھتی ہوں۔ آدھا کلو
 گوشت تو بھیج دیا ابا کو کتنی بنا کر دینی ہے۔“ نوشی
 نے دروازے میں کھڑے ہو کر اونچی آواز میں کہا
 تو اس کے اہانت میں سر ہلانے پر روزانہ بند کر
 کے ابا کے پاس آ گئی۔

روزانہ پھر سے بجاتھا۔
 ”لگتا ہے چچا نے گوشت بھیج دیا۔“ وہ خور
 سے کہتی ہوئی آ گئی۔ دروازہ کھولا تو باہر کھڑے چار
 پانچ آدمیوں پر اس کی نظر پڑی۔
 ”تیرا باپ کدھر ہے؟“ خاصے چار خانہ لہجے
 میں پوچھا گیا۔
 ”آپ کون؟“ وہ ناگواری سے برلی۔

”تیرے ابا سے پیسے لینے ہیں، ہم نے۔ بہت
 رنوں سے اڈے پر آئیں رہا۔ رقم نہ دینے کے
 بھانے بنا مارا پہلے اور اب غائب ہی ہو گیا۔“ وہ
 اسے رکھا مار کر گھر کے اندر کھس آئے تھے۔

ابانے خاصے خور فرہ انداز میں سب کو دیکھا
 تھا۔ وہ ہڈیوں کا زحانہ بنے چار پائی پر لیٹے
 تھے۔

”چلو، جتنا مرضی چھپ لیا مگر ہماری پہنچ سے
 رپورٹ تو نہیں نہ جاسکا۔“ مسخّر آواز فضا میں گھونگی
 تھی۔

”کیا کہہ رہے ہیں آپ لوگ؟“ نوشی
 خاصے تیکھے انداز سے پوچھ رہی تھی۔
 ایک توتہہ بلند ہوا۔

”تیرا باپ لاکھوں ہار بیٹھا ہے جوئے میں
 اور ایک دن کا وعدہ کیا تھا پھر واپس ہی نہیں آیا۔
 پھر ہم نے آئی گئے ہیں۔“ نوشی کو ابا کے بخار کی وجہ

تھیں۔ نوشی کی ماں اور ماسوں بہت پہلے سے ہی
 ان دنوں سے نا طوطا زچکے تھے۔ ابا بہت بے حس قسم
 کا انسان تھا۔ اپنی ذات سے آگے کچھ نظر ہی نہ
 آیا۔ نوشی نے ردھو کر میزک کیا تھا اور پھر دکان
 سنبھال لی۔ احد میزک کے بعد ہی میز میں کی
 زکریٰ کر رہا تھا۔ چونکہ اس کے گھر میں پیسے کم
 تھے، اس لیے کھانا بھی خریدنا ہی نہیں ہوتا تھا۔
 لہذا وہ اپنے کھانے کا سوچا ہی نہیں۔ ابا تھوڑی بھی مدد
 کرنے کو تیار نہیں تھے۔ کوئی سمجھتا نہیں، بس
 جوئے کے چکر میں اپنی خوراک ہی زمین میں
 بس۔ ان کے لیے یہی بہت تھا کہ دکان نوشی کے
 حوالے ہے۔ عیش کرنی ہوگی وہ مگر ہمیشہ بھی ہوتا
 کہ رات کو جب بھی ررون بھر کی کمانی گھننے والی
 ہوتی تھی، پلٹے اور رقم کے ساتھ ہی اڑن چھو ہو
 جاتے۔ وہ بے بسی سے دیکھتی رہ جاتی ان کے
 باپ ہونے کا لانا تھا بھی خاموش رہتی۔

احد ای کے گھر پر ہونا تھا اور وہ بھی مسکرا
 دیتیں اس کی باتوں پر اور کئی تھوڑی پریشان ہو
 جاتیں۔

”ای! یہ پھو بھا کو تو پوری نرسٹن میں آئی۔
 آپ بس جلدی سے نوشی کو اپنے گھر میں لائیں۔“

چاری کی کینوں پر وقت جان اٹکانے بیٹھے سو لی پر۔
 ”تیرا بھو بھا نہیں رہا ہے۔ وہ تو اتنی گندی
 زبان استعمال کرتا ہے کہ گھر میں نہیں داخل ہونے
 دے گا مجھے، پلے نہیں لگے۔“

”نہیں کس بات پر
 اکڑے بیٹھا ہے شروع سے۔“ تیری لہجہ بھری
 زندگی بھی عذاب بنا رہی تھی اور اب اس کی

سکون کیا ہے۔ ”وہ خاصی تشویش سے بول رہی
 تھیں۔ احد نے پریشان ہو کر انہیں دیکھا تو وہ
 بیٹے کو بولیں۔“

مجھ میں آئی تو بے خاصہ غصے کے ساتھ ساتھ بے پناہ زس بھی آیا۔

”دیکھئے! ابھی ابا تیار ہیں۔ آپ پھر کبھی آئیے گا۔“ نوشی نے لالٹا چاہا۔

”لو گڈی! ہمیں کا کا کاجھ رکھا ہے جو تیری ہاتوں میں آ جائیں گے۔ بات آن ہی ختم ہوگی۔“

وہ چار پائی کی طرف بڑھتا۔

”ادب سے نکال ہمارے پیسے خراب خور کہیں گے۔“ اس کے بعد گالیوں کا ایک طوفان منہ سے برآمد ہوا تھا۔

”تیز سے بات کرو۔“ وہ چلائی۔

”اگر نہیں ہیں پیسے تو ہم تیری بیٹی لے جاتے ہیں۔“ ایک آدھی نوشی کی طرف بڑھا۔ وہ خوف زدہ ہو کر روکنے لگ گئی۔

شام ہو رہی تھی اور چھت پر احد آیا ہی تھا۔ لمحوں میں ماجرا سمجھا اور نیچے سے بھاگتا ہوا گھر آیا۔ تب تک وہ آدھی نوشی کو بازو سے دبوچ چکا تھا۔

”چھوڑو اسے۔“ غیرت ساری آنکھوں میں لہو بن کر دوڑنے لگ گئی۔ ان میں سے دوا آدمیوں نے احد کو دھنسا شروع کر دیا۔ اپنی ہمت کے مطابق وہ بھی جوا بابر گرفتار بنا۔ اسی اور محلے کے بہنہ افراد بھی بھاگتے ہوئے آگئے۔

نوشی مسلسل رو رہی تھی۔ کسی نے پولیس کو فون کیا۔ پچھلے محلے میں ہی تو تھا نہ تھا۔ لمحوں میں پولیس سوبائل آئی اور احد سمیت باقی افراد کو گرفتار کر کے لے گئی۔

شام سے صبح ہو گئی۔ آنکھیں درد ہو کر سوچ گئیں۔ صبح ہمت کر کے روشی پولیس ہسٹیشن پہنچی۔

وہاں رپورٹ درج کروائی اور احد کو چند ہزار کے عوض وہاں سے چھڑا لائی۔ بات ختم نہیں ہوئی تھی۔ مگر کافی حد تک ختم ہونے میں تھی۔ دیگر افراد کے کہنے پر پولیس ابا کو بھی گرفتار کرنے آئی مگر ان کی حالت دیکھ کر ہی چھوڑ گئی۔ سانس میں ختم ہونے پر

تھیں۔ آنکھوں میں بے پناہ شرمندگی سب کو کھان کی وجہ سے ہوا تھا۔

”ای! انھیں اپنے گھر چلیں۔ یہاں نہیں رہنا ہم نے۔“ نوشی بھی ہمارے ساتھ جاتے گی۔ وہ اس کے ناموں کا گھر ہے۔ کم از کم اس بے حس انسان سے تو زیادہ نیکوئی دیں گے ہم اسے۔“ وہ مسلسل شے میں بول رہا تھا۔ اسی نے اسے خنفا کرنے کی بہت کوشش کی مگر بے سود۔

سب کو چار پائی پر چڑھے اور دو چوڑے کراہیت ہو رہی تھی۔ نوشی کو بے جا کھانسی ہو رہی تھی ان کی بیٹی ہونے پر۔

”اجد! میں اپنے گھر رہوں گی۔ تم بے فکر رہو۔“ وہ ہمت کر کے بولی۔ احد کا غصہ بڑھ گیا اور وہ غصے میں ہی گھر چلا گیا۔

☆

رمضان شروع ہو گیا تھا۔ ادا دن بدن لاغر ہی ہوتے جا رہے تھے۔ نوشی مسلسل طبیعت پر دکان سنبھال لی تھی۔ دل سے تو وہ ہر ایک کو نہیں ہی مہر دتا۔

ابا کی دیکھ بھال کرنی۔ احد نے اس سے بول جانے بند کر رکھی تھی۔ زندگی ٹیپ سی ہو گئی تھی۔ دکان عمل طور پر اس کے ہاتھ آئی تھی تو قرضے بھی اترنے شروع ہو گئے تھے۔ ابا خاموشی سے لینے رہتے۔

اخباری کے بعد نوشی کپڑے بچھ کر چھت پر پھیلائے آئی تو احد چار پائی پر لیٹا تھا۔ بہت دنوں بعد وہ اتار کچھ رہی تھی۔ ہنگر دھکتی ہی رہ گئی۔ احد نے اس کی جگہ سے نوٹ کی تو اٹھ کر جانے لگا۔ نوشی چونکی۔

”اجد!“ دونوں چھتوں کے درمیان چھوٹی سی دیوار تھی اور وہ دیوار سے لگ کر کھڑی تھی۔ وہ رک گیا۔ جواب پھر بھی نہ دیا۔ منہ دوسری طرف تھا۔ نوشی رونے لگ گئی۔

کی بچکیوں کی آواز نہ رکی۔ وہ دونوں ہاتھ معافی کے لیے باندھے رہے۔ وہ صاف دل کے لوگ تھے۔ ان کی اس حرکت پر دل پیچ گئے۔

”میرے علاوہ آپ لوگ ہی اس کے عزیز ترین ہیں مگر یہ بھی سچ ہے آپ مجھ سے زیادہ اس کا خیال رکھیں گے۔ تبہ پر آپ کا احسان ہوگا اگر آپ اسے اپنے گھر میں عزت دیں تو۔“ ابا انک انک کر بول رہے تھے۔ ماحول میں کافی حد تک سوگواریت تھی۔ بدگمانیاں چھٹی جا رہی تھیں۔

”احد۔“ لکڑ والے ڈھابے میں وہ دونوں بیٹھے تھے۔

”ہوں۔“ روشی کے پکارنے پر وہ بولا۔

”عید کُل ہوگی یا پرسوں؟“

”پتہ نہیں۔ میرے لیے تو ٹھیک آٹھ دن بعد عید ہے جب تم بھی پکی میرے گھر آ جاؤ گی۔“ وہ کافی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

”بے شک۔ بے شک۔“ وہ مسکرائی۔

”احد! تم نے ابا کو معاف کر دیا؟ میں نے کسب کا کر دیا۔“ وہ اچانک بولی۔

”اباں کر دیا۔ ہم کون ہوتے ہیں کسی کو معاف نہ کرنے والے۔ خدا جانے اور اس کے بندے۔“

وکیو یہ تو ہے کہ ہم نے جینا ہی ہے تو پھر کیوں نہ ہم

دل بڑا اور صاف کر کے چھینیں۔ زندگی میں سبھی سکون، برکتیں، خوشیاں اور آسانیاں ہوتی ہیں

جب ہم دوسروں کو معاف کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ دل بڑا کرتے ہیں۔“ وہ بول رہا تھا اور وہ

ہمیشہ کی طرح محبت سے اس میں کھولی تھی مگر آج زندگی بڑا سکون تھی۔

☆.....

”ہینز احد بات تو سنو۔“ وہ بچکیوں سے رو رہی تھی۔ وہ زیادہ دیر تک اسے نظر انداز نہ کر سکا۔

”کیا تکلیف ہے جناب رہنا شروع کرو یا۔“

آواز بے زار کرنے کی بھر پور کوشش کی وہ روٹی رہی۔ وہ بے جاں سا ہونے لگا۔ غصہ دم پڑتا گیا رہے پیشی بڑھنے لگی۔

”نوٹس ہلینز! اب اور تکلیف تو نہ دو۔“ وہ بھی پورے اس پار کھڑا ہو گیا۔ ہاتھوں سے اس کے نیچے گال صاف کیے۔ تم آنکھیں خشک ہونے لگیں۔

معافی، وضاحت..... کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ اس کے آنسو کافی تھے اسے دم دینے کے لیے۔

اب نہیں رونا، بے لکڑ ہو۔ میری لکڑ نہ کیا کرے۔ غصہ آ گیا تھا بس، اتنا کچھ ہونے کے

باوجود بھی تمہارا کچھ خاص۔“

”احد! جو بھی ہے، وہ میرا باپ ہے؟“ وہ

سرم سايولی۔

”سوری یار! بس غصہ آ گیا تھا۔“ وہ

سنت ٹھیک ہے سب، بس تم لکڑ نہ کرو۔ چلوں تمہیں

یک ہر ایک اوروں کا۔ اب مجھے کام ہے تھوڑا۔ اچھا

نیال رہنا۔ اور اسے سلی وے کر بہلانے لگا اور

جانک کچھ یاد آئی کہ الوداعی کلمات کہتا ہے چلا

سایا۔ وہ دیر تک کھڑی اسے سچتی رہی۔

اگلے دن افشاری نے اپنے ابا کی مانی اور احد گھر

آئے۔ نوٹس کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔ وہ لہا کود لیا۔

کھار رہی تھی۔ ابھی وکان بند کر کے آئی تھی۔

”ماجی! میں اس سلسلے میں پہلے بھی آئی تھی یار

ت کہ چلی ہوں۔ آپ سمجھتے ہوں گے اچھی طرح

سے آنے کا مقصد۔ نوٹس کو میں شروع سے اپنی

سچی آئی ہوں۔“ وہ مسلسل بول رہی تھیں کہ ابا

قریش شہک

سلسلہ اربابان

تعداد نمبر 21

قیر بے پائی کی شہسو

”آئی ایم سوہ سوہی۔“ تمہا جنت کی عورت کی خصوصیت ہی شکل بنائی تھی۔
شرن کی ایسی شکل تھی۔ وہ شہری حوا کی ایسی عورت تھی جس کی نشی میں صبر و محبت کی پاشنی شوہر سے دیکھ کر کھل جاتی تھی۔



SCANNED BY FAMOUS ROMANOVELS

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

تھے۔ ویسے بھی اب وہ بھی تھکنے لگی تھی۔ ٹھنڈی ہنسی چھاؤں میں بیٹھنا چاہتی تھی۔ ارشد کی پناہوں میں اپنی
سکھنا اتارنا چاہتی تھی۔

”جی بہت برے لگ رہے ہیں۔“ شمران نے اس کے دونوں ہاتھ کانوں سے ہٹائے۔
”تم پہلے کہو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا۔ دیکھو ماما بھی مجھ سے سخت ناراض ہیں۔ بات تک نہیں کر رہی
ہیں ان کی لاڈلی بہو کا دل جو دکھایا ہے۔ تم معاف کر دو گی تو ماما بھی مجھے معاف کر دیں گی۔“
”میں سب جانتی ہوں۔“

”کات..... تمہیں سب معلوم ہے۔“
”جی ہاں ماما سے میری روز بات ہوتی ہے اور وہ یہاں مجھ سے ملنے بھی آتی رہتی ہیں۔“ ارشد نے
شمران کو گھورا تھا مگر اس گھوری میں بھی پیار و چاہت کوٹ کوٹ کے بھری تھی۔



”خمس، بہو کس قدر نیر ہو؟“

”اور جناب کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔“

”نہایت نیک خیال ہے اور ایک بات تو بتاؤ ذرا منہ نے صبح سے کچھ کھلایا یا نہیں اس پر بھی تمہارا بے اندازہ اتنی ازجی ہے کہ تم مجھ سے مستقل لڑ رہی ہو۔“ ارشد اس کے گھٹنوں کے پاس سے اٹھ کر دوبارہ اس کے برابر بیٹھ گیا اور نظر سامنے نیل پر رکھی ڈیسے پر پڑی جس میں کھانا رکھے رکھے ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

”یہاں آپ سے لڑنے کے لیے میری ازجی مزید بڑھ گئی ہے مگر آپ ایک بات سن لیں کہ میں آپ سے بات بالکل نہیں کروں گی۔“

”اچھا تو کیا آپ ایک لمحہ سے مرے بھوت سے باغی کر رہی تھیں بلکہ لڑ رہی تھیں۔“

”آپ ویسے کسی بھوت سے کلم نہیں ہیں۔“ وہ چڑانے انداز میں سگرا کے بولی تھی۔

”وہ تو تم گھر چلوات کو بتاؤں گا۔ بھوت کیا کیا کر سکتا ہے۔“ ارشد نے پر شوخ لہجہ میں کہا۔

ہونے والے سے اس کے کان میں سرگوشی کی آواز اس کی پیار بھری ذومنی سرگوشی سے کان کی دھڑکی تک سرخ پڑ گئی تھی۔ اس نے پکوں کی باز نیچے کرائی تھی ارشد نے نہایت چاہ سے یہ لوٹ لیے تھے۔ مگر دیکھا تھا۔

☆.....☆

ارشد کے ساتھ ٹرن گھر کے اندر داخل ہوئی تو سب نے ارشد کو ساری نظروں سے دیکھا اور بہت خوش بھی ہوئے اس کے فیصلے پر سب سے پہلے آسید نے ٹرن کو گلے سے لگا لیا۔

”بہت خوشی ہوئی، ارشد تم نے زیادہ دیر تکس کی ورنہ ٹرن کو ہمیشہ دکھ رہنا۔“ ان کا اشارہ ٹرن کی پریکٹسی کی طرف تھا جیسے وہ سمجھ گیا تھا۔

”ٹھیک کہہ رہی ہیں تانی گی آپ مگر بعض اوقات ہم سے انجانے میں بہت بڑی بوی غلطیاں کرتی ہیں لیکن میں اپنی اس غلطی کا ازالہ کروں گا۔“ ارشد نے ٹرن کو مشکور نظروں سے دیکھا۔ ٹرن نے اسے معاف کروایا میں بہت مشکور ہوں۔“

”میں نے تو آپ کو ای وقت معاف کر دیا تھا جب آپ مجھے لینے کے ارادے سے گھر آئے تھے۔“

”دیکھا یہ ہوتی ہے مشرقی بیوی جس کے ضمیر میں مبروہ استقامت گوندھی ہوتی ہے۔“ آسید نے آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ لیا تھا۔ ارشد خاموش رہا صرف فخری نظروں سے ٹرن کو دیکھ کر رہ گیا۔

ٹرن کا سن کر اندر سے ڈالے بھی آگئی تھی اور ٹرن کے گلے لگ کر خوب روئی تھی۔ بڑا مشکل ہو گیا تھا اس کو چپ کرانا، زریل ہی آگے بڑھا تھا اور اسے ٹرن سے الگ کیا۔

”بڑی بات ہے خوشی کے موقع پر خود بھی رو رہی ہو اور ٹرن کو بھی رلا رہی ہو۔“

”سوری ٹرن بھابھی!“ ڈالے نے شرمندگی سے اپنی جھلی آنکھیں صاف کی تھیں۔

”ٹرن کی آنکھوں میں نمی سی تیر نے لگی تھی یہ سچ تھا کہ وہ ڈالے کو بہت چاہتی تھی۔“

”رضا نظر نہیں آ رہا۔“ ٹرن نے بے تاب نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

”آج راجہ پھوسنے سب کو ڈنر پر انوائس کیا ہے۔ وہ وہیں پر ہے۔“ ڈالے نے کہا۔ ٹرن نے سنا کہ ٹرن آئی ہے وہ تیزی سے اپنے بیڈروم میں سے نکلیں۔

”خوش آمدید مائی چائلڈ!“

”اسلام علیکم ماما۔“ وہ خوش ہو کر ان کے گلے سے لگی تھی۔

”جیتی رہو خوش رہو۔“ انہوں نے اس کے ماتھے پر بوسہ لیا تھا۔

”ماما آئی ایم سو ری۔“ ارشد نے نمبر کے کندھے پر اپنا بازو پھیلایا تھا۔

”میری بہو میرے گھر اپنے گھر میری نظروں کے سامنے آگئی۔ میرے دل سے سارے شلوے گلے

پڑی ناراضگیاں دور ہو گئی ہیں۔“ انہوں نے مسکرا کے ارشد کو پھر شمرن کو دیکھا۔

”بہن سہی کہنا تھا ان کا اور ارشد کا دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔ سیروں خون بڑھ گیا تھا۔

”تھیکس ماما“ اس نے نمبر کے سر پر ہار کیا تھا۔

”خوش رہیں میرے سب بچے میرے لیے یہی بہت ہے۔“

”اب تو کوئی ٹکڑ نہیں ہے نمبر؟“ آسیہ نے سوال کیا۔

”نہیں آسیہ بھابھی! اب میں بہت خوش ہوں۔“ نجمہ اور آسیہ اس کے بیڈروم میں لے آئی

تھیں تاکہ وہ کچھ دیر آرام کر لے۔ پھر سب اکٹھے رابعہ کے پورشن میں جمع ہوں گے۔

رابعہ جب رابعہ کے پورشن میں جمع ہو گئے تھے۔ ڈائننگ ٹیبل پر بے شمار ڈشز رابعہ، مقسوم، ژالے اور

راجی کی لگائی تھیں۔ ان کی اہلبپ کرنے آسیہ بھی اوپر آگئی تھیں۔ ہر شخص کی کوئی نہ کوئی پسندیدہ ڈش

راجی کی تھی۔ جب شوکی سے کھا رہے تھے۔ سوائے ارشد انخولان کو وہ تو ویسے اوپر آ بھی نہیں رہی تھی مگر

شمرن زبردستی اسے لے آئی وہ سب لوگوں میں بیٹھ کے تھجک رہی تھی مگر وہ سب اتنے اچھے تھے کہ ٹنگ ہی

نہیں رہا تھا جیسے وہ اسے ستان سمجھ رہے ہیں یا کوئی نیا چہرہ سب بہت اپنائیت اور پیار سے اس سے بات

کر رہے تھے۔

”لاروش، کھاؤ نا، یہ کھاؤ بہت مزے کا ہے۔“ ژالے نے اچار گوشت کی ڈش اس کے آگے رکھ دی

تھی جسے لاروش انخولان نے چھوا تک نہیں چھوا۔

”میں نے امت شرمناؤ سب کو انا ہی سمجھو۔“ نجمہ کے باہر صرف کہا بلکہ خود اس کی ڈش میں پیٹھ میں سے

اچار گوشت کا سالن نکال دیا تھا۔

”جی میں نے کھا لیا بس۔“ نجمہ نے بہت سارا ہی نکال دیا تھا وہ گھبرا کے رہ گئی۔

”ماما اس کی بجائے خود رک ہے مجھے بھی کہہ کہہ کر اسے کھانا پڑتا تھا۔“ شمرن نے مسکرا کے لاروش

انخولان کو دیکھا تھا۔ شمرن نے ان کی اپنی باتیں تھیں۔ دوسری سائید پر ارشد نے حسن کو دیکھا۔

”حسن آفس میں جوڑی کی بیٹھن آئے اسے ڈزپر کب بلا رہے ہو۔“

”ارشد کیا یہ اچھا نہیں ہوگا ہم کھانا کھانے کے بعد ڈسکس کریں۔“ حسن جو بریانی کا ایک چھوٹے منہ کی

طرف لے کر جا رہا تھا یکدم رک کر سنجیدگی سے ارشد کو دیکھنے لگا تھا۔

”اوہ سو ری یارا! میں تو بھول ہی گیا تھا کہ تم نے کھانا کھاتے وقت بات کرنا سخت ناپسند ہے۔“ ارشد کو

تھوڑی سی تکی بھی ہوئی۔

”اس اوکے۔“ ارشد ہولے سے مسکرا رہا تھا مگر وہاں بیٹھی دکھانے ضرور چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی جو

اب سب سے یکسر لاشعق ہو کر کھانا کھا رہا تھا۔ اس کی ہر عادت اور عریضی سے اس قدر متنی جلتی ہے ویسے ہی

لبت پنڈ سے کھانا کھاتا۔

”ویری گڈ بیٹا! بہت اچھی عادت ہے آپ کی۔ ہمیں بھی سکھانا چاہیے کہ کھانا چپ چاپ ہو کر کھانا چاہیے ورنہ ہمارے گھر تو یہ روز ہے کہ ابالگ ہے دنیا بھر کی ساری باتیں کھانے کی ٹیبل پر ہی کریں گے۔“
نہیم احمد نے حسن کو سراہنے کے ساتھ ساتھ زریں اور عارفین پر بھی گہرا طنز کیا جو اس وقت جانے کون کون سے قصبے لے کر اس پر بحث و مباحثہ کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے نجد، آسیہ اور رابعہ کو بھی جو نظروں سے دیکھا تھا جو اپنی ہی باتوں میں لگی ہوئی تھیں۔ پھر تینوں شرمندگی سے اپنی اپنی پلینوں پر جھکت گئیں۔ انہیں ہمیشہ سے ہی بہت بوکوس سے شہادت رہی کہ کھانا کھانے وقت ساری کھنگو کو ایک طرف رکھ دو اور بالآخر یہی ہوا دانیہ کا نام لیا۔ والہ کھانسی کا پھندا جو لگا کھانا چڑا لے کی کھانا چپ چپ سے اپنے اپنے ہاتھ روک لیے تھے۔

حسن نے جلدی سے اپنے آگے رکھا پانی کا گلاس جس میں سے اس نے آدھا پانی پی لیا تھا۔
کے آگے بڑھا ہوا تھا، دانیہ نے گلاس تمام لیا اور ایک دو ٹونٹ پانی پی کر واپس رکھ دیا تھا۔
”دیکھ لیا نتیجہ مگر کوئی سے ہے نا۔“ نہیم احمد کی بنجیدہ سزا کے طور پر ٹیبل پر بیٹھے ہر شخص کو شرمندہ کر رہی تھی۔
دانیہ کی کھانسی تو رک گئی تھی مگر آنکھوں سے بہتا پانی ٹیبل پر کھانا کھانے کے کھانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنے دوپٹے سے اپنی آنکھوں کا پانی صاف کرنے لگی تھی۔

”دانیہ بیٹا! آریو آل رائٹ؟“ رابعہ کو اس کی خاموشی اور کھانا چھوڑنے کی حرکت کی تھی۔ بلکہ وہ تو اور پریشان یوں بھی ہو گئی تھیں کہ اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔
”جی ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔“

”پھر روکیوں رہی ہو؟“ ڈالے نے آہستگی سے پوچھا تھا۔ وہ لوگ تو ویسے بھی ڈھیٹ ہو گئی تھیں۔
احمد کی ڈانٹ کھا کر مگر اپنی ڈھٹائی ڈالے اور حرائے نہیں چھوڑی تھی۔ جس میں اب دانیہ اور مہر موم کھانا شامل کر لیا تھا۔

”ارے نہیں وہ اصل میں سیری آنکھوں سے کھانٹے وقت یا ہنستے وقت پانی آتا ہے۔ میں خود بھی اپنی اس چیز سے پریشان ہوں۔ بہت علاج کرایا مگر کوئی بھی فائدہ نہیں ہوا۔“ وہ بھیلی آنکھوں سمیت مسکرا دی تھی۔ حسن نے بغور اس کو دیکھا تھا۔ اس کا دل اب کھانا کھانے کا نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ پانی پی کر باقی کا بچا ہوا کھانا چھوڑ کر ایکسکیوز می کر رہا ہوا کھڑا ہو گیا تھا۔ سب کا کھانا ختم ہو چکا تھا اب سب کی فرمائش تھی اچھی سی چائے کی۔

”رابعہ آئی اگر آپ کہیں تو میں بناؤں چائے۔“ لاروش اغولان نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔
”کیوں نہیں بالکل بناؤ۔“ رابعہ نے مسکرا کے اس کا گل چھتھپایا تھا۔ شران کے ذریعے لاروش اغولان کے ہارے میں سب کو چٹا چل گیا تھا۔ سب نے اسے اس گھر میں دل سے دیکھ کر کہا تھا۔

☆.....☆

سب تھک ہار کے اپنے اپنے بیڈروم میں جا کر سو گئے تھے۔ رابعہ کے گھر آج کا ڈنر بھی بہت اچھا رہا تھا۔ سب بہت خوش خوش تھے۔ دانیہ کا دل بھی بہت خوش تھا۔ آج اس کی آنکھوں سے نیند روٹی ہوئی تھی۔ جانے کیوں اس کا دل عجیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا۔ کوئی ان آنکھوں کو اپنا اور اچھا کئے لگا تھا۔ اس نے

رواٹ انجسٹ [166] اگست 2015

اپنے بے قابو دھڑکنے والے دل پر ہاتھ رکھا جہاں سے ایک ہی صدا گونجی سنائی دی تھی۔ حسن، حسن حسن.....!

''انف اللہ! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔'' وہ نکلے پر سر رکھے آنکھیں سوندھے لپٹی تھی کہ آنکھوں کی بند چلبوں پر بھی اس کا جھللا ٹکس ابھرا تھا۔ لیٹنے سے اٹھ بیٹھی تھی۔ کمرے میں زبرد پار کا بلب جل رہا تھا۔ وہ بیڈ سے نیچے اترتی اور چلتی، دوئی کھڑکی کے پاس آئی تھی۔ وہ بیڈ پر وہ تھوڑا سا سرکا ہوا تھا۔ نیچے سامنے نجد کے پورٹن پر نگاہ بڑی جہاں نیم روشنی میں کمرے کی طرف کھٹنے والی بانگنی میں حسن کھڑا تھا۔ اس کی انگلیوں میں ایک شعلہ سا چمک رہا تھا۔ غور سے دیکھا تو وہ سموکنگ کر رہا تھا۔ اس کے ذہن کی اسکرین پر پھر سے آفریدی کا چہرہ ابھرا تھا۔

''وہ بھی تو سموکنگ کرتا تھا اور لیفٹ بیڈ تھا اور حسن بھی لیفٹ بیڈ ہے۔'' مگر اس نے اپنا خیال جھٹک دیا اور دل کو سلی وی تھی۔

''نہیں آفریدی اس دنیا میں نہیں ہے وہ مر چکا ہے اور ضروری نہیں ہے کہ اس دنیا میں ایک آفریدی ہی ہے جس کی انوکھی انوکھی عادتیں ہیں۔'' وہ اپنے ذہن کے پردے سے آفریدی کے خیال کو نظر انداز کیے حسن کو بغور دیکھنے لگی تھی۔

اسحاق ہونم بیگان ہونم جو بیگان لگتے ہو کیوں
 نہ لگتی کیوں نہ لگتیوں میں جب سونے سونے ہو تو مجھ میں جھٹکتے ہو کیوں
 جب تجھ کو پاتا ہے دل مسکراتا ہے کیا تجھ سے ہے واسطہ
 کیا تجھ میں ہو سب دنوں میں کیا تجھ سے چاہوں میں کیا تجھ میں ہے میرا
 جانو نہ تجھ میں میرا حسد ہے کیا وہ اجنبی اپنا مجھے تو لگے

دانیہ کے لبوں پر جیسے پہلا ہنی آگئی ہو اس کے دیکھنے میں اتنی تپش اتنی شدت تھی کہ سموکنگ کرتا حسن نے اپنا رخ لپکا سا موڑ کے سیدھا اس کے رخ میں ادھر کی سمت دیکھا تھا۔ حسن کے لبوں اچانک دیکھنے پر دانیہ کا دل دھک سا رہ گیا وہ تیزی کے پیچھے دوئی اور دیوار سے چبلی اپنے دھڑکنے والے دل پر ہاتھ رکھے اپنی چوٹی سانس کو بحال کرنے لگی۔ چہرے پر اس کی سوچ لے آگیا کال سا پھیل گیا جیسے وہ اس کے سامنے ہی کھڑا ہے۔

دانیہ نے غور سے اس کے چہرے کی آڑ سے چپکے سے جھانکا تھا مگر اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ حسن اندر جا چکا تھا بانگنی کا دروازہ بھی بند تھا اور اس پر وہ بیڈ پر وہ بھی براہ راست دانیہ بولے سے مسکرا دی اور پردہ برابر کیے اپنے بیڈ کی طرف آگئی اور آرام سے لیٹ بھی گئی۔ اس کی آنکھوں میں حسن کے لیے بہت سی روشنی تھی اب تو لگتا ہے سنے بھی اپنی ذہن جاں کے آئیں گے۔

سیدھی سادھی معصوم سی وہ لڑکی اس کے دل میں اتر گئی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے دل اسے ایک زمانے سے چاہنے لگا تھا۔ یہ دل بھی کتنا نادان ہے اس کے پار کی خواہش کر بیٹھا تھا۔

حسن، ہر اہلہ کے پورٹن سے آکر اپنے بیڈ پر دم میں آنے کے بعد سو باہی نہیں تھا۔ ادھر سے ادھر ٹھٹھا رہا تھا۔ جب مسکریٹ کی طلب جاگی تو سموکنگ کرنے کی طلب جاگتی وہ مسکریٹ سلگاتا اپنے کمرے کی بانگنی میں چلا آیا تھا۔ وہ یونہی آسمان پر جھپکتے چوڑھوں کے چاند میں اس کا چہرہ عکاس کر رہا تھا۔ اس کے منہ کی گداز لبوں پر زندگی سے بھر پور مسکراہٹ رہنے لگی تھی۔ دل اسے لہرت چاہنے لگا تھا دعا کرنے لگا تھا کہ

اس کا ساتھ اس کی زندگی بھر کے لیے ہو جائے۔ وہ یونہی اس کے خیالوں میں کھویا رہتا چاہے اس کا چہرہ کتنا رہتا اگر ایسا محسوس نہ ہوتا کہ کوئی اسے بنور دیکھ رہا تھا اپنی نگاہوں کی تپش سے اس کا وجود جلا رہا تھا۔ حسن کی نظر بالکل بے ساختہ اوپر سامنے واسلے پورٹن پر پڑی تھی۔ کوئی بہت تیزی سے چبھتا ہوا تھا اور وہ جانتا تھا وہ کون ہے۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی ایک نظر پر وہ پر ڈال کر وہاں سے ہٹا چلا گیا تھا۔ رات کا تیسرا پہ تھا اس کی آنکھ پانچ دس منٹ پہلے ہی گئی تھی۔ کمرے میں زبردیاور کا بلب جل رہا تھا مگر شاید وہ بھی بند کر دیا گیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے ناقول وجود پر کسی کی انگلیاں سرسرا رہی ہیں۔ کسی کی گرم سانسوں اس کا چہرہ چھلناری تھیں۔ کوئی تھا جو اس کے بے حد قریب تھا۔ اس کے وجود کو اپنی ہاتھوں کے حصار میں قید کیا ہوا تھا۔

دانی کی آنکھ کھلی تھی۔ وہی نیند کا خمار اس کی آنکھوں میں تھا۔ کمرے میں گھپ اندھیرا تھا اس کی ساری ہمت اس کی ساری سوچنے سمجھنے کی طاقت مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ کسی نے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی ہاتھوں میں قید کیا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا آج اس کے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ وہ چیخنا چاہتی تھی مگر زبان تو جیسے تالو سے چاچکی تھی۔

”ہائے جان آفریدی!“

یہ چند جملے یہ سمجھتے آواز اس کے کانوں میں ایسا لگا تھا جیسے کسی نے اس کے دل کو تھپکا دیا ہو۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں پٹی کی پٹی رہ گئیں۔ نیند کا سارا خمار ہرن ہو گیا تھا۔ وہ آفریدی کی کا چہرہ کیسے دیکھتی اس گھپ اندھیرے نے ہر شے اپنے اندر گم کر دی تھی۔

”بہت خوب صورت ہو گئی ہو تم تو میری جدائی نے تمہیں بہت حسین بنا دیا ہے۔ دل ہی ممکن کرنا کہ تم سے اپنی نظریں ہٹائی جائیں۔“ وہ اس کے چہرے پر اپنے ہونٹوں کے کس سے ہر نقوش تحریر گم کر رہا تھا اور وہ اتنی بے بس تھی کہ کوئی مزاحمت بھی نہیں کر پار ہی تھی۔ ہر بار کی طرح وہ اس بار بھی ہار گئی تھی۔ دل ہی اتنی ہی طرح دھڑک رہا تھا جیسے سینے کی پہلیاں توڑ کے ابھی باہر آ جائے گا۔ اس کے ساتھ آخری بتائے وہ لمحات وہ آج بھی نہیں بھولی تھی۔ مگر وہ لمحات وہ پل وہ خون آلود شام جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دم پڑتے جا رہے تھے۔ اس رات سب ایک ایک کر کے پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔ اس کے زخموں سے خون رسنے لگا تھا۔

”آفریدی زندہ ہے۔“ نہایت آہستگی سے اس کے صرف منہ سے یہ جملے ادا ہوئے تھے مگر وہ بھی آفریدی تھا جو قیامت کی نظر اور بلا کی ساعت رکھتا تھا۔

”ہاں میں زندہ ہوں اور صحیح سلامت تمہارے پاس ہوں، ورنہ تمہارے باپ نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مجھے مارنے میں۔“ آفریدی اس کی کھپکھپاتے ہوئیوں پر انگلیاں پھیر رہا تھا۔ چھوڑو مجھے۔ ”وہ اس کے دیکھتے کس پر کسمسائے لگی تھی مگر آفریدی نے اس کی جھٹلاہٹ اس کا کسمسائے سب کچھ ایک بار پھر خود میں سمیٹ لیا تھا۔ اس کی ساری مزاحمت اس کا احتجاج سب کچھ اس کی مضبوط ہاتھوں میں دم توڑ چکا تھا۔

☆.....☆

کھڑکی سے آئی سورج کی تیز کرنوں سے اس کا چہرہ روشن ہو گیا۔ بے ساختہ اس نے اپنی آنکھوں پر

ہاتھ رکھا تھا اور سیدھے ہو کر لیٹ گئی تھی وہ بغور چہمت کو گھورتی رہی تھی اس کے ذہن کی اسکرین پر وہ سب رات جو کچھ ہوا وہ گھومنے لگا تھا۔

”کیا تھا وہ سب؟“

وانیہ تیزی سے اٹھی تھی۔ اس کی کمر اور ہاتھوں میں شدید درد کی ایک لہر اٹھی تھی۔ کمرے کی چاروں طرف نظر دوڑائی کرہ بالکل صاف ستھرا ہو رہا تھا۔ بیڈ کو دیکھا جس پر معمولی سی بھی شکن نہیں تھی جس کا مطلب تھا بیڈ پر اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

”وہ خواب تھا میرا۔“ وہ منہ میں ہی بڑبڑاتی تھی۔

اتنا بھیاں تک اور جان لیوا خواب، اس کا دل اندر سے ہم کر رہ گیا تھا۔ اس نے اپنے چہرے کو ہاتھ لگایا ایسا محسوس ہوا جیسے ابھی بھی اس کا دکھنا کس موجود ہے۔ وہ تکلیف برداشت کرتی ہوئی اٹھی اور تندر آدر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

”نہیں آفریدی مر گیا ہے۔ وہ زعرہ نہیں بچ سکتا۔ بابا نے اسے بہت بری طرح سے مرد دیا ہے۔ اس کا بچا ہونگے۔“ وہ خود کو سمجھاتی ہوئی وارڈ روم کی سمت پڑھی اور ایک پرسکون اور شکر کا سانس لیتی وارڈ روم سے ایک کائن کا سوٹ نکال کر دوش روم میں جا گئی تھی۔

☆.....☆

مقررہ وقت پر راجہ نے راجہ کی تیاری کر رہی تھی۔ راجہ نے اسے آلو گوشت کا سالن بنانا سکھایا تھا۔ دیکھا بنانے لگی تھی۔ کچن کاٹ کر چولہے پر چڑھا دی تھی اب کھڑی سینک کے پاس گوشت دھو رہی تھی۔ نجد کے پور میں سے چند سوڑی آدازیں آنے لگی تھیں۔ اس نے تل بند کیا اور ہال میں آئی اور نیچے جانے والی سیڑھیوں کی ریٹیلنگ پر کچے بچے جھانکنے لگی تھی۔ نیچے ہال میں سب جمع تھے۔ اس نے غور سے دیکھا صوفے پر عارضین بیٹھا تھا اس کے ہاتھ پر سفید بی بی ہندی ہوئی تھی اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ وہ تیزی سے نیچے آئی تھی۔

”تجاؤ میری جان! یہ سب کیسے ہوا؟“ راجہ نے راجہ کی طرف سے دیکھا اس کے پاس بیڈ کر۔

”اسی ایک پلیٹ پر پیلے رنگ کا بنا بنا کر میں۔“ اس نے بائیں بازو دردی ہوئی راجہ کے شانے پر پھیلا دیا۔

راجہ نے دیکھا کہ راجہ کے پاس آکر اس کے پاس آکر بیٹھ گئی تھیں۔

”بڑی مامی بات ہوئی تھی۔“ دراصل آپ لوگوں کو تو پتا ہے کہ ہمارے کراچی کے حالات کس قدر خراب ہیں۔ کچھ موزر بائیک پر بیٹھے لوگوں نے دہشت پھیلانے کے لیے ہوائی فائرنگ کی تھی بس میں ان کی گولیوں کی زد میں آ گیا۔“

”تم سچ بول رہے ہو؟“ راجہ نے منہ کی نظر میں سے عارضین کو گھورا۔

”بالکل سچ۔“ اس نے مسکرا کے جواب دیا۔

”پتا نہیں ہمارے کراچی ہمارے ملک پاکستان کے حالات کس قدر خراب ہیں۔“ عارضین نے کہا تھا۔

”عارضین.....!“ زمر ریل کو جب پتہ چلا وہ فوراً سب کام چھوڑ کے سیدھا گھر آیا تھا۔ عارضین نے

رسل کی سمت دیکھا۔

”اوہ صلیکس گاڈ تم آگے۔ پلیز مجھے میرے کمرے میں لے چلو ان خواتین نے رورو کے آج سیلاب لے آتا ہے۔“ عارفین نے بڑی بے چارگی سے زر سبل کو دیکھا تھا۔

”ٹالے کی توجہ سے گئی سر پر تھی۔ وہ نہایت سلیقہ نظر دوں سے عارفین کو دیکھنے لگی۔
”یہ بولے کہ آپ کو ہماری جگہوں کی قدر نہیں ہے۔“ ٹالے کے سختے ہوئے جواب پر عارفین فیس پاتا تھا۔

”خدا کے لیے اپنی محبت زر سبل کے لیے ہی وقف رکھو۔ مجھ جیسا کمزور دل انسان تمہاری جتنی محبت زر نہیں کر سکتا۔“ وہ اس حالت میں بھی اسے جھڑنے سے باز نہیں آیا تھا۔

”ہاں ایسے ہی تو کمزور دل انسان ہیں آپ جیسا۔“
”ٹالے بری بات بھی تو موقع محل دیکھ کر بولا کرو پھر جگہ عارفین سے لڑائی کرنا شروع کر دیتی ہو۔“
”آہستگی سے ڈپٹا تھا۔

”ہاں لکل درست کہا آپ نے نجمہ مائی یہ بالکل جنگلی لڑاکا کا بی بی ہے۔“ عارفین مزاح لینے لگا تھا۔
”عارفین مہائی آپ نے مجھے لڑاکا کہا۔“ ٹالے بھڑک اٹھی۔

”ٹالے.....“ زر سبل نے سختی سے ایک آنکھ دبائی وہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔
”ٹھیک سے سب مجھے ہی ڈانٹو نہیں کہتی میں کچھ بھی کسی کو۔“ نجمہ منہ بھلائی تھا۔
”ٹالے بد تمیزی مت کرو۔“ نجمہ نے گھر کا بلکہ چاہ تو یہی رہی تھیں کہ ایک بڑی بھی لگا دیکھیں۔
”ارے نجمہ مت ڈانٹو ٹالے کو۔ پتہ تو ہے عارفین کتنا تنگ کرنا ہے اسے۔“ آسیر نے اس کی حمایت کی تھی۔

”پھر بھی آسیر بھائی یہ دیکھ رہی ہے تاکہ راجہ کس قدر پریشان ہے عارفین تکلیف میں ہے اور ان کو فنی سوچ بھی ہے۔“ نجمہ کو اس وقت ٹالے کا منہ بھلانا سخت ناگوار گزارا تھا۔ عارفین نے دیکھا کچھ زیادہ ہی کیا ہے۔

”نجمہ مائی رہنے دیں۔ میں تو صرف مذاق کر رہا تھا اور میں واقعی اس بالکل ٹھیک ہوں۔“ وہ چہرے پر شست لانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اس کی وجہ سے پریشان ہو۔ سب اسے ہنستا مگر اتنا دیکھ کر مطمئن ہو گئے تھے مگر زر سبل سب سمجھ گیا تھا کہ ان سب کے پیچھے کون ہے۔ زر سبل نے اسے مایا کیا تھا۔ وہ دونوں اوپر جانے لگے سائیڈ میں گم صہ سی کھڑی مقسوم پر نظر پڑی تھی۔

”مقسوم آ رہو آہل رات؟“ زر سبل اور عارفین رک گئے تھے مگر مقسوم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ سب اس کی خاموشی کی وجہ بھی جانتا تھا۔

”گھر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ زر سبل نے دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور عارفین کو یہ اور اس کے بیڈروم میں لے آیا تھا۔ مقسوم بھی اس کے پیچھے چل دی تھی۔

وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ عارفین کے ساتھ یہ کس نے کیا تھا اسفند درانی اور یاد درانی کسی بھی حد تک سکتے ہیں اس کا اعزازہ تھا اسے۔ مقسوم بنور عارفین کو دیکھنے لگی تھی وہ اگر اس حال کو تھا اتنی تکلیف میں تھا تو اس کی وجہ وہ خود تھا۔

عارفین نے مقسوم کو اس طرح غور سے دیکھنے پر نظر بن چرائیں۔ زرمیل نے اسے آرام سے بیڈ پر لایا۔ وہاں دو الی کھائی تھی مگر شینڈ بھر بھی نہیں آ رہی تھی۔
 "تم آرام کرو میں بلجوتی سے مل کر آتا ہوں۔"
 "اوکے۔"

زرمیل کے جانے کے بعد مقسوم بیڈ کے نزدیک آئی تھی۔ عارفین نے اسے دیکھا تھا۔
 "میں جانتی ہوں آپ نے جو کچھ لپچے کہا ہے وہ سب جھوٹ ہے اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ کی یہ زنت اسفند چاچو اور یاور کی ہجر سے ہے۔"
 "تو پھر۔"

"تو پھر یہ کہ میں مزید آپ کا نقصان نہیں چاہتی ہوں خدا نخواستہ آپ کو اگر کچھ ہو جاتا تو میں آپ کے گمراہوں کا کیسے سامنا کرتی۔" آواز رد ہانسی سی ہوئی تھی۔
 "مگر مجھے کچھ ہوا تو نہیں نا۔"

"نہیں عارفین! وہ لوگ بہت خطرناک ہیں اپنی زندگی بچانے کے لیے میں آپ کی زندگی خطرے میں ڈال رہی ہوں۔" دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پوست کیے وہ مرد زری تھی۔
 "انجانو مجھ سے مقسوم صاحب! یہ بھی بتانا پسند فرمائیں گی کہ آگے کیا سوچا ہے آپ نے؟" اس نے سے جیسے لہجے میں مقسوم کا طالب کیا تھا۔

"جی کہ میں وہاں نہیں جلی جاؤں گی۔"
 "اس سے کیا ہوگا؟" عارفین نے مرسکون چہرے پر معمولی سا غصہ نمودار ہوا تھا۔
 "کم از کم وہ آپ کو نقصان تو کھل جائے گا۔"
 "ادھر تک میرے نقصان کی نہیں پڑوہ ہے؟" لہجہ کا یہ تیر اس کے دل پر لگا تھا۔

"صرف مجھے ہی نہیں آپ کے سب گمراہوں کو پڑوہ ہے آپ کی اور اس سے پہلے کہ اسفند چاچو اور زری کو کوئی کارروائی کریں کچھ برا کریں میں ان کے ساتھ جی جلی جاؤں گی۔ وہ جہاں بھی لے جائیں گے وہ جیسے ناگرم سہری براہی لیتا چلتے ہیں۔ تو کوئی بات نہیں میں آپ کے لیے یہ بھی کرنے کو رہتی ہوں۔" اور اس سے پہلے کہ وہ آگے بولتی عارفین نے اس کی کھائی جو کچھ وہ اپنا توازن سنبھال نہ سکی۔
 "وہ وجود کے ساتھ نہ رہیں برا آگرمی تھی۔"

"یہ بات تمہیں میری زندگی میں آنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔ ہماری شادی کسی بھی طرح ہوئی ہو مگر یہ بھی سچ ہے کہ تم میرے نکاح میں ہو، میری بیوی ہو، میری عزت، میری غیرت..... اور اگر میری عزت کی طرف کسی نے بھی بری نظر ڈالی میں اس کی آنکھیں نکال لوں گا اور میری عزت کی حفاظت تم پر ہی لاگو ہے۔ بے شک لندن جیسے آزاد شہر میں تمہاری پرورش ہوئی ہو مگر یہ پاکستان ہے یہاں کا شوہر کی عزت کے لیے بہت غیرت مند ہوتا ہے۔" اس نے مقسوم کی سیاہ کالج جیسی آنکھوں میں جھانکا تھا اور سے نہایت ہولت سے خود سے مزید قریب تر کیا تھا۔

"اور تم میری عزت اور غیرت کے علاوہ میری محبت بھی ہونے لگا۔" عارفین نے دھیرے سے اس کے رے پر آئی کر لیٹوں کو چھیڑا تھا۔ مقسوم کے دل کی حالت کی اسے ذرا پریشان نہیں تھی۔

"اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم بے شک مغربی ماحول میں پلی بڑھی ہو گرا اور سے انہی مشرقی عورتوں کی طرح ہو جو اپنے شوہر سے اپنا حق وصول کر کے زندگی بھر انہی کے ساتھ اپنی زندگی کی آخری سانس تک جزی رہنا چاہتی ہیں۔ اس لیے اگر میں نے اپنا حق وصول نہیں کیا تو اسے میری کمزوری مت سمجھنا، مجھے زیادہ ناگم نہیں لگے گا تم سے اپنا حق وصول کرنے میں۔" عارفین کا جو معمولی سا بھی غصہ تھا وہ اس نئے چہرے کی مصحوبیت دیکھ کر فوراً چکر ہو گیا تھا۔ ان سیاہ کالج میں زمانے بھر کی مصحوبیت رقصاں تھی۔ جس نے عارفین کا قرار لٹ لیا تھا، بہت پیار آیا تھا اس کے ہاں انیاں اڑتے چہرے پر وہ جانتا تھا کہ اس کے دل کی حالت زیروہیم ہے۔ بائیسواں اس کے تیز دھڑکنے والے دل کی شور کی آواز سن سکتا تھا۔ مسکراتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ مقوم کے سر پر رکھ کر اسے تھوڑا اور جھکا با اور اس کی عرق آلود پیشانی پر ہاتھ جاری کر دیا۔ "تو تم نے اپنا اور نہایت آہستگی سے اسے خود کے حصار سے نکال دیا تھا۔ وہ مزید اسے تنگ نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

"جاؤ شاباش یکن میں جا کر میرے لیے کچھ کھانے کے لیے لاؤ بہت زور کی جھوک گئی ہے۔"

نے کر زنی پگلوں سے عارفین کو دیکھا جہاں زندگی سے بھرپور مسکراہٹ رقصاں تھی۔ آنکھوں میں بے پرواہ شوشیاں تھیں چہرے پر تکلیف کی معمولی سی بھی رقت نہیں تھی اسے حیرت ہوئی تھی کہ اس قدر تکلیف اور اذیت میں ہے مگر نہ تو چڑچڑاپن تھا نہ ہی کوئی الجھن۔

"ہو گیا میرے چہرے پر تبصرہ۔" عارفین نے اسے چونکا دیا تھا۔ لیکن وہ کیسے اس کی سوچ تک رسائی حاصل کر لیا تھا۔

"مسز مقوم عارفین! تمہارے شوہر کے بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ دو چھوڑی جھاکٹ کر سکتا ہے۔ اس لیے بے فکر ہو اور آگے کی فکریں اور سوچیں میرے لیے چھوڑ دو۔ اسفند درانی اور یامور دانی سے کیسے نمٹا جائے گا، میں اچھی طرح جانتا ہوں مگر تم بھی اپنے ذہن میں یہ بات بٹھا لو کہ یہ دونوں صرف کھڑے ہو کر بھبکیاں دے رہے ہیں وہ میرا نہ تو کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ ہی تمہارا بال بیکا کر سکتے ہیں یہ مقوم کے پر سکون ہو کر نکلیں جھکا لیں۔"

"کھانا ملے گا اب؟"

"لائی ہوں۔" اور کھانے سے یاد آیا کہ اس نے تو چوبیسے پر بیاز چڑھائی تھی وہ اب تک کوئلہ ہو گئی ہو گی۔ وہ جلدی سے کمرے سے نکلی تھی۔

مقوم کو وہ اب ہر صورت میں منالینا چاہتا تھا۔ وہ اپنی زندگی کو خوشگوار بنانا چاہتا تھا۔ اسے الجھنوں میں ڈال کر یا مقوم پر غصہ کر کے مقوم کی سوچ کو غلط رخ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسفند اور یامور نہایت شاطر اور چالاک تھے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر مجھے نقصان پہنچائیں گے تو مقوم ٹریپ ہو جائے گی اور مقوم انہی مقوم ہے وہ جلدان کی باتوں میں آجائے گی جو کہ عارفین نہیں چاہتا تھا۔ مگر کھیل یہاں ختم نہیں ہوتا وہ ضرور مقوم سے کاٹکٹ کرنے کی کوشش کریں گے اور یہ ضروری ہے کہ مقوم پر بھی نظر رکھی جائے۔ دو اپنی بے وقوفی میں ضرور کام بگاڑ لے گی۔

مقوم تیزی سے یکن میں آئی جہاں راجہ اور لاروش انخولان کھڑی تھیں آہٹ پر لاروش انخولان نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

"مقوم! میں نے آپ کا سالن بھی تیار کر دیا ہے اور عارفین بھائی کا چکن سوپ بھی بنا دیا ہے۔"

”وہ دراصل میں بالکل بھول گئی تھی۔ وہ شرمندہ ہوئی۔“

”کوئی بات نہیں جیسا تم ہی نہیں ہم سب پریشان ہو گئے تھے۔ وہ تو لاروش کو بٹلنے کی بدبو آئی تو وہ فوراً کچن میں آئی تھی اور سارا کھانا تیار کر دیا۔“ رابعہ نے مقسوم کو بیار سے دیکھا تھا۔
”ہیٹیکس لاروش۔“

”اب آپ زیادتی کر رہی ہیں۔“ لاروش اغولان کو مقسوم کا ہیٹیکس بالکل اچھا نہیں لگا۔
”اوکے بھر میں نے اپنا ہیٹیکس واپس لے لیا۔“ مقسوم مسکرا دی جس کا ساتھ لاروش اغولان نے بھی دیا تھا۔

”مقسوم اگر عارفین جاگ رہے ہیں تو انہیں یہ سوپ وے دو۔“ رابعہ نے سوپ کا ٹچ کی ڈش میں کال کر ڈش اور کالج کا میالہ چمچے سیٹ ٹرے میں رکھ دیا۔
”جی امی وہ جاگ رہے ہیں اور انہیں بھوک بھی لگ رہی ہے۔“

”تو ٹھیک ہے تم یہ ٹرے عارفین کو دے آؤ ہم جب تک ٹیبل پر کھانا لگاتے ہیں آج لاروش بھی ہمارے ساتھ کھانا کھائے گی۔“ رابعہ نے مسکراتے ہوئے ٹرے مقسوم کو تھمائی اور کینٹ سے پلٹیں نکالنے لگیں۔
روفین اغولان نے ان کا ساتھ دیا اور ٹیبل پر کھانا پھینے لگی۔ حسن ابھی اوپر سے عارفین کی خیریت پوچھ کر کچن سے میں آیا تھا۔ وہاں حسین آفریدی کو دیکھ کر اس کا ہاتھ کاٹھا تھا۔

”میں نے کہا تھا کہ میرا شک وہی ہے جو آپ سمجھ رہے تھے مگر آپ نے تصدیق نہیں کی اس لیے مجھے یقین کرنے کے لیے آپ کے کمرے میں آنا پڑا نا صرف آپ کی چیزوں کو بھی چھڑنا پڑا۔“
حسین آفریدی کی آنکھوں میں نمی تھی، اس کے ہاتھ میں وہ ضروری کاغذات شناختی کارڈ اور اس کا فحشی مہم تھا۔

”آپ کیا سمجھتے تھے میں آپ کو بچپان میں بااثر کیا ہے جو کمرے کے کھانے پر دیکھا تھا آپ سے کہہ لیا تھا میرے دماغ میں شک کی گھنٹیاں بجا رہی تھیں اور آج دیکھ لیں میرے شک کو یقین کی بان بٹل کر لیں۔“ حسین آفریدی نے وہ اہم کھول کے اس کے آگے کیا جس میں وہ ساری بچپن کی تصاویر تھیں وہ حسن کے ساتھ اور سلوٹ کے ساتھ کھڑا تھا۔ تو یقین حسن آفریدی کے کندھے پر چڑھا ہوا تھا۔
حسن نے دباؤ دینے کے لیے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے۔ تو وہ حسن آفریدی کے بازوؤں میں چھپ جاتا۔

”میں جانتا ہوں تم سب کو۔“ حسین آفریدی نے بہت تیز دماغ سے کہا۔ ”حسن آفریدی نے اپنے دونوں بازوؤں کو پھیلایا۔“ حسین آفریدی تیزی سے اسی طرح اس کے گلے سے لگا تھا۔ جیسے بچپن میں اس سے لگتا تھا سلوٹ آفریدی اور حسین آفریدی کے لیے بہت چاہتے تھے۔ مگر اس کی پوری شبہ حسن آفریدی سے ملتی تھی اس کی بلوریں آنکھیں خاندان بھر میں مشہور تھیں۔ جو حسن آفریدی کے جیسی نہیں اس لیے وہ سلوٹ آفریدی سے زیادہ حسن آفریدی کے قریب تھا۔

”کیوں اتنے سال ہم سے دور رہے آپ۔“ دلیر چاچا اور شہلا بچھو کو کھونے کے بعد ہم نے آپ کو اور بلہ چچی کو بہت ڈھونڈا مگر آپ کا کوئی پتہ نہیں ملا۔ کیوں ہی بھائی اپنے سالہ آپ لوگ ہم سب سے دور ہے۔“ وہ حسن آفریدی کے گلے سے الگ ہوا تھا اس کا چہرہ رونے کی وجہ سے پورا بھیگا ہوا تھا۔ حسن

آفریدی خاموش رہا۔ صرف اس میں اپنا آپ دیکھنے لگا وہ چہرہ جسے اس نے کھو دیا تھا۔
 ”پلیز ہنی بھائی اب تو بول لے مجھ۔ کیا وجہ تھی جو آپ ہم سے دور رہے؟“
 ”شہلا پھپھو کی وجہ سے؟“

”شہلا پھپھو کی وجہ سے..... کیا مطلب ہنی بھائی، شہلا پھپھو تو کھائی میں گر کے مر گئی تھیں نا۔ ہاں مگر ان کی لاش ہم نے بہت دکھائی وہ نہیں ملی۔“
 ”نہیں..... شہلا پھپھو زندہ تھیں۔“
 ”زندہ تھیں؟“ شہلا پھپھو نے کو ایسا لگا جیسے اس بلڈنگ کی پوری چھت اس پر آگرتی ہو۔
 ”زندہ تھیں تو اب تک کہاں ملتی۔“
 ”میرے پاس۔“

اور پھر حسن آفریدی نے حسین آفریدی کو اپنے گزیرے واقعات در بیان شیخ و ادینا اپنے بارے میں بتا دیا تھا۔ وہ سب بھی جو اس نے ارشد سے چھپایا تھا۔
 کتنی ہی دیر تک حسین آفریدی سنانے میں بیٹھا رہا تھا ان کی بلوری آنکھیں جیسے پتھر اگی ہوں۔ زنگین نالو سے جا چکی ہو جیسے کبھی نہ بولنے کی قسم کھائی ہو۔
 ”کیا ہوا، چپ کیوں ہو گئے؟“ حسن آفریدی نے جاہد و سناکت کے چہرے کو دیکھا تھا۔ حسین آفریدی نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر زمانے بھر کا فرق تھا۔ کربت و اذیت تھی اور کچھ کھونے کا غم بھی۔ حسین آفریدی کی جاہد و سناکت وجود میں حرکت پیدا ہوئی وہ دہریا ہوا تھا اور حسن آفریدی کے قدموں میں آ بیٹھا تھا۔

”اتنا بھرا اپنے دل پر خود پر اٹھائے ہوئے تھے تو کیوں مجھے نہیں بتایا میں تو آپ کا راز ڈوان تھا آپ کا پرتو آپ کی جان تھا۔ پھر مجھ سے کیوں دور رہے آپ؟“
 ”کیا کرتا شہلا پھپھو کو بھی تو بچانا تھا۔ ہر علاج کر لیا، ہر ملک، شہر، گاؤں سب جگہ لے کر گیا مگر ان سکتے نہیں ٹوٹا اور ٹوٹا بھی تو جب..... جب بہت دیر ہوئی تھی۔“
 ”شہلا پھپھو، ولید چاچو کے جانے کے بعد بہت بدلاؤ آ گیا تھا ہمارے خاندان میں۔ وہ پہلے جیسی پست سوچ وہ پرانے ریت و رسم و رواج سب کو بی جان نے کسی گہری قبر میں دفن کر دیا تھا مگر وہ نیلہ چچی اور آپ کو آج بھی بہت یاد کرتی ہیں اور چھپ چھپ کے روتی ہیں۔“
 ”ہاں وہ ہمیں چاہتی تھی تو بہت تھیں۔“ اس کی بلوری آنکھوں میں بی جان کا پائیکزہ چہرہ دکھوم گیا تھا۔
 ”اب آپ نے آگے کیا سوچا ہے؟“

”بس بھی کہہ دینا کہ وہاں کہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لندن شفٹ ہو جاؤں گا۔“
 ”اور ہم لوگ میں..... میرے بارے میں نہیں سوچا کہ اب آپ ہمیں مل گئے ہیں تو ہمارا کیا ہو گا۔“
 حسین آفریدی نے بے باکی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

”نہیں..... مگر ہاں تمہیں نون کرتا رہوں گا۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ میں شہلا پھپھو کا یہ راز اپنے دل تک ہی چھپا کر رکھوں گا۔ انہیں سب کے سامنے لا کر ان کی روح کو شرمندہ نہیں کر دوں گا۔ جب تک زندہ رہیں۔“
 ”تکلیف میں تھیں بہت مگر ان کے جانے کے بعد میں تم لوگوں سے مل کر کیا جواز پیش کرتا کیا بتاؤں کہ کئی مجھے

کہاں لے گئیں بابا کے مرنے پر گاؤں کیوں نہیں آئے۔ ایسے بہت سے سوالات جن کا جواب شہلا چھپو سے شروع ہو کر شہلا چھپو پر ہی ختم ہوتے ہیں۔

”تو پھر یہ سب آپ نے مجھے کیوں بتایا؟“ اس نے حیرت بھری نظروں سے سوال کیا۔
”کیوں کہ میں ہی نہیں شہری چھپو بھی تمہیں بہت چاہتی تھیں۔“ حسن آفریدی نے اس کی چھوٹی سی ناک دبائی تھی۔

”تو پھر آپ بھی سن لیں یہ راز اگر آپ نے مجھے دیا ہے تو اس کی حفاظت میں اپنی آخری سانس تک کروں گا۔ شہلا چھپو مجھے بھی اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہیں۔“
”ویری گڈ، مجھے تم سے یہی امید ہے۔“

”اچھا چلیں یہ سب ایک طرف اب یہ بتائیے کہ ہمارے بھائی کہاں ہیں؟“ حسن آفریدی نے اپنا چہرہ صاف کیا اور اس کے برابر میں آ بیٹھا۔
”یہیں ہے۔“

”یہاں پر ٹرک کون؟ میں تو یہاں سب سے مل چکا ہوں۔ ڈالے آئی، حرا بھابی، شرن آئی اور مقوم بھابی کو بھی جانتا ہوں۔“

”اگے بہت..... یہ حرا تمہاری بھابی کیسے.....؟“

”میں نے چھپو کے حوالے سے۔“

”میں نے اسے حرا کو پسند کیا ہے بی جان نے؟“ اسے حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی بہت ہوئی تھی۔

”جی اور بہت خلد شادی کی ڈیٹ بھی فکس ہو جائے گی۔“

”یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ (رنگین کی فیملی واقعی بہت اچھی ہے۔“ اس نے کھلے دل سے تعریف کی تھی۔

”ہنی بھائی! یہ تو بتائیے کہ وہ اپنے بھائی کہاں ہیں یہاں؟“

”عارضین کی کزن ہے۔“

”عارضین بھائی کی کزن، اچھا میں ابھی مل کر آتا ہوں۔“ وہ اٹھنے لگا تھا۔

”اگے..... آگے..... ابھی نہیں۔“ حسن آفریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کے واپس بٹھا دیا تھا۔

”میں نے یہاں بعد ملے ہوئے بھر کے دیکھنے تو دو، سب کے بارے میں بتاؤ سب کیسے ہیں۔ صحت آیا، بابا،

دو بار یہ سالی اور بی جان بھی ہیں؟“

”سب بہت اچھے ہیں، میں تمہارا چھوڑا چھ سے ناراض ہیں۔“ اس نے مسکراتے ہوئے سر کھچایا تھا۔

”ناراض ہیں تم سے؟“ عارضین نے حرا کو دیکھا تو میں جانتا ہوں کہ تم بچپن سے ہی بہت شرارتی ہو اور شرارت کر

کے ہمیشہ میرے پاس آ کر چھپ چھپانا کرتے تھے اس بار کیا کرویا؟“

”لا روش کی وجہ سے سب مجھ سے ناراض ہیں۔“

”یہ..... لا روش کون ہے؟“

”ہانی وانف۔“

”وانف.....! یاد کیا پہلیاں بھجوار ہے ہو۔ صبح کچا بناؤ اور کھانے شادی اتنی جلدی کیسے کر لی؟“

”بس مت پوچھیے یہ سب بھی بی جان کا کمال ہے انہوں نے مجھے کوئی نہ بھیجا تھا۔“

”تو اس کا مطلب ہے سب پہلے ون سے ہی جانتے تھے کہ لاروش تمہارے نکاح میں ہے۔“
 ”جی! میں ہی بے وقوف بنا ہوا تھا۔“

”اور سمجھ نہ پڑی۔....؟“

”بی جان کے پھنڈ کھانے کے بعد اس نے مجھ سے تعلق توڑ لیا تھا مگر لاروش کے گھر سے جانے کے بعد
 میں نے ریازت کیا کیسے مجھے اس کی کتنی ضرورت ہے۔“ حسن آفریدی کے سامنے اس نے اپنی محبت کا اقرار
 کر لیا تھا۔

”چلو ورتے درست آئے۔ مگر اب مسئلہ اور فکر کی بات یہ ہے کہ لاروش اس وقت کہاں ہوگی اور کیسے
 ڈھونڈیں اسے۔“

”یہ تو میں سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں۔ خدا خواستہ وہ اگر غلط ہاتھوں میں پہنچی تو خدا
 کرے۔“ خود ہی بول کر خود ہی نے اپنے آپ کو ہنسنا شروع کیا۔
 ”بہنی بھائی دعا کریں لاروش مل جائے۔“

”انشاء اللہ۔“ حسن آفریدی نے نرم نگاہوں سے اپنے بھائی کو دیکھا۔ اتنے میں
 آفریدی کا فون بجنے لگا جس کی اسکرین پر ارشد کا ٹک لکھا آ رہا تھا۔
 ”ارشد کا فون.....!“ وہ منہ ہی منہ میں بولا تھا۔

”کون ہے؟“ حسن آفریدی نے پوچھا۔

”ارشد ہے میں ذرا پوچھ کے آتا ہوں۔“ وہ کھڑا ہو گیا۔

”آپ جابجائے میں اوپر وانیہ بھائی سے مل کر آتا ہوں۔“

”اوسکے۔“ وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔

”بہنی بھائی!“ حسن آفریدی نے پکارا۔

”ہاں بولو۔“ حسن آفریدی نے پلٹ کر دیکھا۔

”آئی لو یو۔“ وہ ایک بار پھر حسن آفریدی سے لگا تھا۔

”لو یو یو۔“ اس نے حسن آفریدی کے سنور سے بال بگاڑے تھے۔

حسن آفریدی اوپر آ گیا تھا۔ رالینڈ نے کمرے میں بیٹھیں۔ عارضین کھانا کھا کے سو گیا تھا لیکن میں وانیہ
 مقصوم اور لاروش اغولان میں۔ وانیہ اور مقصوم کی فرمائش پر لاروش اغولان شام کی چائے کے ساتھ فکر
 چپکے اور بروسٹ بنا رہی تھی۔ جس میں وہ دونوں بھی اس کی مدد کر رہی تھیں۔ مصالحو میرینٹ ہو گیا تھا۔

”میں چھ لہا جلاتی ہوں وانیہ تم سارے آلو وحو کر چھٹی میں نکال کر میدہ کی کوٹ لگا دو۔“ یہ آواز تو بہت
 جانی پہچانی تھی۔ ومان پر تھوڑا زور ڈالنے کے بعد اس کو ایک جھٹکا ہی تو لگا تھا۔ وہ آواز کے تعاقب میں چلا
 ہوا آیا اور جو سوچ رہا تھا وہی حقیقت تھی۔

لاروش اغولان نے برز آن کرنے کے لیے ماچس جلا لیا تھا۔ ماچس جلاتے ہی اس کی نظر سامنے اٹھی تو
 سامنے میں رہ گئی۔ وہ یونہی سناٹے میں رہتی اگر ماچس کی تیلی بچھ کر اس کی دو انگلیوں کو جلا نہ دیتی۔
 ”سی.....“

سی کر کے اس نے تیلی بھینکی اور اپنی دونوں انگلیوں کو جھٹکنے لگی تھی۔

”کیا ہوا اردوش؟ کیسے چلا گیا وہ بیان رکھو۔“ مقوم نے وہ دیکھ لیا تھا اس کی دو انگلیاں جل چکی تھیں وہ جلدی سے آئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کے چپک کرنے لگی۔ وانہ نے بھی تل بند کیا اور فنگر جس کے آلو کی چھلکی سا بیڑ پر رکھے اس کے پاس چلی آئی۔

”تم بیڑ میں کر لیتی ہو۔“ وانہ نے بچن میں رکھی چھوٹی سی ڈائمنگ نیبل سے ایک چیز کھینچی اور اس پر لاروش اغولان کو بٹھا دیا۔ اس دوران مقوم کی فنگر ساکت و جامد حسین آفریدی پر پڑ چکی تھی۔

”جی فرمائے آپ کون؟“ وانہ نے اس نئے چہرے کو دیکھا مگر اس کی بلوریں آنکھیں اسے آفریدی کی یاد دلا گئیں۔ مگر ہاں لاروش اغولان نے ضرور چہرے کا رخ گھمایا تھا۔ اس طرح کہ حسین آفریدی کو اس کا سا بیڑا کس طرف نظر آ رہا تھا۔

حسین آفریدی بغیر کچھ کہے ہی کی طرف دیکھے وہاں سے چلا گیا تھا۔
 ”تو نہیں کون ہے؟“ مقوم نے کندھے اچکائے تھے۔

”کون اسفند چاچو کی کوئی چال تو نہیں۔“ وہ سوچتی ہوئی تیزی سے بچن سے نکلی تھی۔ ادھر ادھر دیکھا نیچے جھانکا تو وہ لڑکا تیزی سے باہر جانے والے دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

”کون ہو سکتا ہے؟“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی عارفین کے بیڈروم میں آئی تھی۔ سوچ بچی تھی کہ ان گھٹیا لوگوں نے عارفین کو پھر سے نقصان پہنچانے کے لیے تو کہیں کسی کو نہیں بھیجا۔

☆.....☆

صبح لہروں اغولان کی آنکھ نہ کھلتی اگر کچھ محسوس نہ ہوتا۔ کسی کی آہٹ نہ ہوتی۔ حسین آفریدی کو جب سے اس گھر میں رکھا تھا سوچ سوچ کر داغ ٹھکنے لگا تھا کہ آخر وہ یہاں کر کیا رہا ہے۔ کیا رشتہ ہے اس کا اس گھر کے لوگوں کے ساتھ۔ اپنے کان ہو گئے تھے اسے یہاں کوئی ایسے ہی ایرا غیر یہاں دے گا نہیں سکا۔

باہر میں گیٹ پر پوری انفارمیشن کی جاتی ہے۔ جب جا کر وہ اس گھر میں داخل ہوتا ہے پھر حسین آفریدی یہاں کیا کر رہا ہے۔ یہی سوچ سوچ کر بڑبڑاتی چلی گئی مگر کوئی سراہا نہیں آیا۔ رات دیر سے سونے کی وجہ سے وہ صبح فجر میں نہیں اٹھی تھی۔

”فجر آگیا کھلتی اور جس کو پوری رات سوچتے سوچتے گزار دی تھی چہرے اس کے بالکل پاس اس کے قریب تھا۔ حسین آفریدی بیڈ پر بالکل لاروش اغولان کے برابر میں لیٹا تھا۔“

”جو اس کے بالوں کی لٹوں کو تو کبھی اس کے چہرے کے نقوش پر اپنی انگلیوں کی پوروں سے لمس چھو کر رہا تھا۔ لاروش اغولان کا شعور یکدم سے بیدار ہوا تھا۔ اس کی نیند بھک سے اڑی تھی۔ ان پرانی آنکھوں میں بھی نیند کا شمار اب بھی بھلکوں سے لے رہا تھا۔ وہ حسین آفریدی سے یوں جھٹکے میں پیچھے ہو کر بیڈ سے نیچے اتر کر دوڑ جا کھڑی ہوئی تھی جیسے اسے کرنٹ لگا ہو۔

”آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔ آپ کو کون نہیں آتی اس طرح کسی کے بیڈروم میں داخل ہو کر کسی کے بیڈ پر لیٹا؟“

حسین آفریدی کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ کھلتی تھی۔ وہ بخور اس کو کھٹکا چلا گیا تھا۔ اس نے کبھی لاروش اغولان کو بغیر دوپٹے کے نہیں دیکھا تھا برسی کی جاؤ تو وہی ہی خود کو چھپائے دیکھا تھا۔ نہ ہی کبھی اس کا چہرہ دیکھا تھا یا شاید کبھی اس کو اس انداز سے نہیں دیکھا۔ مکہ کے کی طرح سفید رنگت، کھڑے سے نقوش و بڑی بڑی ہرئی آنکھیں جن میں بھی نیند کا شمار تھا۔ بالکل سا سراپا، لمبے گھٹنے بال جو اس وقت

پورے کھلے ہوئے تھے۔ بلاشبہ مکمل حسن کا پیکر تھی۔ پر یوں کی ملکہ اسے سمجھ زیدی کی بات یاد آگئی تھی۔
 "تم نے بھی لاروش کو غور سے نہیں دیکھا۔ اس سے بات کیوں نہیں کرتے۔ وہ تمہارے گھر میں کیوں
 رہ رہی ہے۔ وہ جاتی کیوں نہیں۔" ایسے بہت سے جملے سمعیہ زیدی کے جو اس کے کانوں میں گزرتے
 کرنے لگے تھے۔ حسین آفریدی مسکراتا ہوا ہنڈ سے نیچے اڑا تھا۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اس قدر حسین ہو۔ میرے سوچنے کا اور دیکھنے کا اعزاز بدلا۔ آنکھوں سے دھند
 چھٹی تو تمہارا چہرہ واضح ہوا اور تمہاری دوری نے تو مجھے تم سے مزید قریب کر دیا ہے اور رہی کہ کسی کے بیڑ
 روم میں بغیر اجازت کے داخل ہونا اور کسی کے بیڈ پر لیٹنا تو میری جان تم کسی نہیں مہری ہو، جس کے
 ساتھ کچھ بھی کرنے کی مجھے شرف اور قانون نے اجازت دے رکھی ہے۔" حسین آفریدی نے قریب آ کر
 اس کی نازک میسر میں کرشمہ ہاتھ ڈالی کہ اسے خود سے قریب تر کر لیا کہ دو نازک سی سنی کی طرح اس
 کے وجود کا حصہ بنی تھی۔

"چھوڑیے مجھے اور یہاں سے چلے جائیں، مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔" اس نے خود کو چھوڑنے
 کی بہت مزاحمت کی مگر حسین آفریدی کی گرفت کا حصار بہت مضبوط تھا۔

"چھوڑنا ہی ہوتا تو بہت پہلے چھوڑ چکا ہوتا۔ وہ تو میری قسمت اچھی ہے بی جان کی دعائیں ہیں جو تم مل
 گئی ہو۔ اب بہت ذمیر اذال لیا یہاں گھر چلو میں تمہیں یہاں سے مڑنے کے لئے اجازت دے گا۔"

"ہونہر..... کس رشتے سے.....؟" وہ پوری جان سے حسین آفریدی کا بازو دانی سرسریں کر کے سے ہٹا رہی تھی۔
 "ارے ابھی تو بتایا ہے کہ تم میری منگود ہو۔" اس نے مزید لاروش اغولان کو خود سے لڑو کے کیا تھا کہ
 اس کے چہرے پر حسین آفریدی کی گرم گرم سانسیں اس کا چہرہ جھلسا رہی تھیں۔

"منگود..... یہ کیا آپ بار بار منگود منگود کی گردان کر رہے ہیں؟" بالآخر لاروش اغولان کا منہ کھل
 گیا تھی حسین آفریدی کی گرفت سے آزاد ہونے میں۔

"وہی منگود تھے آپ اپنے سب دوستوں کے سامنے لے کر لے آئے تھے وہی منگود جس پر آپ ایک
 نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ وہی منگود جس کے منہ پر آپ کی گرل فرینڈ نے سب کے سامنے زور
 سے پھینکا مارا تھا اور وہی منگود جس کے لیے آپ اپنے دوست کا رشتے لے کر آئے؟ مسٹر حسین آفریدی آپ
 سے تو لاکھ روپے بہتر تبرک شاہ ہے بھلے ہی دو مجھے کوئی اہمیت نہ دیتے ہوں مجھ سے بد میزبی کرتے ہوں
 رنگ کرتے ہوں ان کی بہت سی گرل فرینڈ زہوں جس سے ان کا فیئر ہے مگر جو بھی ہے جیسا بھی ہے سبھی
 اپنے دوستوں کے سامنے آنا میرا ان کو پسند نہیں تھا۔ میں جانتی تھی وہ مجھ سے شادی کر کے میری لاکھوں کی
 اپنی میری زمینوں کو اپنے نام کرانا چاہتا تھا مگر اب سوچتی ہوں وہ صحیح تھا چاہے مجھے محبت و چاہت نہ دینا،
 زت نہ کرنا میری مگر چار دیواری میں تو چھپا کے رکھنا۔ آپ کی طرح اپنے دوستوں کے سامنے میرا مذاق تو
 میں بناتا۔ آپ نے تو مجھے در بدر کر دیا ہے۔"

لاروش اغولان کا سانس پھول گیا تھا۔ یہ سب کہتے کہتے۔ بہری آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی تھی۔ حسین
 فریدی تا صرف اسے بنو رنگ رہا تھا بلکہ اسے آج پہلی بار دانتا بولا ہوا سن بھی رہا تھا۔ اس کا غصہ بھی کرنا دیکھ
 تھا۔ اور اگر وہ یہ سب کر رہی تھی تو سب جائز تھا، وہ حق پر تھی۔ لاروش اغولان کی باتوں نے اسے بہت
 سندہ کیا تھا مگر وہ اسے مٹا کر یہاں سے لے جانا چاہتا تھا اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ اسے چاہنے بھی لگا تھا۔

”اگر میں کہوں کہ میں تم سے معافی کا طلب گزار ہوں تو۔۔۔“
 ”تو بھی کوئی فائدہ نہیں ہے کیوں کہ میں آپ کو معاف کرنے والی نہیں ہوں۔“ اس نے حسین آفریدی
 کی طرف سے رخ ہی پھیر لیا تھا۔ حسین آفریدی پھر اس کے پاس بڑھا اور اس کی نازک سی کلائی تھام کر
 اپنی سمت کھینچا تھا۔

”میں تو تمہیں بہت سیدھا اور محسوس سمجھتا تھا۔ تم بہت ہی کٹھن اور ظالم نکلی ہو بھی۔“
 ”یہ کیا بے ہودگی ہے آپ بار بار مجھے اس طرح سچ کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کی کوئی
 گراں فریبندہ سمعیہ زیدی نہیں ہوں میں لاروش اغولان ہوں۔“
 ”آں۔۔۔۔۔ آں لاروش اغولان نہیں۔۔۔۔۔ لاروش حسین۔“ حسین آفریدی نے بڑی بے دروی سے اس
 کے گلاب کے چمکھڑی جیسے نرم ہونٹوں پر انگلی پھیری تھی۔

لاروش اغولان کے دماغ پر لگی تھی ایک تو بار بار اس کا یوں کھینچ کے خود سے لگانا پھر اس کا یہ جملہ۔
 ”اجھا تو آپ کو یاد ہے کہ میں لاروش حسین ہوں!“ وہ طنز کرنے سے باز نہیں آئی تھی۔
 ”تو تمہیں لاروش حسین کے یقین کے لیے کیا ثبوت چاہیے اگر یہ کہ ہمارا کوئی بے بی، بابا وغیرہ ہو
 جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ حسین آفریدی نے نہایت دلچسپی سے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی
 کہ وہ شرم و حیا کے مارے پوری پسینے میں شرابور ہو گئی۔ چہرے کی رنگت سرخ پڑ گئی تھی۔ حسین آفریدی نے
 بہت دلچسپی سے اس کا شرمانا گھبراہٹا دیکھا تھا۔

”تم لڑکیاں بھی نہ اتنا بولتی ہو لڑتی ہو اپنے شوہروں سے مگر ذرا سا کوئی بے باک سا جملہ بول دو زبان
 پر چھی لگے جاتی ہے۔“ اس نے لاروش اغولان کے کھلے ریشمی بالوں کی آگے کی کچھ لٹوں کو پھیرا تھا۔
 ”حسین چھوڑو یہ مجھے۔“ اس کی بازوؤں پر گراے وہ ہولے سے بولی تھی۔ حسین آفریدی نے اس
 کو اپنی گرت کے حصّہ سے آزاد کر لیا تھا۔

”حسین آفریدی کی بہت سی لڑکیاں تھیں مگر حسین آفریدی کی زندگی کا جو سکون و قرار لوٹ کر لی گئی وہ
 صرف اور صرف ایک ہی ہے جو تم ہو۔“
 ”اور سمعیہ زیدی۔۔۔۔۔!“ نہ چاہتے ہوئے ہی اس کے ہونٹوں پر ہلکوا آ گیا تھا جس پر وہ ہولے سے
 ہنس دیا تھا۔

”ان کا ایک آپ تو اسی دن ہو گیا تھا۔“ وہ دروغ فوسوں منظر اس کی ہر نی آنکھوں میں ایک بار پھر کسی
 قلم کی طرح کھوسنے لگا تھا جب عماد نے اس کا دوپٹہ کھینچ کے اس کو سب کے سامنے برہنہ کر دیا تھا۔ وہ
 قیامت کا منظر تھا۔ ان کا لینے والا منظر۔ یکدم سے اس کے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر گئے تھے۔ ان
 ہر نی آنکھوں میں ایک دکھ کا سہندہ سا بھرنے لگا تھا۔ حسین آفریدی سمجھ گیا تھا۔ اس کی سوچ کو، وہ آگے
 بڑھا اور اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیمانے میں بھر لیا تھا۔

”آپ نے مجھے وہ دکھ دیا ہے جو میں زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔“ ان ہر نی آنکھوں میں آنسوؤں نے
 حسین آفریدی کا دل خون خون کر دیا تھا۔ اس نے بے ساختگی اس کو خود میں سولیا تھا۔

(جاری ہے)

وہ غلطی اورینٹل

”دادا جان! پتا ہے آج میں نے آپ کو بہت
 سنا کیا۔“ وہ موسیٰ حیدر کی تصویر ہاتھ میں تھامے

بارو پھیلنا کر اپنی یاد کا پتہ جاننے کی غرض سے بولا
 تھا۔ سچی آنکھوں سے شہناز نے اس کے نرم



رہی تھیں جو موسیٰ کی تصویر دل سے لگائے خود نکالی
کرتا ہوا آنسو بہا رہا تھا۔

”جی دادو جان!“ ننھا پارس بچکیاں لیتا دادو
کی گود میں آن بیٹھا۔ موسیٰ کی تصویر اب بھی اس
کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔

”کیا ہوا دادو کا بہادر بیٹا رو کیوں رہا ہے۔“
شانزے بیگم دائرگی سے ننھے کے ہاتھ پر بوسہ
دیئے ہوئے پوچھنے لگیں۔

”پاری دادو جان! آپ کو پتا ہے آج

بازک گلہالی گالوں کو تر کر رہے تھے۔

”کاش آپ میرے ساتھ ہوتے پھر میں بھی
آپ کی انگلی پکڑ کر روز اسکو ل جاتا۔ بالکل ویسے
جیسے اسد اور میکال اپنے دادا جان کے ساتھ
اسکو ل آتے ہیں۔“ وہ ننھے موسیٰ کی آنکھوں
سے ٹوٹ کر پٹھرے اور ایک بار پھر اس کے
شخاف گالوں پر پھیلنے چلے گئے۔

”پارس بیٹا! یہاں آؤ دادو کے پاس۔“
شانزے بیگم کب سے اپنے اکلوتے پوتے کو دیکھ



ہمارے اسکول میں گریڈ فادرز نے سلیپر سے کیا جا رہا تھا۔ سوائے میرے کبھی فیلوز اپنے اپنے گریڈ فادرز کے ساتھ میننگ اینڈ کرٹے کے لیے آئے ہوئے تھے۔

”دادو! آج مجھے دادا جان نوٹ کر باوا آتے۔ کاش وہ بھی زندہ ہو بیٹے ہمارے درمیان ہوتے تو میں بھی ان کی انگلی تھپاتا۔ اسکول جاتا۔ ان کے ساتھ کھیلتا۔ آس کریم کھاتا اور وہ اپنی پران کی گود میں بیٹھ کر ہوم بڑا کھاتا۔ انصاف پارس، موسیٰ کی تصویر دیکھتے ہوئے اپنی مصیبت میں بولتا چلا گیا۔

”چلا! آپ کو کس نے کہا آپ کے دادا جان زندہ نہیں ہیں۔ وہ تو زندہ رہیں گے ہمیشہ باقیامت۔“ شانزے بیگم کے لہجے میں موسیٰ کے لیے فخر ہی فخر تھا۔

”سچ دادو! دادا جان زندہ ہیں؟“ وہ ساری اداسی بھول کر پل بھر میں ایکسا پیٹڈ ہوا تھا۔

”ہاں میری جان وہ زندہ ہیں۔“
 ”خبر وہ ہمارے ساتھ کیوں نہیں رہتے؟ دادا جان کا گھر کدھر ہے؟“

اگلے ہی لمحے ایکسا منسٹ اداسی میں بدلی تھی۔

”ان کا گھر اللہ پاک کے ہاں ہے۔ وہ جنت میں رہتے ہیں۔“

”جنت!“ وہ رخ پلٹ کر شانزے بیگم کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

”جنت پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ وہ لوگ جو نیک اعمال کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہوتے ہیں۔ اللہ انہیں بدلے میں انعام کے طور پر جنت بخش دیتے ہیں۔“ وہ شفقت سے پارس کے نرم سنہری بال ہلاتے ہوئے سمجھا رہی تھیں۔

”دادو! جنت پانے کے لیے کیا کرنا پڑتا

ہے؟“

”جنت پانے کے لیے آزمائشوں کا سفر تیرے پر ۲۲ ہے میرے بچے۔ میرا پ ہے ۲۲ اپنے ہر بندے کو جنت پانے کا سنہری سوخ عطا کرتا ہے۔ وہ تو خود اپنے پیاروں کو صراطِ مستقیم کی طرف ہکا بکا ہے۔ تاکہ اس کا کوئی بھی بندہ اس کی بنائی گئی جنت سے محروم نہ بنے جاتے۔ جس طرح دنیا کی ہر پہلی شے کو پانے کے لیے ہمیں کوئی نہ کوئی قیمت چکانا پڑتی ہے بالکل اسی طرح جنت کو پانے کی بھی ایک قیمت دینے ہے۔ قدم نہ دھرنا۔ شیطان سمجھانے چلا آتا ہے۔ ذرا دل میں عجیب عجیب بیہوشی

جنم لینے لگنے ہیں۔ طرح طرح کی حیرت انگیز باتیں لگتی ہیں۔ آزمائشیں پہاڑ بن کر کھڑی ہوتی ہیں۔ مشکلات کا سلسلہ شروع ہوئے لگتا ہے۔ سب کی آزمائش دم توڑتی محسوس ہوتی ہے۔ ایسے میں اللہ عزوجل ہی انسان کو اس کا عمل بناتا ہے اپنی ہمت بخشتا ہے کہ وہ جنت تک پہنچنے کے سبھی مراحل آسانی سے طے کر لیتا ہے۔ اللہ پر بھروسہ بھی بندے کو گمراہ ہونے سے بچاتا ہے۔ میرے دو بہنے رب کی تو اپنی ہی چاہ ہے کہ ان کا ہر بندہ اس کے بتائے گئے راستے پر چلے جائے۔ جنت کے لیے ہر ضرور ہے۔ بھلے وہ دنیا ہو یا آخرت۔

شانزے بیگم کا ذہن ایک بار پھر بائبل کے ادراک پلٹتا چلا گیا۔ وہ کدھر بھر سانس لینے کو رکھی تھیں پر پارس کی نگاہوں میں چھپی انھن کو محسوس کرتے ہوئے ایک بار پھر گفتگو کا سلسلہ جوڑنے لگیں۔

”یہ باتیں جو میں آپ سے کہ رہی ہوں تھوڑی ہیچیدہ ضرور ہیں مگر میرے بچے ہی حقیقت ہے۔ ہو سکتا ہے آج آپ کو یہ سب سمجھ میں نہ آئے پر ان سب باتوں کو ذہن میں رکھنا وقت یہ سبھی اچھی ہوئی پیلیاں خود بخود تم پر عیاں کر دے گا۔“

”دادو! کیا ایسا نہیں ہو سکتا دادا جان بھی

تھارے ساتھ رہیں۔" وہ ساری باتیں ذہن کے کسی گہرے گڑھے میں قید کرنے کے بعد ایک پارہ بھر سوالات کا سلسلہ جوڑنے لگا۔

"بیٹا! دادا جان تو ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ آپ کے بے حد پاس آپ کے دل میں آپ نیک اعمال کریں گے تو انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤ گے۔ ایک بات یاد رکھنا بیٹا جس وطن میں تم رہے ہو اس وطن کے بہت سارے انسانات ہیں ہم پر، خواہ وقت کتنا ہی مشکل آٹھان کیوں نہ لے، خواہ حالات کیسے ہی مایوس کن ہوں، ہمیں وطن کا پاس رکھتے ہوئے اس مٹی کا قرض چکانا ہے۔ اس مٹی میں تمہارے دادا اور تاپا کا خون شامل ہے۔ ان کے خون کی لاج رکھنی ہے میرے بچے۔ تم مجھ رہے ہو ناں؟" انہوں نے محبت پاش نگاہوں سے پارس کو دیکھا جو نیند کی وادی میں اترنے کو بے قرار تھا اور پھر شگفتگی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

☆.....☆

زندگی کا پہرہ جس رفتار سے گھوما تھا۔ بالکل اسی رفتار سے وقت کے پتھری نے بھی ازان بھری تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بیس سال گزر گئے ان بیس سالوں میں بہت کچھ بدلا تھا۔ پر مٹکی حالات ہنوز وہیں کے وہیں تھے۔

"السلام علیکم امی جان! اب کبھی طبیعت ہے آپ کی؟" ڈاکٹر حیا اپنا اور آل کر سٹی کی پشت پر ہناتے ہوئے ان کے پاس بیڈ پر آ بیٹھیں۔
 "وعلیکم السلام بیٹا! اللہ کا بڑا اکرم ہے تم کب کوئیں پشاور سے۔ بیٹا آنے سے پہلے فون کر دو بیٹیں، میں کم سے کم ڈرائیور ہی بھیجو ادیتی۔" شازے بیگم اپنی اکلوتی بہو کو گلے سے لگاتے ہوئے حال احوال پوچھنے لگیں۔

"بس امی جان! میں نے سوچا کیوں ناں

آپ سب کو جا کر سر پر اتار دیا جائے۔ سچ لونی تھی۔ آپ کے کمرے میں آئی تو دیکھا آپ سو رہی ہیں۔ اس لیے بنا تائے ہیڈ کو اڑھائی تھی۔ میرے ٹرانسفر آرڈر تو آگئے ہیں۔ پر ڈاکوٹیشن میں کچھ مسئلہ بن رہا تھا۔ بس وہی سلجھا رہی تھی۔ ابھی وہاں لونی ہوں تو سیدھا اپنی چاری امی جان کے پاس چلی آئی۔" وہ ان کے گلے کے گرد بازو حائل کرتی ہوئی شگفتگی سے بولیں تھیں۔

26 سال ہونے کو آئے تھے پر ان دونوں خواتین کے سچ بھی مددگار نہیں ہو سکے۔ لاہور والا منظر دیکھنے کو نہیں آیا تھا۔

"یہ میجر صاحب کہاں ہیں امی! میں سے کبھی آ رہے۔" وہ اپنے ارد گرد میجر صاحب کو تلاش کرتے ہوئے استفسار سے بولی تھیں۔

"بیٹا! وہ کبھی ایجنٹ میٹنگ کے سلسلے میں آج صبح ہی اسلام آباد گیا ہے۔ کہہ رہا تھا کل صبح تک لوٹ آئے گا۔ فیجیم سٹاڈیو شہر کے حالات کیسے ہیں؟"

"اماں! پشاور کے حالات ابھی ابھی ایسے ہیں جیسے پچھلے کئی سالوں سے چلے آ رہے ہیں۔ شہر کے دلیر جوانوں کو داد دینے کو جی چاہتا ہے جو کھن سر پر ہاتھ سے ہر خوف دل سے نکال کر ہر مشکل کا سامنا کرنے کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ ہر بار ایک نئے جذبے ایک نئی انگ کے ساتھ دشمن کے ٹاپاک حرائم خاک میں ملانے کے لیے مسکراہٹ لٹیوں پر سجائے میدان میں اتر کھڑے ہوتے ہیں۔ میں ان عظیم ماؤں کا حوصلہ دیکھتی ہوں تو دنگ رہ جاتی ہوں۔ جو آئے روز اپنے جگر کے ٹکڑوں کی قربانی دیتی ہیں۔ دوپہت گردوں نے اس پاک سرزمین پر اپنے ٹاپاک قدم اس قدر مضبوط کر لیے ہیں کہ پاکستانی فورسز ان کے قدم ڈمگنا تو کبھی ہے پر ان کا اس ملک سے

مکمل طور پر صفایا صرف اس صورت میں یقینی بنایا جاسکتا ہے جب دشمن عناصر کے خلاف فلاح کی جنگ میں، میں آپ اور پوری عوام بنا کسی تباہی کے ایک ساتھ کھڑی ہو۔ "ڈاکٹر حیات اس باتوں سے باہر لان میں چھپائی ہوئی چیزوں کی دیکھتی ہوئی بے اختیار بولتی چلی گئیں۔
 "ہاں بیٹا! کہہ تو تم ٹیک رہی ہو، ہم اللہ تم سے ہمارے حال پر، آمین۔"

"اماں! ہم خود اپنے حالات پر رحم نہیں کریں گے تو اللہ کیسے ہمارے حال پر رحم فرمائے گا۔ ان لوگوں کے حالات کبھی نہیں سدھرا کرتے جو قومیں خدا کی اصلاح کرنا نہ جانتی ہوں۔ علم، عقل، تہذیب بوجھ ہونے کے باوجود بھی جن قوموں کو سچ کا شہساز نہ رہا ہو وہ تو میں بھلا کیسے سرخرو ہو سکتی ہوں۔ ہم نگاہ خود کرتے ہیں اور تصور دار دوسروں کو برا دیتے ہیں۔ اپنے عیب سات سات پر دوں گے جیسا کرتے ہیں اور دوسروں کی ذرا سی کوتاہی کی غلطی ہم سے برداشت نہیں ہوتی۔ دوسروں ذات پر کچھ اچھا نہ تو ہے، ہمارے لیے تو فرض ہے ہیں۔ اماں ہم انسانوں کو رعایت ہی ہوتی ہے ہر خدائی نظام اپنے کسٹروں میں چلنے دیتا ہے۔ جب وہ ہمارے عیب چھپا سکتا ہے تو ہم ان لوگوں کے عیبوں کے عیب سے پردہ کرنے کو بلکانے ہیں۔ میں طرح اچھائی ہمیشہ میں سے شروع کرتی ہے، اگر کسی کو کوئی بھی ہمیشہ میں کی ہے، ہم سبھی سب سے زیادہ سے زیادہ حل ہو جائیں اگر ہم خود کو گریبان میں لگا شروع کریں۔"

اماں میں اختیارات پڑھتی ہوں خبریں سنی ہیں تو رنگ رہ جاتی ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آتا، اس وقت گردوں ہیں؟ اپنے اندر جھانک کر دیکھو تو ہے ہم سے بڑا ظالم کوئی ہے ہی نہیں۔ کون سی

اسکا برائی ہے جس کا ڈاکٹر ہم نے نہ چکھا ہو۔ یہاں عزتیں بنیام ہوتی ہیں۔ عہدوں کی بولی لگائی جاتی ہے۔ بات بات پر جھوٹ بولا جاتا ہے۔ سرعام کرپشن کی جاتی ہے۔ اپنے مسلمان بھائیوں کا خون ہم خود کرتے ہیں۔ جائیداد کے تنازعوں پر تو کبھی رشتوں کے تنازعات پر ماں باپ بہن بھائی کاٹل تو ہمارے لیے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ خود مختار ملک ہے پر ظلم کے خلاف آواز اٹھانے والا کوئی نہیں۔ اسلامی نظام رائج ہے پر اس پر عمل کرنے والا کوئی نہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی سزا کا اصل حق دار کون ہے؟ در لوگ جو ہم میں سے ہیں ہی نہیں یا پھر وہ لوگ جو ہم میں سے ہو کر بھی ہمیں اندر ہی اندر سے کھوکھلا کرنے میں لگن ہیں۔ جب تک ہم اپنے ارد گرد لپٹی بے حسی، خود غرضی، بے ایمانی اور انا کی چادر کو اتار کر نہیں پھینک دیتے۔ ہمارے حالات بدلانا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہیں۔ چاہے وہ پشاور ہو یا پھر پاکستان کا کوئی بھی خطہ۔" وہ اب اتنی کے اس بار ڈوبتے ہوئے سورج کی آخری کرنوں کو الوداعی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ہولے ہولے بول رہی تھیں۔ آنسو ایک تواتر کے ساتھ شانے سے ٹپک کی آنکھوں سے بہ رہے تھے۔ بے شک جب الوطنی کے سارے جذبے اس خاندان پر آکر ختم تھے۔

بعض دفعہ سچ بہت کڑوا لگنے لگتا ہے۔ بعض دفعہ ہم حقیقتوں کا سامنا کرنے کے خوف سے آنکھیں ہی نہیں کھولنا چاہتے، پر ایسی یہی زندگی ہے۔ زندگی میں سچ حقیقتوں کا سامنا نہ کرنا حقائق سے منہ پھیرے رکھنا سسٹے کا حل نہیں ہے۔ اپنی غلطیاں جان کر بھی پردہ ڈالے رکھنا زندگی نہیں بچا رہا۔ رعایت قطعاً نہیں دیتی اور حقیقت یہی ہے کہ اگر 20 فیصد سازشیں تو 80 فیصد اپنی بربادی کے ذمہ

وارہم خود ہیں۔ "وہ سانس لینے کو رکھیں۔"

"بداعمالی بھی کیے جائیں اور پھر کنارہ بھی او
انہ کیا جائے اس بات کی اجازت تو دنیا کا کوئی
قانون، کوئی مذہب نہیں دیتا۔ ای! پھر آپ ہی تو
کہتی ہیں پاکستان کا مطلب ہے پاک لوگوں کے
رہنے کی جگہ۔ اس ملک کی بنیاد نگہ طبیہ پر قائم ہے
اور ہم لوگ اس ملک کی جڑوں کو چوری، رشوت،
ناحق نکل، کرپشن، بھونٹ اڈو ایسے کئی تاریہ اعمال
سے کھوکھلا کر رہے ہیں۔ ملک صرف اور صرف
پاک لوگوں کے لیے بنا ہے۔ جب تک ہم لوگ
گناہ پر گناہ کرتے رہیں گے یہ ملک ایسے ہی ایک
کے بعد ایک بڑے عذاب میں گرتا چلا جائے گا۔
جس دن ہم لوگوں نے توبہ کر لی خود کو پاک کر لیا
اسی دن ہماری ساری آزمائشیں ختم ہو جائیں گی۔
اسی دن پاکستان ایک بار پھر طاقت ور اسلامی
ملک کے طور پر دنیا کے نقشے پر نمودار ہوگا۔" میجر
سناو کی مہمبیر آواز کمرے میں چھائی خاموشی کو توڑ
رہی تھی۔

وہ کب وہاں آٹھلے تھے۔ کوئی نہیں جانتا تھا
مگر ان کی باتوں نے یہ واضح کر دیا تھا کہ ہر عمل کا
مکافات عمل ضرور ہوتا ہے۔

"آپ..... آپ کب لوٹنے آئی تو کہہ رہی
تھیں آپ نکل واپس آئیں گے۔ پھر یوں اچانک
سب خیریت تو ہے نا؟" وہ سوچ کے گہرے سمندر
سے آزاد ہوتے ہی سوالات کی بوچھاڑ کر بیٹھیں۔
"ارے بیگم صاحب! حوصلہ رکھیں ہم ادھر ہی
ہیں کہیں بھاگے تھوڑی جا رہے ہیں یہ سب باتیں
تو بعد میں ہوتی رہیں گی۔ لی الحال میرے پاس
آپ دونوں کے لیے دو بریکنگ نیوز ہیں یا پھر
یوں کہہ لیں نیوز اہلرٹ سواں خبر کو اپنی سماعتوں کی
نذر کرنے سے پہلے اپنی اپنی پوزیشن پر اچھی طرح
اہلرٹ ہو جائیں گیں کہ عمل فتح ہمارے صاحب

زادے اپنی ڈگری مکمل کرتے وطن واپس لوٹ
رہے ہیں۔" میجر صاحب دونوں خواتین کی
اندرونی کیفیت کو انجوائے کرتے ہوئے بگ بگ
کر تفصیل بتانے لگے۔

"یا اللہ! حیران لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کتنے بیٹے کی
فلائٹ ہے میرے بچے کی۔" دونوں خواتین کے
منہ سے یک وقت نکلا تھا۔

"ارے بھئی اتنی جلد ہی کا ہے کو بے تھوڑا صبر
کر کے دوسری نڈز تو سن لیں اور دوسری بریکنگ
نیوز..... میرا مطلب ہے حضور بنا لڑتے رہے۔"
میجر صاحب جلد ہی اپنے الفاظ کی تردید کرتے
ہوئے بولے۔

"ابھی ابھی ہمارے صاحب زادے
نہانی میں معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اس
شاعر اور شاعری کے دوران اپنے لیے ایک سن
موسمی کی شریکیت حاصل کی اور ہمارے لیے ایک جامع
سی بہو کا بھی بندوبست کر لیا ہے۔" وہ آہستہ
آہستہ انہیں اپنے اور باؤں کے درمیان ہونے
والی گفتگو بتانے لگے۔

"کیا کہا آپ نے ہم سے تھوڑے
کیسے بندوبست ہو گیا ہماری بہو کا۔ جانے کون
گی۔ کیسی ہو گی؟" ایک ساتھ کئی خدشے ان
دونوں کے ذہن میں ایک ساتھ ابھرنے لگے۔

"ارے بیگم! تم فکر کیوں کرتی ہو۔ ماشاء اللہ
جامعہ کا کلڈا سے ہماری بہو، ترکی کی کسی انٹیلی جنس
سہیلنی کے لیے کام کرتی رہی ہے۔ خاصی سہیلنی
ہوئی لڑکی ہے۔ دونوں دو سال سے ایک
دوسرے کو جانتے ہیں۔ خاصی انڈر اسٹینڈنگ
ہے دونوں میں۔ آپ لوگ اس معاملے کو خدا پر
چھوڑ دیں۔ انشاء اللہ جو ہوگا ہمارے حق میں بہتر
ہوگا۔" میجر صاحب سینے پر بازو باندھے ان
دونوں خواتین کو اپنی ہونے والی بہو کے بارے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

میں بریف کرنے لگے۔
"وہ تو ٹھیک سے بیٹا! پر تمہیں بھی جانا چاہیے۔"

آخر اتنے سالوں کے بعد آ رہا ہے پارس وطن
واپس۔"

"اماں! چاہتی تو میں بھی یہی تھی اپنے بیٹے کو
ریسپو کرنے میں خود جاؤں پر ڈیوٹی کو بھی تو نہیں
چھوڑا جا سکتا، وہاں اسپتال میں سیکڑوں مریض
میری راہ تک رہے ہوں گے۔ کل صبح کی فلائٹ
سے مجھے پشاور جانا ہے۔ وہاں اے پی ایس میں
کوئی ٹیکٹ تو گید رہے بچوں کا اور مجھے چیف گیٹ
کے طور پر انوائٹ کیا گیا ہے۔ آپ تو جانتی ہیں
وہاں کی پریس میری بہت اچھی دوست ہیں وہ ہمارے
بار انسٹ کر رہی ہیں تو میں نہ نہیں کر پائی میں
نے کھانے کے سارے انتظامات مکمل کر دیئے
ہیں۔ شیف کو بھی آرڈر دے دیا ہے۔ پارس کی
فیورٹ ڈشز کا بس آپ وقتاً فوقتاً چیک کرتی رہے
گا۔" وہ آخری بریڈ پر کھن لگاتے ہوئے اماں کو
اپنی روٹین کے بارے میں سمجھانے لگیں۔

"او کے امی! مجھے ویر ہو رہی ہے میں نکلتی
ہوں۔ آپ سب انتظامات ایک بار چیک ضرور
کر لیجئے گا۔"

"ٹھیک ہے بیٹا! اماں اللہ خیر سے جاؤ۔"
وہ اپنا ادور آل اور پیئر بیگ اٹھاتے ہوئے
دروازے تک آئیں پھر اچانک کچھ یاد آنے پر
واپس مڑیں۔

"اماں! وہ بوجھل دل سے بولی تھیں۔
"پتا نہیں مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے شاید آج
کے بعد میں یہاں واپس نہ آ پاؤں، یوں محسوس
ہوتا ہے جیسے کوئی اور ہی منزل میرا انتظار کر رہی
ہے جیسے کوئی صدیوں کا خواب پورا ہونے کو ہے۔
نڈلوٹ پائی تو میرے بیٹے سے کہیے گا اس کی ماں
کے ساری دنیا سے زیادہ چاہتی ہے۔ اللہ
جانتے" وہ آنکھوں میں آنی نمی کو اٹکیوں کے

"بھئی بڑے جیسے رسم نکلے تم دونوں باپ
بیٹا، خود ساری پلاننگ کر لی اور ہمیں کانوں کان خبر
تک نہ ہونے دی۔ آنے دو ہمارے بچے کو کان
کھینچ کر خوب خبر لیں گے۔" شانزے نے سیم نے اس
تمام گفتگو میں پہلی بار حصہ لیا تھا۔

"ارے بھئی یہ کن باتوں میں الجھا دیا۔ آپ
لوگوں نے جاہ پناہ ذرا فرصت نکال کر ایک ویگ
سی چاہئے تو بنا دیں۔" وہ محبت پاش نگاہوں سے
اپنی عزیز از جان بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے
شرارت سے بولے تھے۔

"جی جی ابھی لاتی ہوں۔" ڈاکٹر حیاتی ٹوٹی
ڈیٹن کی مانند ہنس کر تکی ہوئیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

شام کی چائے ان تینوں نے ایک ساتھ پی
اور چمدانات گئے تک وہ لان میں بیٹھے پارس حیدر
کی باتوں سے بڑے متعلقہ موضوع کو دسکس
کرتے رہے۔ پارس کا بچپن، اس کا لڑکپن،
جوانی، ہارڈ ورک اور پھر آخر میں اپنے اکلوتے
کتاب جگر کی شادی کے معاملے سے کچھ سنہری خواب
اس رات انہوں نے پارس حیدر کی ذات سے
بڑے ماضی، حال اور مستقبل کو اپنی طرح دسکس
کیا تھا۔

☆.....☆

"السلام علیکم امی جان، صبح بخیر۔" وہ ناشے کی
پلٹے سے تازہ میٹھی پکڑے ہوئے غلوں سے بولی
تھیں۔

"علیکم السلام بیٹا! چلتی رہو۔" شانزے نے سیم
آیت الکرسی پڑھ کر ڈاکٹر حیاتی پر ہونٹیں لگیں۔

"شکر یہ امی جان! دو پہر دو بجے کی لگدنگ
ہے پارس کی حمار اور آپ اسے ایک کرکٹ
ایئر پورٹ چلے جائیے گا۔" وہ چائے بنا رہے ہوئے
نہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

دوں میں جذب کرتی باہر نکل گئیں۔

پارک بچپن ہی سے ایزڈ ڈار رہا تھا۔ خصوصی طور
لندن۔ وہ واحد شہر تھا جو اسے کافی حد تک
ریکٹ کرتا تھا۔ اپنی نیچر کو جاننے ہوئے اس نے
نیورسٹی آف لندن میں ایڈمیشن کے لیے اپلائی
رہا۔ اسے اپنی ڈگری مکمل کرنے میں پانچ
س لگے تھے۔ ان پانچ سالوں میں وہ یورپین
ٹول کا اس قدر عادی ہو گیا تھا کہ وہ ایسی کا خیال
تے ہی کئی خدمتے ایک بلاتھا اس کے ذہن بدول
دستک دینے لگتے تھے۔ کلاس کے بعد اس کی
میں شامیں لندن کی گلیوں، کلبز اور ریستورانوں
میں انجوائے کرتے گزرتی تھیں۔ وہ اپنے لوہے
ڈاکٹر جیس تھا لیڈ اور اسپین میں گزارا کرتا
۔ پھر سب سے بڑھ کر اس کی متاع حیات
مانا جس کے ساتھ اس کی جذباتی انوالومنٹ
بڑے چند سالوں سے اس قدر تھی کہ الگ ہونے کا
ل ہی ہوا ہاں روح نکلنے لگا تھا۔ اوپر سے دہشت
دی کے وقت سے واقعات ٹی وی پر دکھا کر میڈیا
ہے ہی کسی کسر بھی پوری کر دی تھی۔ وہ بیزار نہیں
پر وطن واپس جانے پر خود کو کثرت اسبل محسوس
کرتا رہا تھا۔ آخر ضبط کے گھونٹ حلق میں اتار کر
پر ایک ساتھ کئی پتھر رکھتے ہوئے اس نے
مانا سے جلد واپس آنے کا وعدہ کیا اور
تان لوٹ آیا۔ وطن واپسی پر جو پہلی ہولناک
اس نے سنی تھی وہ تھی اسے پی ایس میں دہشت
دوں کا جارحانہ حملہ۔ جسے سننے کے بعد ایک
کے لیے اسے اپنے حواس کھوتے اور اپنا دماغ
ہوتا محسوس ہوا۔

تھی دہشت گردوں کے اس جارحانہ حملے کا نشانہ
بن گئیں۔ یہاں ہم آپ کو ڈاکٹر حیا کے بارے
میں بریف کرتے چلیں ڈاکٹر حیا پچھلے بیس برس
سے سی ایم ایچ میں اپنی خدمات سرانجام دے رہی
تھیں۔ ڈاکٹر حیا کے شاعر ملٹری ریکارڈ اور بیس
سال سماجی خدمات کو سرہاتے ہوئے حکومت
پاکستان نے انہیں ملٹری ایوارڈ سے نوازنے کا
فیصلہ کیا ہے۔ "ڈاکٹر حیا کی شہادت کی خبر وہ
آخری خبر تھی جو اس نے اپنے سین پر تے دماغ کے
ساتھ سنی تھی۔

"تمہاری ماں کہہ کر گئی تھی، دو تھیں بہاری
وہا سے زیادہ جانتی ہے۔" اسے اپنے کون کے
تے داد کی سرگوشی سنائی دی۔
تھیں، انہوں نے آنکھوں کے سامنے ایک بار ماں
کا دھڑلا سانس سنی وہی اسکرین پر نمودار ہوا اور
پھر شدید کرب کے عالم میں اس نے لگا ہیں سوعدہ
لیں۔ وہ اپنے ہوش و حواس کھو چکا تھا۔

☆

گھاؤ کہتے ہی گھر سے کیوں کیوں بھاگتے آ
ہی جاتا ہے۔ انسانی فطرت ہے۔ اسے اپنے
سے بچھڑنے کا احساس ایک مدت تک ستا رہا ہے۔
جلد یا بدیر یا احساسات سے کی گروتے آ کر دہنے
لگتے ہیں۔ وقت سکھانے پر آئے تو اس سے بڑا
استاد کوئی نہیں ایسا گھاؤ لگاتا ہے کہ بڑوں بڑوں
کی عقل ٹھکانے آ جاتی ہے۔ وقت سہنے پر آئے تو
اس سے بڑا سچا بھی کوئی نہیں ایسا مرہم رکھتا ہے
کہ بڑے سے بڑا گھاؤ ہر گزارتے لمحے کے ساتھ
منڈل ہونے لگتا ہے۔ اسے سنبھلنے اور نزوں پر یک
ڈاؤن سے باہر نکلنے میں تقریباً تین مہینے لگے
تھے۔ ہوش میں آتے ہی جو پہلا فیصلہ اس نے کیا
تھا وہ تھا لندن واپسی کا۔

"بابا میں اس ماحول میں نہیں رہ سکتا۔ جہاں

دو لاکھ اگست 188 اگست 2015

UHU®

stic glue stick

The exclusive
screw cap
prevents
the glue
from drying.



UHU The World of Adhesives

پہری زندگی کی لونی سیکورٹی نہ ہو۔" اس نے جھپٹے ہوئے ایکسکوز پیش کیا تھا۔
 "لندن آپ کو جینے کی کیا سیکورٹی دیتا ہے؟ بیٹے زندگی تو اللہ کی امانت ہے جب چاہے جبے چاہے وہاں لے لے۔ آخر ایک مذاہبک بن سکتی کہ اسی کے پاس تو لوٹ کر جانا ہے۔ پھر کیوں ماں جانے سے پہلے زندگی کا کوئی مقصد بن لیا جائے۔ کوئی ایسا کام کر لیا جائے جس سے آپ کو اتنی ذہانت تک یاد رکھا جائے۔" حوا نرم لہجے میں کہتی تھی۔

"بابا! ایسی بات نہیں کرنا۔ اگر نہیں بھاگ رہا، لکچھ لی میں اپنی پریشانیوں کا کرنا چاہتا ہوں۔ وہاں پاکستان کی نسبت زیادہ ہوا چلے ہیں خود کو منوانے کے۔" دوسرا ایکسکوز پیش کیا گیا۔

"لندن ہم پاکستانوں کے ٹیلنٹ کا محتاج نہیں ہے۔ وہاں کا بچہ بچہ قرض میں نہیں ڈوبا ہوا۔ وہاں غربت، پسماندگی، بے روزگاری، بلائے بے دربان کی مانند ڈیرے جمائے نہیں بیٹھی ہے۔ لندن سے کہیں زیادہ تمہارے جوان حوصلوں کی، تمہارے علم کی ضرورت پاکستان کو ہے۔ پاکستان کو تمہارا لافریز چاہا نہیں چاہیے۔ پناہ پر اب اپ اور ماں کی اس ملک کی خاطر قربان ہوئے تھے۔

تمہاری ماں اپنا فرض نبھاتے نبھاتے شہید ہو گئی۔ تمہارے باپ نے اپنی پوری زندگی اس م کی حفاظت کے لیے وقف کر دی۔ تمہاری اول میں سبھی صاف اور ڈاکٹر بننا کا خون شامل ہے۔ تمہیں اس وطن کے لیے پڑھنا لکھنا ہے کہ تم اپنے علم کی کرنیں بکھیر کر میرے وطن کا نام روشن کر سکو۔ تم ابدوز رہو یا پاکستان میری ایک ت زمین نہیں کرو تو تمہارا جینا میرا صرف تمہارے نام کے لیے ہونا چاہیے۔ بس تمہاری آن بان اور ان ہے میرے بچے۔ وطن کی مٹی تم سے دنا مٹی

ہے اس کی بنیادوں میں اپنا سفید خون مت پڑھنے دینا۔ ہمیشہ ہمت، استقامت اور جدوجہد کا دامن تھام کر رکھنا۔ سچائی سے رخ مت پھیرنا، میرا وطن پاکستان اللہ کی خاص نعمت ہے۔ اس نعمت کی قدر کرنا اسے بھی ٹھکرانا مت۔ تم جاہلو تو جاسکتے ہو ہم میں سے کوئی بھی تمہارا راستہ نہیں روکے گا۔" میجر حوا مدظلہ حال سے ذہن کو منانے کی بات کہتی تھی۔ شاید وہ اپنے انکوئے ٹیبلت جگر سے اس قدر بزدلانہ توقع نہیں رکھتے تھے۔

"تمہیں اس طرح یوں پکارتے ہیں جوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔" کشمات اس کے لیے تھی۔
 "جس ان پریشان کھڑی تھی۔"

"وہ دونوں اس وقت یونیورسٹی کینے ٹیر بائیں بیٹھے تھے۔ ان دنوں واپسی پر یہ ان دونوں کی پہلی ملاقات تھی۔"

"او کم آن کشمات! تمہیں کس نے کہا میں اپنا ملک چھوڑ کر آیا ہوں میں یہاں صرف اور صرف تمہارے لیے آیا ہوں۔ تمہیں اپنا جاننے کے لیے۔ اپنے اور تمہارے سیکور فوج کے لیے۔ وہ اس کا نازک ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے کر کشمات سے بولا تھا۔

"تمہاری ضرورت مجھ سے کہیں زیادہ تمہارے ملک کو تھی۔ تمہیں اپنے فرائض نبھانے کے لیے وہاں جانا چاہیے۔ تم اس خاندان کے چراغ ہو جس خاندان کے ہر فرد کی رگوں میں حب الوطنی ایسے کروڑتی ہے۔ جو اپنی زندگی بھانگی ہوئی شکوہ کیے اپنے ملک کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ تمہارے خاندان کی بہادری وہ واحد خوبی ہے جو مجھے تمہارے قریب آنے پر مجبور کرتی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، میجر حوا کا جیسا اس قدر بزدل ہوگا۔ جاننے کے لیے مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا۔"

بہتر ہوتی آنکھوں سے سامنے دیکھتے ہوئے
بولے ہوئے بول رہی تھی۔

”جانتے ہو جنگ میں، میں نے اپنا ماں
بہن بھائی سب کھو دیا۔ جینے کا کوئی جواز تو
میں بچا تھا پر مجھے جینا پڑا۔ اپنے ملک کے لیے
جا تھا۔ اپنے ملک کے لوگوں کی امید جوڑت
سننے کے لیے کچھ ایسا کروں گی جو صدیوں تک
دور رکھا جائے گا۔ پھر تم مل گئے مجھے لگا میرے
مخبرے خوابوں کو اب منزل مل جائے گی۔ پر
تم... میں تم سے اس قدر خود غرضی کی توقع نہیں
تھی۔“ وہ گالوں پر آئے آنسو ہتیلی کی پشت پر
سختے ہوئے غم لہجے میں بولی تھی۔

”تاریخی اور اراق پلٹ کرو کیونکہ تو جان جاؤ
میں نے جس طرح ہر ملک کے دور حیات میں کوئی نہ کوئی
ایسا ضرور آتا ہے جو آگے چل کر اس ملک کی
پہچان بن جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہر ملک کے
دور حیات میں ایسے گمراہ مراحل بھی آتے رہتے
ہیں، جب ملک ٹریل طویل کے سہارا وہ بے مددگار
باقی کے وہانے پر اڑتا ہوا ہے۔ ایسے میں
جائے اس کے کہ حالات کا سامنا کیا جائے، مگر
مکون کے فروغ کی بحالی کے لیے جلد بہرہ رسی
ہائے، ملک سے ہی در بدر ہو جانا، اسے تیار چھوڑ

یا اس مٹی سے دعا کرنا جس نے ہمیں آزاد
سائینس میں، سراسر بزدلی کے سوا اور کچھ بھی
میں سبب ایک ماہی گیری ہمیشہ یاد رکھنا شکست
کے بغیر ترقی کا ذوق نہ رکھنا ناممکن ہے۔ غزہ پر
سراکیلیوں نے اتنے ستم ڈھائے کہ ہر کچھ کم علم نہیں
بھیل رہا، پر ان میں سے کسی نے زنیوں کا ساتھ
میں چھوڑا۔“ وہ ہنس کر تواتر کے بولنے لگی تھی۔

”بس کہہ دو یا جو کہتا تھا اب اجازت ہوتی ہے
کچھ کہوں؟“ وہ اجازت طلب کرنا ہوا تھوڑا
زبانی ہوا تھا۔

”میں ملک چھوڑ کر نہیں بھاگا ہوں۔ میں
پاکستان چھوڑ ہی نہیں سکتا دادو اور پاپا کے الفاظ
دن رات میرے کانوں میں بازگشت کرتے سنائی
دیتے ہیں۔ ماما اور دادا جان کی قربانی ہر وقت
میری آنکھوں کے سامنے گھومتی ہے۔ میں ایسا
کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا جس سے میرے بابا کے
استہار کو نہیں پہنچے جس سے میری دادو ہرٹ ہوں،
میں آرمی میں ایلای کر چکا ہوں۔ یہاں صرف
تمہیں اپنانے آیا تھا۔ جو آٹنک لیٹر آتے ہی ہم
دونوں پاکستان چلے جائیں گے۔ یہ ایک سربراہ
تھا تم سب کے لیے اسی لیے میں اسے سیکرٹ رکھنا
چاہتا تھا۔ تم جانتی ہو جس دن بابا کو خبر ہوگی میں
آرمی جو ان کر چکا ہوں، اس دن ان کے سارے
شکوے، سارے ملال ختم ہو جائیں گے۔ میرے
لیے ان کا سفر خزاں سے بلند ہو جائے گا۔ مجھے اس
وقت کا انتظار ہے گا جب قسمت مجھے میرے وطن
کی سلامتی کے لیے کچھ خاص کرنے کا کوئی سنہری
موٹہ دے گی۔“ وہ ایک کے بعد ایک انکشاف
کر رہا تھا اور کشمیا نے اپنی گئی ہاتوں پر نام کھڑی
تھی۔ یہ حقیقت تھی اس نے پارس کو کھینچنے میں واقعی
بہت غلطی کی تھی۔

☆.....☆

بالآخر ایک ہفتہ مزید لندن گزارنے کے بعد
پارس حیدر کشمانہ کے سنگ پاکستان واپس لوٹ
آیا۔ اس کا جو آٹنک لیٹر آچکا تھا۔ نئی نئی چاندی
ہو پا کر شانزے پیگم کے پاؤں زمین پر ٹکس ٹک
رہے تھے۔ وہ اپنی ہجو کے لاڈ اٹھاتے نہ سکتی
تھی۔ سب ہی خوشیوں کا خمیر مقدم کرنے میں مگن
تھے کہ اسی الفراقی میں پارس کا کال لیٹر بھی
آ گیا۔ اسے آپریشن منرب غضب کے سلسلے میں
ازبکستان لے گیا گیا تھا۔ میجر حواد ایسا شاندار سربراہ
لہجے پر بھروسے نہیں سارے تھے۔

”جاؤ میرے بچے! اللہ تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے، آمین۔“ میجر صاحب نے فخر سے پارس کو سننے سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔ کشمانہ اور داد نے آنکھوں میں آنی نمی کو صاف کر کے مسکراتے ہوئے ڈیڑھ دو دعاؤں کے ساتھ پارس کو رخصت کیا اور اللہ نے ان کی دعا کو رد نہیں کیا تھا۔ قسمت اس پر جلد فرمایاں ہوئی تھی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نظر آئے۔

اجرا تھا وہ تھا ان کے مجازی خدا موسیٰ کا بچس جو پارس کو گٹھ سے لگائے دارسی سے اس کا ہاتھ چوم رہے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ منظر ایک بار پھر سفید بادلوں کی ادت میں دھندلا رہا تھا چلا گیا۔

شازرے نے بڑبڑاتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

”گڈ مارننگ گری! Happy Independence day دادو کو اتنا دیکھ کر تنہا نہیں ہاتھوں میں سبز پلائی پرچم تھا مے دوڑتا ہوا ان کے سینے سے لٹک گیا۔

”نفسے بیٹا! کتنی بار کہوں آپ کو اچھے سے صبح سویرے اٹھ کر گڈ مارننگ کی جگہ اسلام علیکم کہتے ہیں۔ یہ سبکی ہماری تہذیب ہے میرے بچے۔

شازرے نے میجر صاحب سے ہنسے کا ہاتھ چومتے ہوئے اسے ایک بار پھر بھانپتے ہوئے۔

”کیا بالکل اسی آواز میں نے دادو کی بات سنا مانی تو آپ کے سارے گواہ اور شاگرد ال پر ہی کو دے دوں گی؟“ کشمانہ میجر کے بی مصنوعی غصہ سجائے نرمی سے بول رہی تھی۔ تنہا نہیں دادو کی گود میں حریف سمٹ کر بیٹھ گیا۔

”کیوں بھی نئے میاں بلائیں پھر لال چلا کو۔“ میجر صاحب ہنستے ہوئے پوچھنے لگے۔

”نہیں دادا جان! ریل پر ہی کو نہ بلائیں آئی پراس میں روز سب کو السلام علیکم کہوں گا اور گھانا بھی قائم کر رکھاؤں گا۔ اما کو تنگ بھی نہیں کروں گا۔“ نئے فیض کی مصدومیت پر سب کھل کر ہنس دیے اور خدا کے حضور اپنے ملک کی سلامتی کے لیے دعا گو بھی تھے۔ پارس بھی اپنی ماں بتایا اور دادو کی طرح شہادت کا درجہ پا کر ان کی زندگی سے دور مگر ابدی زندگی پا چکا تھا۔

وہ تھر پار کر کے دستبند و عریض سبھام میں سیاہ لباس پہنے رات کی سیاہی میں گم بیٹھا تھا۔ وہ اسی صحرا کے دامن میں ہاتھ پھیلائے تھی اماں بیٹھا تھا۔ اچانک اس سے کچھ فاصلے پر سیاہ دھبہ نمودار ہوا اور پارس آتے آتے ایک سیاہ بھنور کی شکل اختیار کر گیا۔ پارس کا تھر تھر کانٹا جو دمکل طور پر اس سیاہ حلقے کی لپیٹ میں تھا۔ پھر تجزہ ہوا تھا اس سیاہ حلقے کے بیچ ایک روشنی کی لکیر پھوٹی تھی۔ روشنی کی وہ معمولی سی کرن اس سیاہ بھنگولے کو اپنے اندر جذب کرتی تھی۔ کالے دھبوں کی جگہ سفید بادلوں نے لے لی تھی اور پھر جب یہ دھند چھٹی تو سامنے کا دل فریب منظر آنکھیں چندھیا دینے کے لیے کافی تھا۔ یہ وہی منظر تھا جو وہ کئی بار اپنے خواب میں دیکھ چکی تھیں۔ وہی کشادہ خوب صورت باغ تھا۔ رنگا رنگ پھولوں کے وسط میں دو سفید بے حد دلکش پھول جنہیں وہ اکثر خواب میں دیکھا کرتی تھیں۔ ان کھلتے سفید پھولوں کی تعداد اب دو سے بڑھ کر چار ہو چکی تھی۔ ان پھولوں کے وسط میں پہلے اس نے اپنے اکلوتے پوتے پارس کا عکس نمودار ہوتے دیکھا۔ پھر اپنے بیٹے عزہ کا جو داہانہ اعزاز سے پارس کو تنگ رہا تھا اور پھر اپنی بہو ڈاکٹر حیا کا جو جب کی ہانہیں پھیلائے اپنے بیٹے کی راہ تک رہی تھیں۔ آخری عکس جو اس سبزے کے وسط میں

اور میں نہیں جیتا



سورج کے سرخ شعلہ نے چاند پر بلند اور انسانوں
 کو خود سے بے زار کر رکھا تھا۔ سوئی دل گرفتہ سی ٹھکتے
 قدموں سے ارد گرد سے بے نیاز چلتی جا رہی تھی۔
 آج تو اس کو ارد گرد لہراتے کھیت بھی اپنی طرف متوجہ
 نہیں کر رہے تھے۔ سوئی نے دھیرے سے نکلڑی کے
 دروازے کو کھولا جو تیز چڑچڑاہٹ کی آواز
 سے کھلا اور دور تک خاموشی میں ارنخاش برپا ہو گیا۔
 دانے اس کی اتری صورت دیکھی اور باورچی خانے
 کی جانب مڑ گئی۔ سوئی نے نکلا چلا کر ٹھنڈے پانی
 سے منہ دھویا اور بابا کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کس قدر کوٹ کر بھرا ہے۔ کیوں بابا کیوں یہ لوگ
 نہیں سمجھتے کہ ایک مرد کی تعلیم صرف اس کی ہوتی ہے
 اور ایک عورت کی تعلیم پورے خاندان کی۔ بابا اس کا
 ٹیلٹ مر جائے گا۔ وہ خود بار ڈالے گی اپنے اندر
 کے اس جذبے کو۔ اس کی آنکھوں میں کتنی شگفتگی
 شگہو تھی۔ کتنے سوال تھے کیوں میں نے خواب
 دیکھے۔ کیوں میں نے اڑان بھرنا سیکھا؟ کیوں میں
 نے یہ خواہش بگالی کہ میں بھی آزاد پرندے کی طرح
 کھلے آسمان میں پرواز کروں گی۔ کیوں؟
 ”بس میری بیٹی بس۔“

”وہ اب بھی اسکول نہیں آئے گی۔ اس کے
 والدین کہتے ہیں میں نے اس کے اندر بناوٹ بھر
 دی ہے کیا بابا آپ کی سوئی ایسی ہے؟“ سوئی نے
 اپنی بیٹی کی آنکھیں اٹھا کر ان سے سوال کیا۔

”نہیں میری سوئی بہادر ہے اور بہادر لوگ رویا
 نہیں کرتے۔ مایوس نہیں ہوتے۔“ کیمپن نیازی نے
 سوئی کی روشن خندہ پیشانی پر اپنے کپکپاتے لب رکھ
 دیے۔ وہ خود ایک حادثے میں اپنی دونوں ٹانگیں گنوا
 بیٹھے تھے۔ انہیں رب سے کوئی شکوہ نہیں تھا۔ انہوں نے
 نبوی کو خیر باد کہا اور اپنے آہائی گاؤں طے آئے۔ اپنی

برسوں سے دریاں پڑی زمینوں پر ایک اسکول تعمیر کروایا
 اور اپنے آہائی گھر میں رہنے لگے۔ بیوی تو ایک بیٹی کو ختم
 ہونے پر گزرتی تھی۔ دوبارہ انہوں نے شادی نہیں کی۔
 ماں باپ تھے نہیں جو زور زبردستی کرتے۔ خاندان
 برسوں سے چھوٹ گیا تھا۔ نوکری بھی ایسی تھی جسکی اس
 شہر تو بھی اس شہر۔ ان کی طرح ان کی بیٹی سونا نیازی

میں بھی جذبہ حب الوطنی کوٹ کر بھرا تھا۔ وہ کبھی شہر
 کی پرہنگاہ زندگی چھوڑ کر خوش تھی۔ یہاں تک نہیں گئی
 کہیں نہیں تھا مگر وطن کی خدمت کرنے کے بہت سے
 مواقع تھے اس نے ایم اے انگلش فرسٹ ڈیگری میں
 کیا تھا۔ اسے با آسانی انہی سی جاب مل گئی تھی۔ کیمپن

نیازی تو سوئی کی شادی کرنا چاہتے تھے مگر سونا ان کے
 ساتھ چھوڑت کرانا چاہتی تھی۔ انہوں نے بھی زیادہ

”سلام بابا جان۔“
 ”ولیکم السلام۔“ کیمپن نیازی نے اپنی لادلی بیٹی
 کی اتاری صورت دیکھی۔ ”مج تو وہ بہت ہشاش بشاش
 جیتی ہوئی تھی مگر اب کیمپن نیازی نے بک اور چشمہ
 سائیکل میں ڈھک ڈھک سوئی کو کھرب آئے کا کہا۔“
 ”کیا ہوا بابا جان؟“

”بابا! سوئی کھلی آواز نہیں بولی۔
 میں تھک گئی ہوں۔“

”اوپں ہوں مایوس نہیں ہوتے۔ مایوس کھرب ہے
 سوئی۔“ کیمپن نیازی نے پیار سے سوئی کے ریشمی
 بالوں میں انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

”ہاں! میں نے آپ کو بتایا تھا ناں درخشاں خان
 کے بارے میں۔ وہ بہت اچھی کالم نگار ہے۔ میں
 نے چھوٹا کتب خانے چلے کر اپنی میں متعلقہ ہونے
 والے کالم لکھنے کے سبب انکو ڈسٹ میں شرکت کے لیے
 فارم بیل کروایا تھا۔ انکو کالم نگار کا میٹ ایوارڈ
 درخشاں خان کو بھی ملتا ہے۔ ان کے ہاں بابا اس کو

میرے ساتھ نہیں جانے دے رہے۔ میں اس کی
 استاد ہوں میں نے اس کے والدین سے بھی ساتھ
 طے کا کہا تھا کہ وہ بھی اپنی بیٹی کی عزت، شہرت
 و تکمیل کے سبب لوگ احترام کرتے ہیں اس کے
 لفظوں کی قدر کرتے ہیں اس چھوٹے سے گاؤں میں
 رہنے والی لڑکی جس کے دل میں حب الوطنی کا جذبہ

رہنے والی لڑکی جس کے دل میں حب الوطنی کا جذبہ

زور نہیں دیا۔ نصف روٹھیں چاہ میں نہیںوں نے بھی کھل کر
 ہاتھ نہیں دیا تھا۔ بی بی کا اور سونیا کی تربیت ان کی خاندانی
 ملازمہ بواجی نے کی اور سونیا کی تربیت میں کوئی کسر نہ
 رہی۔ اس لیے آج بھی وہ بواجی ان کے ساتھ تھیں۔
 کپٹن نیازی اور سونیا بے حد ان کا احترام کرتے سونیا
 نے گھر گھر جا کر بچوں کے والدین کو تعلیم کی افادیت کا
 بتایا۔ لڑکوں کے لیے کتب خانے کھولنے کی راہنمائی ہو گئی مگر
 لڑکیوں کے لیے سونیا کو چھوڑ کر بی بی نے۔ جس میں وہ
 بہت حد تک کامیاب ہوئی۔ اس سلسلے میں کئی کئی طلبہ
 تیس تو قیر نے صوبے میں تھرڈ ڈویژن کی جگہ کو خوشامی
 کو کالم نگاری پر کئی ایوارڈ اور رائلٹی بڑی کامیابی سے
 ترقی ملی خطوط و اسناد غیر ملکی تھے۔ سارے گورنمنٹ کے گاؤں
 سے بھی سچے آنے لگے تھے مگر کپٹن کی چٹائی کٹائی کے
 سون پر کئی لڑکیوں کی تعلیم کا خواب چکنا چور ہو جاتا ان کی
 ذہانت چوبے میں جھونک دی جاتی۔ ان کی آزادی چھین
 لی جاتی، ان کے تھے تھے بر زبان کی تلوار سے چھٹی
 کر دیے جاتے۔ ان کی روشن آنکھیں دیران ہو جاتیں۔
 مسکراتے لب بست جاتے۔ کپٹن نیازی نے روٹی ہوئی
 سونیا کا سر اپنے چوڑے سینے پر سے اٹھا اس کی آنکھوں
 میں ٹھوکر تھا۔ کپٹن نیازی بھی سوچ میں پڑ گئے یہ سوال
 لمحہ لگ رہا تھا کہ وہ دقت کب آئے گا جب عوام اطمینان
 سے تعلیم حاصل کریں گے۔ بے روزگاری کا خاتمہ ہو
 جائے گا، ڈاکٹروں کا قلم درست ہو جائے، دواؤں سے
 ایک ہزار روپے کا شہر ختم ہو جائے، ماڈرن کی گودیران نہ
 ہونے پائے۔ شہر گاؤں کی گھیاں بے خوف و خطر بارش
 رہیں۔ دہشت گردی، خوف و ہراس کا خاتمہ ہو جائے، کیا
 یہی ایسا وقت بھی آئے گا۔ کوئی آنے والی نسل کو بھی
 ماضی کے کچھ خوشگوار واقعات بھی سنائے گا؟ کیا کسی
 منہرے دور کا ذکر بھی ہوگا؟ کپٹن نیازی نے اپنی سوچ
 کو جھٹک دیا۔ وہ کیا یامیں کن باتیں سوچ رہے تھے۔
 "چینا ایک پودے کو پالی نہ ملے تو کیا وہ پھر سوک
 جاتا ہے؟ نہیں ناں تو پھر کیوں مایوس ہوئی ہو۔ انشاء
 اللہ ہمارے وطن میں ایسا وقت بھی آئے گا۔ جب ہر

شخص تعلیم یافتہ ہو گا اور خود اپنی آزادی اپنے حق کے
 لیے لڑے گا۔ ہاں ایسا وقت بھی آئے گا جب ہر زبان
 پر ہو گا کہ پاکستان امن کا گہوارہ ہے، خدا پاکستان پر
 حکومت کرنے والوں کے دلوں میں جذبہ حب الوطنی
 چکادے گا۔ وہ تیار نہیں ہوں گے پاکستان کے ہر
 گھر میں جو تاقیامت اس وطن کو سلامت اور امن کا
 گہوارہ بنا کر رکھیں گے۔ بس انھوں سے دعا ہے خدا ہر ایک
 کو تم جیسی بیٹی اور سوچ دے گا۔ یہ بیٹی گوارا نہیں کی
 ۔ اس بات کی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یاد دہاؤ کو کو کر
 کھانا میں بہت زور دیکر جھوک گئی ہے۔
 سونیا دھیرے سے سکرانی۔
 "کہہ کھانے کے بعد گرین بی بی رہے تھے۔
 بابا جان۔" سونیا نے پیار سے پکارا۔
 "بی بی جان جان۔"
 "بابا جان! مجھے کچھ کہہ دو پتھم سن رہی ہے آپ سے اور
 سب ٹھیک ہو جائے۔"
 "ہوں۔" کپٹن نیازی نے چاہنے کی چسکی لی
 اور دھیرے سے سکرانے ان کے دوش پر بھی فرمائش
 کرتے تھے اور جب بھی وہ کسی مشن سے کامیاب
 لوٹتے تھے میں ان سے بھی فرمائش کی جاتی۔
 اور سب ٹھیک ہو جائے
 ان گھرے گھوں کو، ان گھری گھریوں کو
 کس طرح سمیٹوں میں، کس طرح گروں کچھ
 اور سب ٹھیک ہو جائے
 ان گھرے موتیوں کو، ان گھرے ہیروں کو۔
 کس طرح سمیٹوں میں
 کہ پھر سے ملائے جانے اور سب ٹھیک ہو جائے
 کس طرح تادی آنکھوں کو، کس طرح معصوم چہروں کو
 تسلی دوں اور سہارا دوں
 کاش یہ قوم پھر سے ایک ہو جائے
 اور سب ٹھیک ہو جائے
 "پاکستان زندہ رہے۔" سونیا نے مسکراتے لیوں اور ہنسی
 آنکھوں سے اپنے پارے بابا جان کے ساتھ کہا۔

عید سروے

رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ دل سے دعا ہے کہ پاک پروردگار ہر مسلمان کی مشکل آسان فرمائے اور سب کو اس نعمت سے نوازے، آمین۔

☆ تو جی جناب! پلاننگ یہ ہے کہ اس عید پر تیسرے دن ہم نے گھر پر کچھ اجتناب کرنا ہے۔ پہلے دو دن تو تائی امی، پھوپھو اور تائی امی کے گھر کی سر میں گزر جاتے ہیں پھر تیسرا دن سکن سے بھرپور گزر جاتا ہے۔ اس لیے اس بار تھر ڈے کو اجتناب کرنے کا ارادہ ہے۔ کچھ یادگار سا۔

☆ عید ان کا خیال لانی ہے..... پتہ ہے کن کا..... عیدی اور چائٹ کا (عی عی عی) آپ کیا سمجھتے تھے..... جی نہیں ابھی "ان" کی آمد نہیں ہوئی۔

☆ آہم..... ابھی تو وہ خود نہیں آئے..... عیدی کہاں سے آئے گی۔ (اچھا ہے تھوڑا آرام سے عی عی عی)۔

☆ عید کے دن تو جو بھی ڈش کھائیں یونیک عی لگتی ہے۔ اتنے دنوں بعد جو کھاتے ہیں اور مشروب تو سادہ پانی عی دل کو بھاتا ہے۔ ویسے اس بار عید پر سکن کونے جانے کا ارادہ ہے۔

☆ عید کے دن جہاں مہمان بننے کا مزہ ہے وہیں میزبان بننے میں بھی الگ عی لطف ہے۔ یعنی مٹک میزبان ہوں، خاطر داری کرو اور شام میں خاطر عی اشواذ مہمان بن کے، کچھ آرام بھی مل جائے گا۔

عید سروے کے سوالات

- 1- عید 2015ء کے لیے کیا خاص پلاننگ کی ہے؟
- 2- عید ان کا خیال لانی ہے، کن کا؟
- 3- عید کے حوالے سے کوئی یونیک ڈش یا مشروب بتائیں۔
- 4- ان کے گھر سے پہلی عید پر کیا آتا تھا؟
- 5- عید کے دن میزبان بننا زیادہ اچھا لگتا ہے یا مہمان بننا؟
- 6- عید کے دن سب سے زیادہ کاروبار کتنا ہے؟
- 7- عید اور سیرال کی عید میں کیا فرق ہے؟
- 8- عید کے ڈر بسز خود زبان کوئی ہیں یا ٹیلر کے آسرے پر چھوڑ دیتی ہیں؟
- 9- عید پر کئی ڈش کس کی لینے کی ہوتی ہے؟
- 10- عید کی صبح سہانی لگتی ہے یا شام؟

مصباح مسکان رؤفہ..... جملہ

اسلام علیہ السلام پاکستان! مصباح مسکان رؤفہ کی طرف سے تمام پاکستانیوں کو خوشیوں اور برکتوں بھری عید الفطر کی بہت مبارک ہو۔ دعا ہے اللہ ہم سب کو خوشیوں بھری ڈھیروں عید میں اپنے پیاروں کے ساتھ دیکھنا نصیب فرمائے، آمین۔ عید تو نام ہی خوشی کا ہے۔ ماہ رمضان کے روزے رکھنے کے بعد اللہ کا یہ امت مسلمہ پر انعام ہونا ہے۔ جسے ہم عید کہتے ہیں مگر آج کے مشکل دور میں ہر کسی کو خوشی سے عید منانے کا موقع نہیں ملتا۔ ان کے حالات اور مجبوریاں ان کی خوشیوں کی راہ میں

ایسے اصول ہیں۔

☆ یوں تو عید کے تینوں دن ہی اچھے اور سہانے ہوتے ہیں لیکن پہلے دن کی صبح کی تو کیا ہی بات ہے۔ جلدی جلدی گھر کی صفائی سحرائی سے فارغ ہو کر نئے کپڑے پہننا، ابر اور بھائیوں کا عید پڑھ کے آنے اور پھر ان سے عید ملانا۔ ایک دوسرے کو مبارکباد دینا، بیٹھا اور چائے، لڈیو پکوان، ایک ایک چیز یادگار اور خوبصورت ہوتی ہے۔ شام تک کچھ تھکاوٹ ہو جاتی ہے اس لیے شام کی وہ دہلیو نہیں ہے جو عید کی ہے۔ آخر میں ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ کہ اللہ سب کو خوشیاں نصیب فرمائے۔ اجڑے گھروں کے کھیتوں کو سب کمال، ہمت و حوصلہ، بیماریوں کو شفا کاملہ اور بچے کو سواطہ الشقیق عطا فرمائے۔ آپ کی، ہمیں سبھی کا، روف اور امینہ روف اجازت جانتی ہیں۔ اللہ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ہر طرف کی درگم سے بچائے، آمین۔

شہلا گل سحر..... کوہستان

☆ عید اللہ تعالیٰ کا خاص تحفہ ہے۔ اس لیے بھر پور طریقے سے منانے کا ارادہ ہے۔ سسرال میں میری پہلی عید ہے۔ اس لیے بن سنور کے اچھے میزبان کے فرائض ادا کرنے ہیں اور گھمراپے کی دھاگ بھفانی ہے۔

☆ عید میرے ابو کا خیال لائے گی کہ میں ان کے سائے سے اس سال محروم ہوئی گی اور یا پیا جانی کا جو پردیس میں الگ عید منا میں گے اور میں یہاں الگ اور دل کہتا ہے کہ "عید تمہارے رنگ پیا"۔

☆ ڈائیکٹے دار کو فتنے شش آدمی چھٹا تک، بادام آدمی چھٹا تک، کیدو چار بڑے، حججہ زعفران دو ماشے۔ الاچی پانچ ماشے، پیاز آدھا پاؤ، وال چٹا ایک چھٹا تک، گرم مصالحی نمک، مرچ حسب

☆ عیدی کا ریکارڈ..... آخ باہ..... کیا سوال پوچھ لیا ہے۔ اب کہاں عیدی! وہ تو بچپن کے ادا کاروں تھے جب ہر بڑے سے عیدی لگتی تھی اور پھر سب ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے تھے کہ میری اتنی عیدی ہوئی ہے تمہاری کتنی ہوئی؟ اب تو ہم بڑے ہو گئے ہیں۔ عیدی لینے والے نہیں دینے والے عیدے پر ناز تو رہا اب تو جو کوئی تھوڑی بہت ملتی ہے غیبت ہے۔

☆ سسرال سے تو ابھی تک پلا پلا کر آئی ہیں۔ ذاتی خیال ہے کہ دونوں بچوں کا اپنا اپنا جادو ہے لیکن آئی تھک زیادہ خوشی میکے کی عیدی ہوئی ہے۔ اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کا ساتھ، ہر فکر پر مٹانی سے آزاد، امی کے ساتھ مل کے کام کرنا، اپنی چھٹی ڈانٹ، بہن بھائی سے چھیڑ چھاڑ، خوش باش زندگی جب کہ سسرال میں تو ہر کام بہت ہی سوچ سمجھ کر کرنا پڑتا ہے۔ سسرالیوں کے مزاج اور شوہر کی مرضی و خوشی کے مطابق خود کو ان کے رنگ میں ڈھال کر، خود کی فنی کر کے سسرال کے ماحول میں ایڈجسٹ ہونا پڑتا ہے۔ سسرال کی عید تو ذمہ داریوں بھری بلکہ آزمائشوں بھری عید ہوتی ہے۔

☆ نہ نہ ہی! ٹیلر کا ہمارے ڈریسز میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ہم بذات خود ڈیزائنر اور ٹیلر ہیں۔ اپنے ڈریسز ہم خود ہی ڈیزائن کرتے ہیں دونوں بہنیں۔ امی کی جھڑکیاں سنتے ہوئے زبردست ڈیزائن سوچنے اور پھر سینے میں جو حزا ہے وہ ٹیلر کے حوالے کر کے خود ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھنے میں کہاں بھلا۔ ساتھ میں میچنگ چوڑیاں پہننا، ذاتی محنت واہ جی واہ.....!

☆ پہلی دس تو ابو امی اور بہن بھائیوں کی طرف سے ہی زیادہ خوش کن ہوتی ہے۔ آئی تھک کہ ہر لڑکی عید کی پہلی مبارکباد اپنے ماں باپ سے ہی لینا چاہتی ہے کیوں کہ یہ رشتے ہی

دار کے گھر نکل جاتے ہیں۔

سیدہ صن بخاری سرگودھا

بہن کوئی خاص پلاننگ نہیں ہے بس اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ سب کی توفیق اور برائی سے بچنے کی طاقت دے۔ ہمیں نیک بنا دے وہ شرگ سے زیادہ قریب ہے۔ ہمارے نہاں دعیاں نیک ارادوں میں کامیابی عطا کرے۔ کیوں کہ میں نہیں جانتی کہ پروردگار کی تدبیر میرے بارے میں کیا ہے۔ بس دعا ہے کہ وہ میری غلطیوں کو مٹا دیں اور میری کوتاہیوں کو مٹا دیں۔ میرے عیبوں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے میری تقدیر کا اچھا کر دے، تجھے عزت، علم و عمل اور شہرت سے نواز دے، وہ بہتر جانتا ہے میرے ارادوں اور طلب کو، میرے حق میں جو بہتر ہے وہی عطا کرے کیوں کہ حضرت علیؑ کا فرمان ہے "میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے بچانا۔"

☆ ان غریب لوگوں کا جو ہنگامی کے اس دور میں عید کی خوشیوں میں شامل ہونے سے قاصر ہیں اور ان مسلمانوں کا جو کفار کے مظالم میں جکڑے ہوئے ہیں اور آزادی کی نعمت سے محروم ہیں۔

☆ ایسا کچھ خاص نہیں ہے۔ جو شیئر کر سکوں وہی کھیر، سویاں وغیرہ جو سب گھرانوں کا پکوان ہے۔

☆ ابھی تک ان چکروں سے محفوظ ہوں۔

☆ دونوں۔

☆ ابھی تجربہ نہیں ہوا۔

☆ جی نہیں..... مجھے صلائی کرنا نہیں آتی۔

☆ امی جان اور بہن بھائیوں کی طرف سے۔

☆ دونوں یکساں ہیں۔

☆ ریکارڈ کبھی رکھا ہی نہیں۔ بس بغیر گنتے

☆ اسلامی کتابوں پر عید کی خرچ ہو جاتی ہے۔

☆.....

ذائقہ۔ (ترکیب): وال چٹا اور سب مصالحے مع پانی کے ایک چمک میں ڈال کر بکنے کے لیے رکھ دیں۔ تاکہ وال گل جائے اور پانی خشک ہو جائے۔ سب چیزوں کو نکال کر باریک پیس لیس باوام کو پانی میں بھگو کر باریک کاٹ لیں۔ کشش تل لیں۔ سب چیزوں کو پیسے میں ملا کر کوفٹوں کی شکل میں بنا لیں۔ انڈا اور ڈبل روٹی کا جوڑا لگا کر تل لیں۔ باقی سامان کا شوربہ بنا کر تلے ہوئے کوفٹے اس میں ڈال کر پیش کریں۔ بہت داد ملے گی۔

☆ بھرپور عیدی آئی تھی۔ کپڑے، مہندی، جوتے، چوڑیاں، جیولری اور ڈھیروں ڈھیروں سوتیا کے گجرے (آپا کیا یادگاروں تھا)۔

☆ کوکٹ کرنی اچھی لگتی ہے۔ میزبان بنا زیادہ اچھا لگتا ہے کہ مہمان اللہ کی رحمت بن کر آتے ہیں۔ مہمان نوازی کرنی اچھی لگتی ہے۔

☆ عید کی خوشیوں میں خوش رہتی تھی۔ مگر کبھی جمع نہیں کیے کہ سب خرچ کر ڈی تھی۔ عیدی اب بھی ملتی ہے۔ ہزاروں میں بھی مگر اس میں وہ خوشی کے رنگ نہیں ہوتے۔

☆ سسرال میں پہلی عید ہے مگر ظاہر ہے کہ سسرال ہو کر ہی گزارنی پڑے گی کہ کوئی خانہ ہو کوئی غلطی نہ ہو مگر سسرال کی عید زبردہ یاد (بد معاشی پر گزرتی تھی)۔

☆ ہائے ہائے قلم تھا ہے رہے، امی کے ہزار کپے کے باوجود سوسا دھماکے کو ہاتھ نہیں لگایا۔ ٹیلر کے سہارے ہی رہنا پڑتا ہے، مجبوری ہے۔

☆ پہلی و شتر تو سبیاں لانی کی ہی چاہیے۔ ترنا ہے کہ وہ ساتھ ہوتے (مگر ہائے گزرتی اور نگار) میری عید کا چاند تو وہی ہیں اور میری عید بھی۔ (کیا

کریں پر دیکھی باہر سے پالا بڑا ہے)۔

☆ عید کی شام اچھی لگتی ہے۔ چہل چہل رہتی ہے میکے والے عیدی لے کر آتے ہیں مگر کوکٹوں میں اور دیوں سے سجاتے ہیں۔ کبھی کسی رشتے

روحانی دولت

ضیاء عبدالغنی کی ڈائری سے

ایک خوب صورت

نظر جب اس سے ملتی ہے
میں خود کو بھول جاتا ہوں
بس اک دھڑکن دھڑکنی ہے
میں دل کو بھول جاتا ہوں
اس سے ملنے سے پہلے میں
بہت بچا سنورتا ہوں
لیکن جب وہ سنورتی ہے
میں خود کو بھول جاتا ہوں
میں اکثر کتابوں میں
اسی کا نام لکھتا ہوں
لیکن کچھ وہ جو کتنی ہے
میں لکھتا بھول جاتا ہوں
میں اکثر اس سے کہتا ہوں
میں تم سے یاد کرتا ہوں
لیکن جب وہ یہ کہتی ہے
میں دنیا بھول جاتا ہوں

مہربن کنول کی ڈائری سے

مہر گل کا کلام

جو تجھے پائے کھونے چلے
نفرت سچ کے بونے چلے
اپنا ہی اجاڑ کے تن میں دھن
شرمندہ ہیں ہم اے ارض وطن

بس یوں لفظ ہیں نعرے ہیں
جو بھی الفاظ ہمارے ہیں
نہیں عمل کا سر پہ پابند حاکم ہے
شرمندہ ہیں ہم اے ارض وطن

راوی کی اس نعمت کو
ربیب کی بخشش اس رحمت کو
خود لکھنے چلے ہیں ہم کہہ رہے ہیں
شرمندہ ہیں ہم اے ارض وطن
یاک فوج کے شہداء کے صلہ تے
کچھ ہم کو بھی جرأت ملے
تو مہر چاہیں ہم وار دین
شرمندہ ہیں ہم اے ارض وطن

مہوش جواد کی ڈائری سے

حسن نقوی کی غزل

تیرے عشق نے جیسی ہے یہ سوعات مسلسل
تیرا ذکر ہمیشہ تیری بات مسلسل
اک مدت ہوئی تیرے باہم دور سے لکے
رہتی ہے پھر بھی تجھ سے ملاقات مسلسل
وہی دل کی مٹی بن جاتی ہے
جب تصور میں گزرتی ہے ہر رات مسلسل
جب سے دیکھا زلف پریشان کا عالم
اٹھے ہوئے رچے ہیں دن رات مسلسل
میں تیری محبت میں ہاں مقام پر پہنچا ہوں حسن
کسیری ذات میں رہتی ہے تیری ذات مسلسل

افغان علی کی ڈائری سے

حسن نقوی کی نظم

میرے لیے کون سوچنا ہے
 جدا جدا ہیں میرے فیملے کے لوگ سارے
 جدا جدا سب صورتیں ہیں
 سبھی اپنی اپنی کامیابیوں کی تہ میں پڑے ہوئے
 خواہش کے پنجر
 ہوں کے کنگڑے
 حاکم ریزے

میری لدا کی کو کون پہلانے
 کس کو فرصت ہے مجھ سے پوچھو
 کہ میری آنکھیں کلاب کیوں ہیں
 میری مشقت کی شاخ عریاں پہ
 ساڑھوں کے عذاب کیوں ہیں
 میری جسمانی جوانی کیوں ہیں
 میرے حشر میں ہر اب بیلوں ہیں
 میرے لیے کون سوچنا ہے
 سبھی کے دل میں کدو شکن ہیں
 ہر کوئی نکل کر تھکتا ہے
 سبھی کو اپنے بدن کی شردگ میں
 قطرہ قطرہ دہو کالا داغ بٹھانا ہے
 سبھی کو لڑنے والوں کے دریا کا دکھ
 وراثت میں پہلانا ہے
 میرے لیے کون سوچنا ہے
 سبھی کو اپنی ضرورت کیوں ہیں
 میری رگیں جھیلتی جراثیم کو کون
 شفا کی شبنم؟

دانیا آفرین کی ڈائری سے

روش ترغی کی ایک نظم

عجب اک خطا لاحق ہے
 کروگوں کے سندر میں

بہت دن ہو گئے میں نے
 کوئی چہرہ نہیں دیکھا
 جودل کے تلے صحرا پر
 برس جانے گھٹائیں کر
 کسی کے بھی لبوں پر
 لفظ وہ ٹھہرا نہیں دیکھا
 بہت دن ہو گئے میں نے
 کوئی پہنا نہیں دیکھا
 کوئی اپنا نہیں دیکھا

روشنی فاطمہ کی ڈائری سے

نجم الامیر شاہین

میں تو اب بھی ایک طالب علم ہوں
 عرصہ گاہ دیر ہے میرا اسکول
 ایک ہی درجے میں ہوں برسوں سے میں
 وقت سارا کھودیا میں نے فضول
 ہائے ناہنجی میری
 دامنے ناوانی میری
 زندگی ہے بے رحمت استانی میری
 ایک اور مثال دیکھیں
 نگاری کے تختوں پر کمان ہیں
 اس ترتیب سے حتی ہوئی ہیں
 یوں آپس میں جڑی ہوئی ہیں
 جیسے قبرستان میں قبریں
 جلدوں والی سناری کتابیں پکی قبریں
 غیر جلد ہنگی قبریں
 کچھ نازہ
 کچھ بہت پرانی
 کچھ بے حد بوسیدہ شکستہ
 یہ فرقہ ہیں ان لوگوں کے
 کچھ کے بعد بھی جو زندہ ہیں

اشعار

ابیرین حیدر..... عطر کا آواز
 وہ جس سے رہا آج تک آزاد کا
 بیچے مری سوچوں کو اب الفاظ کا
 عمارہ ظلیل..... کراچی
 پھر اپنی سنا کہ راستے کیجا نہ ہو سکے
 وہاں اپنی پست تھا میں بھی انا پرست
 راجہ میر..... سرگودھا
 عجب تراش ہے مٹی سے ہے لاکڑی کا ساگر
 بے دقتی کر دو تو روتے ہیں دقا کر تو رلاتے ہیں
 مہک علی..... حیدر آباد
 محبت کا ازل سے ہے یہی شیوہ غالب
 جو اس کو جان لے یہ اس کی جان لے
 مصباح گل..... سرگودھا
 میں باز نہ آج تک اس خلش سے چھٹکارا
 وہ جیسے جیت بھی سکتا تھا مگر ہارا کیوں
 عائشہ..... سیالکوٹ
 جانے کس عمر میں بدلے گی یہ عادت اپنی
 روٹھنا اس سے تو اوردوں سے اچھے رہنا
 حنا علی..... ملتان
 نہ جانے کون سا آسیب دل میں بست ہے
 کہ جو بھی ٹھہرا وہ آخر مکان چھوڑ گیا
 طاہرہ..... راولپنڈی
 مسکراہٹ، تبسم، ہنسی، قہقہے
 سب کے سب کھو گئے ہم بڑے ہو گئے

شیراز گل سحر..... کوہاٹ کینٹ
 ن چھوئے تجھے گزرتا ہے جو سرخاؤ
 کسی کی خاموش دعاؤں نے تجھے سنبھال رکھا ہے
 ملالہ اسلم..... خانیوال
 کوئی بھی امید پر پورا نہیں اترتا
 کیسی صورت ہے جو تجھے نظر نہیں آتی
 لائل آرزو..... اوکاڑہ
 علی عشق ذات ہوں
 قرب ہی مرا علاج ہے
 سہاگل..... رحیم یار خان
 بت تھک مٹی ہے راستے میں
 ز شوار اور لہا بہت ہے
 سدردہ..... سرگودھا
 ب و زلف سے مرا اعتبار ہی اٹھا گیا
 سے بعد مجھ سے کوئی دعا نہیں ہو سکی
 مریم شہباز..... لاہور
 م کی دلیز سے شخص اٹھا کر لے گیا
 ن ہے جو شہر کی رہیں چرا کر لے گیا
 تو اٹھ آئے تھے اس کی بزم سے آذر مگر
 دل کم باتوں میں لگا کر لے گیا
 نو شین مدثر..... لاہور
 اک خواب کی تعبیر تھوڑی ہوتی ہے
 دن کی یہ تقدیر تھوڑی ہوتی ہے
 یہ کہتے ہیں ایک دل سے دوسرے دل تک
 ن کے پاؤں میں زنجیر تھوڑی ہوتی ہے

رائیہ عمر..... بھکر
 روز یاد آنے کی شکایت ہے آپ سے
 کیا جانے کبھی چاہت ہے آپ سے
 لوگ تو بہت ہیں کہنے کو لیکن
 دل کو نہ جاسنے کیوں محبت ہے آپ سے
 رامین ناز..... حیدرآباد
 آج بہت دکھ ہورہا ہے حالی زندگی پر جان
 کاش! ہم نے حد میں رہ کر محبت کی ہوئی
 بشری..... ملتان
 خواب میں بھی تم اب نہیں آتے
 مطلب فقر تیں ان دنوں عروج پر ہیں
 آفرین خلیل..... فیصل آباد
 مجھے بھولنا ہوتا تو کب کا بھلا دیتے
 نہ جسرت ہوگی ہو کوئی مطلب زندگی تو نہیں
 راجہ نسیم..... سرگودھا
 اس کو گھونٹنے کا بہت دکھ ہے مگر
 ہم اسے پانے کے حساب کیاں سے لاتے
 دھنک ناز..... کراچی
 تیری یاد میں کی ہے میں نے مسندوں سے لڑتی
 نجانے پھر بھی کیوں تجھے تیرے لنگھوں کی پال رہی ہے
 ام ہانی..... بھکر
 رکا ہوا ہے عجب دھوپ چھاؤں کا موسم
 گزرا ہے کوئی دل سے بادلوں کی طرح
 گھٹت نہیں..... چنیوٹ
 شام تنہائی دس رہا ہے مجھے
 درد کے بادلوں سے لکھوا ہے
 لو چراغوں کی تیز تر آواز
 شہر دل میں بڑا اندھیرا ہے
 ارم خان..... پشاور
 رستا بھی نہیں ٹھیک سے چلا بھی نہیں ہے
 یہ دل کہ تیرے بعد سنبھلا بھی نہیں ہے

اک عمر کے صحرا سے تیری یاد کا بادل
 لگا بھی نہیں ہے اور رستا بھی نہیں ہے
 عائشہ عمران..... قصور
 تو نام کا دریا ہے روانی نہیں رکھتا
 بادل ہے وہ بے فیض جو پانی نہیں رکھتا
 یہ آخری خط آخری تصویر بھی لے جا
 میں بھولنے والوں کی نشانی نہیں رکھتا
 سیدہ امبرہاشمی..... کراچی
 ردھ جاتے ہو تو کچھ اور حسین لگتے ہو
 ہم نے یہ سوچ کے ہی تم کو خفا رکھا ہے
 سانس تک بھی نہیں لیتے تھے سوچتے وقت
 ہم نے اس کام کو بھی کل پر اٹھا رکھا ہے
 شاہین سجاد..... صوابی
 یہ جو ذہنی ہیں میری آنکھیں انھوں کے دریا میں
 یہ مٹی کے چٹوں پر بھرد سے کی سزا ہے
 عائشہ..... منڈی بہاؤ الدین
 ساتھ چھوڑ کے بھی ہم سے جدا مت ہونا
 وفا چاہئے آپ سے بے وفا مت ہونا
 ردھ جائے ساری دنیا ہم سے
 مگر آپ ہم سے کبھی بھی خفا مت ہونا
 بلوچ علی..... اسلام آباد
 یہ جان کر بھی کہ دونوں کے راستے تھے الگ
 عجب حال تھا جب اس سے دورے تھے الگ
 خیال ان کا بھی آیا کبھی تجھے جاناں!
 جو تجھ سے دور بہت دور تھی رہے تھے الگ
 طیبہ بھشر..... لیہ
 کیا ضروری ہے کہ ہاتھوں میں تیرا ہاتھ بھی ہو
 چند بادوں کی رفاقت ہی بہت کافی ہے
 بلوچ بیٹے ہیں اسی بل سے گھروں کی جانب
 یہ تھکن آتی مسافت ہی بہت کافی ہے
 ☆.....

اس ماہ میں

اس ماہ میں کیا ہوتا ہے

سے دونوں مستفید ہو سکتے ہیں۔ اعلیٰ اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو عیاں تھا۔ انکس مشین حضرت ابراہیم صاحب نے مرزاہ چشت کی حیثیت سے عیسائوں کے خلاف کوشش میں خدمات انجام دیں جس کا کما حقہ جبران ممکن ہے۔ یہ آپ ہی کی نظر کا فیضان ہے کہ سلسلہ چشت میں حضرت سلطان المشائخ محبوب الہی اور حضرت خدو علی احمد صاحب نظر کی جیسے آفتاب و مہتاب طلوع ہوئے جن کے انوار سے پورا ملک دہندہ جگمگا رہا ہے۔

پتہ: گلی (کھاروی) شہ پارے) مصنف: سید سجاد احمد شاہ صاحب مدنی
انتخاب: فرید ادریس صاحب مدنی

دکھ

اللہ تعالیٰ جس کو اپنا آپ یاد دلانا چاہتا ہے تو اسے دکھ کا ایک ٹکڑا شکا دے کر اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ دکھ کی بجلی سے نکل کر دوسروں تک لیے آدی نرم پڑ جاتا ہے پھر اس سے نیک اعمال خود بخود اور بخوشی سرزد ہوتے ہیں دکھ تو روحانیت کی میزبانی ہے۔ اس پر صابر و شاکر ہی چڑھ سکتے ہیں۔

(بانو قدسیہ کی کتاب دست بستہ سے انتخاب)

عائیہ نیازی۔ ربوہ

نقیب والے

چمڑکیاں دینے والا، رعب جمانے والا، دھمکیاں دینے والا بھول چکا ہوتا ہے کہ وہ بھی انسان ہے انسانوں پر رعب جمانے اور انہیں چمڑکی دینے کا

کانر صد سالہ راموسن گندورہ کی نظر
آں فرید الحق والدین خواجہ صاحب مدنی
حضرت کی ذات گرامی میں وہ جاؤ بیٹ اور
کوشش کی اور آپ کے اخلاق میں ایسی گہرائی تھی کہ
جو ایک دفعہ آپ کے پاس آ جاتا، بس آپ کا ہی ہو
جاتا تھا۔ صبح سے شام تک اسلام لانے والوں کا ہتھکھا
لگا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی دنوں میں آپ
کے وجود مسود کی برکت سے مسلمانوں کی قلت کثرت
میں تبدیل ہو گئی۔ پنج اور رادی کے کنارے پر جو
قو میں آباد تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ آپ کے دست
سبارک پر مشرف باسلام ہو گئیں۔ گرہ و نواح میں آباد
راجپوت نسل کی تمام شاخیں آپ کے دست اقدس پر
مسلمان ہوئیں۔ اجمودھن پاکستان شریف ہو گیا۔ بلند
پہاڑی جگہ خانقاہ شریف تعمیر ہوئی جہاں پر مزار
مبارک موجود ہے۔

طالبان حق اور سارکان طریقت سیکنگروں مسل کی
مسافت طے کر کے یہاں پہنچے اور آپ کی باطنی توجہ
سے کامیاب و کامران واپس جاتے۔ آپ کی خدمت
میں غلامی کی جماعتیں، فقراء کے گروہ، قلندروں اور
سکینوں کی ٹولیاں آتیں تھیں اور ہر وقت حاجت
مردوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ لکھتے ہیں کہ نصف شب
تک خانقاہ شریف کا دروازہ کھلا رہتا۔ مہمانوں کی
اشخ ہوتی آپ کا لطف کرم عام تھا۔ فرہو دار و دار
یکم سے یکساں برتاؤ ہوتا۔ آپ کی توجہ اور مہربانی

ندیدہ ہونے کا نام ہے۔

نور ملک۔ کراچی

اس ماہ کی خوب صورت بات

قطرہ

بارش کا ایک چھوٹا سا قطرہ ہوں تو کچھ بھی نہیں۔
مگر اس کی اصل قدر و قیمت نپٹا ہوا سحر اسی جان سکتا
ہے۔ پھر اہا ہا سمندر نہیں۔

فرزاند شوکت۔ کراچی

اس ماہ کی مزاج اہم

الگ بات ہے

آپ کے پاس دماغ ہے
چلتا نہیں وہ الگ بات ہے
آپ بہت خوب صورت ہیں
کوئی ماننا نہیں الگ بات ہے
آپ امیر ہیں لیکن سببوں ہیں
وہ الگ بات ہے
آپ ہیں شریف لگتے نہیں
وہ الگ بات ہے
آپ کے پاس موبائل ہے
بیلنس نہیں وہ الگ بات ہے
کافی عزت ہے آپ کی کوئی کرتا نہیں
وہ الگ بات ہے
آپ کی بے عزتی ہو رہی ہے
اور آپ ہنس رہے ہیں
وہ الگ بات ہے

ریزا نور رضوان۔ کراچی

اس ماہ کا تلفظ زندگی

زندگی کیا ہے

لوگ سمجھتے ہیں کہ زندگی محض دکھ سکھ کا نام ہے
لیکن زندگی بلکہ بارے میں صحیح کے چھپاتے پرندے
نے کہا کہ

کوئی حق نہیں۔ ہر نفی احتمال صرف غرور نفس کا دھوکا
ہے اور غرور کسی انسان میں اس وقت تک نہیں آسکتا
جب تک وہ بد قسمت نہ ہو۔ نصیب والے قسمت
والے ہمیشہ عاجز و سکیں رہتے ہیں۔ (راصف علی
واصف)

صباح۔ ہارون آباد

اس ماہ کچھ دل سے

ماں کی مسکان، گریزا کھلونوں کا گھر
مجھ کو پھر سے مرا بچپنا چاہیے
اب ہورات ہو لو اور تہائی ہو
مجھ کو اس کے سوا اور کیا چاہیے

نور بانو۔ کوئٹہ

اس ماہ کی کرئیں

☆ سنا کہ جب روح میں اتر جائے تو روئیں
ستار نہیں کرتیں
☆ کیا کس شہید ہوں گے شہریں ہو جاتے ہیں۔
اکثر یہ اس بچھ جانے پر یوں سن فرق آجاتا ہے۔
☆ لوگ اتنے بے اعتبار بھی نہیں ہوتے جتنا ہم
ان پر اپنی توقع کا بوجھ ڈال دیتے ہیں
☆ زندگی پر شخص کو عزیز ہونی چاہیے کہ سہارا
افغان کو عزت زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہونی چاہیے۔
☆ ہم بھی نمبر اور جوتے کی مانند ہے جس کا
احساس اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک وہ تکلیف نہ
دینے لگے۔

☆ سب مطالعے اور تدبیر کے آگے سرگرمی ہیں۔
یہاں تک کہ تدبیر کے نتیجے میں مرگ اوجھالی ہے۔
☆ مطالعے کی عادت ڈالنا ایک طرز عمل ہے
تقریباً تمام دنیاوی علم و فکر سے نجات کے لیے اپنے
واسطے ایک اہم پناہ گاہ نمبر کرنا ہے۔

☆ حسن سیرت برائیوں سے پرہیز کرنے کا نام
نہیں بلکہ ذہن میں برائیوں کے اثر کتاب کی خواہش

زندگی قدرت کی خوب صورتی کا نام ہے۔
 غروب ہوتے سورج نے کہا۔
 "زندگی کے رنگ میں بھانپیں"
 مر جھائے پھول نے کہا۔
 "زندگی چند گھنٹوں کی کہانی ہے۔"
 ہرنی نے کہا۔
 "زندگی محض دوڑتے رہنے کا نام ہے۔"
 سنسان جنگل نے کہا۔
 "زندگی ایک گہری خاموشی کا نام ہے۔"

دونوں اپنی اپنی گاڑی سے اتر آئے اور نقصان کا جائزہ لینے لگے۔ زمین دار نے خوش اخلاقی سے کہا۔
 "کیوں نہ اس حادثے کا دھچکا کم کرنے کے لیے ہم تھوڑی سی عینیں؟ یہ کہہ کر اس نے جیب سے بوتل نکال کر پروفیسر کو تھما دی جس نے چند گھونٹ بھرے اور بوتل واپس دے دی۔ زمین دار نے بوتل اپنی جیب میں واپس رکھ لی۔ پروفیسر نے پوچھا کیا آپ ذرا بھی نہیں عینیں گے؟ زمین دار نے کہا کس جب تک پولیس آکر معائنہ نہ کرے۔"

پانچ شخص نے چوری کی سزا کا فیصلہ سننے سے فریاد کی۔ وہاں سے سرکار یہ کہاں کا انصاف ہے کہ چوری تو میرا جیال ہاتھ کرے جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے اور قید سنیں مجھے پورے کے پورے کو ڈالا جائے۔ رنج نے کہا بہتر ہے تمہارا جیل میں رہے گا تم اگر جاہلو تے وہاں چھوڑ گئے ہو۔ یہ سنتے ہی بجر نے اپنی لکڑی کا ہاتھ لگ کر نئے بیج کی سزا پر رکھا اور چلا گیا۔

نخواست

جہاز کے عرشے پر ایک خوب صورت عورت اپنی ایک ہم سفر سے باتیں کر رہی تھی۔ اس نے اپنے لاکٹ کا ہیرا ہم سفر عورت کو دکھاتے ہوئے کہا یہ سلیم ہیرا ہے سات لاکھ روپے اس کی قیمت ہے ہم سفر عورت نے ہیرے کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ عام روایت ہے کہ بڑا ہیرا پہننے والے کے لیے اپنے ساتھ کوئی نخواست ضرور لانا ہے اس ہیرے کے ساتھ تو کوئی نخواست نہیں؟ خوب صورت عورت نے آہ بھر کر کہا۔
 "ہوڑھے سلیم صاحب۔"

ایس اتیان احمد۔ کراچی

.....☆.....

کانٹوں نے کہا۔
 "زندگی ایک چھین ہے۔"
 بھکاری کے نزدیک۔
 "زندگی داتا کی دین ہے۔"
 پیاز پیڑھے شاہین نے کہا۔
 "زندگی ایک پرواز تسلسل ہے۔"
 سمندر کی لہروں نے کہا۔
 "زندگی پھل ہے۔"
 دل سے آواز آئی۔
 "زندگی کشش کا میدان ہے۔"
 ویاغ نے دلیل دی۔
 "زندگی خدا کی امانت ہے وہ اسے جب چاہے پس لے لیں۔"
 اور میرے نزدیک "زندگی امید کا نام ہے جس کا عہد مایوسی کے اندھیرے سے نکل کر کامیابی کی شئی کو پاتا ہے۔"

سیدہ فرزین حبیب۔ کراچی
 اس ماد کی مسکراہٹیں

حادثہ

ایک پروفیسر کی کار اور ایک زمین دار کے ٹریکٹر کے درمیان زور کی ٹکڑ ہوئی۔ پروفیسر اور زمین دار



15 اگست کیوں نہیں

ام الکتاب نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو بتوں کی پوجا محض اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے آباء اجداد ایسا کرتے تھے۔ پاکستان کی نئی نسل کو یہ یاد کرایا جاتا ہے کہ ان کا ملک 14 اگست 1947ء کو آزاد ہوا تھا۔ انہیں یہ بات ان کے والدین بتاتے ہیں۔ ان کی درسی کتابیں بتاتی ہیں۔ ٹیلی ویژن بتاتا ہے۔ حکومت کے اعلان کے مطابق یہ قومی دن ہے۔ سب لوگ ہر جگہ قومی پرچم اتراتے ہیں لیکن اس کے برعکس سوچنے یا عمل کرنے والے کی محض پر شک کیا جائے گا لیکن حقائق کھجھار بتاتے ہیں جن کی تصدیق سرکاری ریکارڈ سے کی جاسکتی ہے۔

13 اگست 1947ء غیر منقسم ہندوستان کے وائسرائے لارڈ (ماؤنٹ بیٹن) کوئی سے کراچی پہنچے ہیں۔

14 اگست 1947ء غیر منقسم ہندوستان کے

وائسرائے کی حیثیت سے وہ پاکستان کی آئین ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح کی موجودگی میں وہ اسمبلی کے تمام ارکان سے کہتے ہیں کہ وہ (ماؤنٹ بیٹن) اب بھی وائسرائے ہیں۔ جب کہ پاکستان کا گورنر جنرل اسٹلے دن مقرر کیا جائے گا۔

15 اگست 1947ء قائد اعظم محمد علی جناح

پاکستان کے گورنر جنرل کے عہدے کا حلف اٹھاتے ہیں جب کہ ادھر (ماؤنٹ بیٹن) ہندوستان کے گورنر جنرل کے عہدے کا حلف اٹھاتے ہیں پاکستان میں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا .

جس نے میری کسی ایسی سنت کو زبردہ کیا جو میرے بعد مت چلی گی تو اس کو ان لوگوں کے ثواب کے برابر اجر ملے گا جنہوں نے اس پر عمل کیا اور ان کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں ہوگی اور جس نے کوئی بدعت کا کام ایجاد کیا جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے نہیں فرمایا تو اس کو ان لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ملے گا جنہوں نے اس پر عمل کیا اور ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔ (ترمذی)

رسول کریم سورج نکلنے کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے 4 رکعت (سنت) پڑھا کرتے اور آپ نے فرمایا: ”یہ ایسا وقت ہے جس میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور میں بند کر رہا ہوں۔ اس وقت میرا نیک عمل (نماز پڑھنا) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوتا۔“ (ترمذی)

سیدہ فاطمہ - کراچی

اگر اللہ تمہاری دعا قبول کر رہا ہے تو وہ تمہارا یقین بوجہا رہا ہے اگر تمہاری دعا نہیں پھری کرنے میں دیر کرتا ہے تو تمہارا صبر بوجہا رہا ہے اگر تمہاری دعا کس کا جناب نہیں دیتا تو تمہیں آزار رہا ہے، لہذا آپ دعا مانگتے رہیں، دعا ایک دستک ہے اور دستک ہارنا نہ بیچنے پر دروازہ چاہے دیر سے کھلے مگر کھل ضرور جاتا ہے۔

مادری - خیم پور

شائع کی جانے والی پہلی نکلوں پر یوم آزادی کی تاریخ
15 اگست 1947ء چمکی ہوئی ہے۔

حکومت پاکستان کی شائع شدہ سال 1948ء
کی چھٹیوں کی فہرست میں بھی یوم آزادی کی چھٹی کا
دن 15 اگست درج ہے۔

عرصہ دراز سے ہمارے علماء کی جانب سے ہمیں
یہ بتایا جاتا رہا ہے کہ پاکستان 27 رمضان کے
مبارک دن کو وجود میں آیا تھا اس دن بھی تاریخ 15
اگست 1947ء تھی۔

(بشکریہ: 13 اگست 2015ء)
صائمہ جواد۔ کراچی

حکایت ظیل جبران

ایک لومڑی نے صبح کے وقت اپنے سائے پر نظر
دالی اور کہا: ”مجھے آج ناشتے کے لیے ایک اونٹ مانا
پا ہے۔“

وہ تمام صبح اونٹ کی تلاش میں سرگرداں رہی
لیکن جب دوپہر کو اس نے دوبارہ اپنا سایہ دیکھا تو
کہا: ”میرے لیے ایک جو ہا ہی کافی ہوگا۔“

حکایت ظیل جبران سے
سہیہ عابد کا انتخاب۔ کراچی

سہری کرئیں

ہذا ماں باپ کی دعا میں لوگے ہمیشہ پھولوں کی
روح مہکتے رہو گے۔

☆ دل دہکی ہو تو کتاب پڑھنے والے کو ہر لفظ
کائنات میں کرچھتا ہے۔

☆ کچھ دعائیں بڑی بے ساختہ ہوتی ہیں۔
ایک دل سے نکلتی ہیں اور قبول ہو جاتی ہیں۔

☆ سادگی سمندر کو کبھی مت چھیڑو کیوں کہ
سوئی میں بہت بڑا طوفان چھا ہوتا ہے۔

☆ جو شخص وعدے سے گریز کرتا ہے وہ اتنا ہی
کاپا بند ہوتا ہے۔

☆ آزمائے ہوئے کو آزمانا جہالت ہے۔
☆ دوسروں کے جذبات کا خیال کرو، احترام کرو
یہی وہ مقام ہے جہاں انسانیت کی شکل ہوتی ہے۔
☆ سچائی انسانیت کا حسن ہے جو کبھی امانتیں پرستگار
راہبہ انصاف خان۔ کراچی

شوخی سطر میں.....!

☆ دروازے کا نہیں ایک پل بھی
☆ پینٹا ڈول استعمال کرو
☆ جیسا تن میرے لکھا۔
☆ لڑکیوں کو چھینٹنے کا یہی نتیجہ نکلتا ہے
☆ آجاتا، جانا!

☆ کب کب کہنے کے لیے تمہارا باپ دے گا؟
☆ مجھ کو چاہیے تمہاری تو صبر کی طرف چل آکا؟
☆ اپنے بولنے کو ہوتو.....!

☆ تیری مہربانیاں، تیری قدر داناؤں۔
☆ تو روز روز شاہک جو کھڑا ہوتا ہے
☆ چاند سامنے ہے۔

☆ یہ تو سارا میک اپ کا کمال ہے۔
☆ دل تجھے دیا تھا رکھنے کو۔
☆ کب تکے بنا کر کھا گیا؟

☆ وہ ہونے مجھ سے ہمکلام اللہ۔
☆ سو بائیں کے کارٹے ہیں۔
☆ مطلبی ہیں لوگ یہاں پر۔

☆ جی ہر سہرا ل کا یہی حال ہے۔
☆ اگر تم مل جاؤ۔
☆ آنے کی بات کر رہے ہونا بڑی مشکل سے

نام ملتا ہے۔
☆ دلا ٹھہر جا۔
☆ شاید کوئی اور قیمتی چیز مل جائے۔

☆ مر جھائے ہوئے پھولوں کی قسم، اس دیش
میں پھرتا آؤں گا۔
☆ کیونکہ دیش والوں کو سارا پتہ چل گیا ہے۔

☆ مجھے نیند نہ آئے مجھے چین نہ آئے۔

☆ موصوف شادی شدہ معلوم ہوتے ہیں۔

☆ تبری عبت نے دل میں مقام کر دیا۔

☆ کیونکہ آپ کے پاس اس کا سارا ٹینلس اور جدید موبائل جو ہے۔

☆ جب ملاوہ غلاما ہم کو۔

☆ کیونکہ آپ کے پاس بیکنگ ٹینلس نہیں ہے۔

ابیس انیاز احمد۔ کراچی

آپ کیسے سوتے ہو؟

☆ جو لوگ پیٹ کے مل سوتے ہیں وہ طرح

طرح کی نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔

☆ جو لوگ پیٹھ کے مل سوتے ہیں ان میں بے

بناؤ خدا عکاسی ہوتی ہے۔

☆ جو لوگ چادر یا رضائی میں منہ چھپا کر سوتے

ہیں وہ شوکت کا شکار ہوتے ہیں۔

☆ جو لوگ عکس کے ساتھ لیٹ کر سوتے ہیں وہ

لوگ محبت کے بھوکے ہوتے ہیں۔

☆ جو لوگ جسم کا دائرہ سناٹا کر سوتے ہیں وہ

اپنے آپ کو تباہ محسوس کرتے ہیں۔

☆ دائیں کر دٹ سونے والے تخلیقی صلاحیتوں

کے مالک ہوتے ہیں۔

☆ اگر کوئی شخص اپنے والے لوگ اپنی ذات سے

مطمئن بلور تحفظ کے لئے حساس ہو کر سرشار ہوتے ہیں۔

☆ زلزلہ شوکت۔ کراچی

لطیفہ

☆ ایک پٹھان کو روزے میں بہت پیاس لگی تھی

جیسا ایک آدمی پانی پی رہا تھا۔ پٹھان نے آٹھان کی

طرف دیکھا اور بولا۔ "اللہ اگر اس کو ہم نے جنت

میں دیکھا تو اس کی شیر نہیں۔"

شہلا گل بحر۔ کوہاٹ

پریشانی

☆ ایک صاحب رات گئے ایک ریٹورنٹ میں داخل

ہوئے تو انہوں نے اپنے دوست کو ایک گونے کی میز پر

فکر مند کی کے عالم میں ہر جھکائے بیٹھے دیکھا۔

"یار! کیا بات ہے تم ابھی تک گھر نہیں گئے؟"

☆ انہوں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"کیا بتاؤں میں نے فون پر بیوی سے بہانہ

کر کے کہا تھا کہ رات کو دیر سے گھر آؤں گا اور اب یاد

نہیں آ رہا کہ بہانہ کیا تھا؟" دوست نے اپنی پریشانی

بیان کی۔

☆ میڈس۔ راولپنڈی

کل اور آج

☆ ایک دن سونے نے لوسے سے کہا۔ "ہم

دونوں ہی لوسے کی ہتھوڑی سے پٹ جاتے ہیں لیکن

تم اتنا زیادہ چلاتے کیوں ہو؟"

"لوسے نے بہت ہی خوب صورت جواب دیا۔

"جب اپنا ہی اپنے کو مارنا ہے تو روز زیادہ ہوتا ہے چیخ

نکل ہی جاتی ہے۔"

☆ پہلے لڑکی حیا و شرم کا پیکر ہوا کرتی تھی۔ آج

کل لڑکی میں شرم و حیا نام کو نہیں ہے۔

☆ پہلے لڑکی کا رشتہ آتا تھا تو اس کا رورور کر برا حال

ہو جاتا تھا۔ جب کہ آج کل کی لڑکی کا رشتہ نہ آنے پر

رورور کر برا حال ہو جاتا ہے۔

☆ پہلے جب لڑکی کی بات طے ہوتی تھی صرف گھر

والے لڑکا دیکھتے تھے اور اب لڑکی پہلے خود دیکھتی ہے

پھر گھر والے بات طے کرتے ہیں۔

☆ یہ ہے کل اور آج اب آنے والا مستقبل کیسا ہوگا

آج کے لڑکے کو دیکھ کر کہہ سکتے ہیں۔

☆ شاہ کنول اللہ وہ۔ لودھراں

☆.....

دنِ پیمبرؐ کا راز

جیسے اماں کی رات کو ایک چمکنا ستارہ جاپیے

نورِ ملکوتی

نظم
 یہ سال بھی گزر گیا چپکے چپکے
 گرا گیا کیا پایا کسی کو پتا نہ چلا
 گرا گیا تپتا ہے تم کو
 میری چاہت کا قطرہ جو پہاڑ ہوا تھا
 رواں ساکن
 نئے سال کے اجالوں میں
 تمہارے بدل کی دھڑکن بن کر رہا ہے
 خدا سے ملتا ہے تم کو
 میری آنکھوں کا سمندر جو
 خشک ہوا تھا رواں سال
 نئے سال کے اجالوں میں
 تمہاری آنکھوں کا آسو بیٹا ہے
 تمہارا چہرہ آنکھوں میں بسا نا ہے
 جدا ہوئے تھے ہم رواں سال
 اب ہاتھ تھامتا ہے
 ساتھ بتاتا ہے
 یہ سال بھی گزر گیا چپکے چپکے
 گرا بتاتا ہے تم کو
 نیا سال آ گیا ہے
 چلو وعدہ نبھائیں
 ایک ہو جائیں ہم
 آؤں گے ڈھونڈ میں وہ پہل بتول

جدا ہوا

جدا ہوتے وقت میں نے اس کی آنکھوں میں
 گہری دھند کو اترتے دیکھا تھا
 جب تمام کر ہاتھ میرا اس نے چھوڑا
 اس کے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کو محسوس کیا تھا
 اور جب میں نے لرزتے ہونٹوں سے
 سبب جدا ہونے کا پوچھا
 وہ ہر سوال کو میرے پتال گیا
 جدا ہونا شاید ہماری قسمت میں تھا
 کہہ کر وہ سب الزام قسمت پر ڈال گیا
 تم بھول جانا مجھے کسی گناہ لمحہ کی طرح
 نظر پھیرے دو مجھ سے عجیب فرمائش کر گیا
 یہ جانے بنا
 کہ بھول جانے کی فرمائش کرنے والا
 یہ کہاں جان سکے گا
 کہ اس سے بھولنے میں کوئی ثرود کو بھلا بیٹھے گا
 اس سے جدا ہوتے ہی موت کو گلے لگا بیٹھے گا
 راجہ افضل خان

غزل

بہت اکلیا ہوں مجھے تیرا ساتھ چاہیے
 جیسے بحر کی موجوں کو کنارہ چاہیے
 جیسے گلاب کو خوشبو کا سہارا چاہیے
 جیسے اشکوں کو ان کے جن لینے والا چاہیے
 میں ایک ہار تو مجھے مل جائے ایسے

غزل

اپنے چہرے سے زلیخا ہٹاؤ تو ذرا
نقاب ہٹا کر رخ مہتاب دکھاؤ تو ذرا
شوق تہائی کا مجھ کو ہے ہنگاموں میں مگر
کبھی محفل میں میرے رو بہ رو آؤ تو ذرا
عشق کیا ہے بہت سوچا مگر سمجھ نہ سکا
عشق کا کوئی سبق مجھ کو پڑھاؤ تو ذرا
کہیں جاتے ہیں جب ملتے ہیں سب سے بڑھ کر خودی
آداب محفل کے کوئی اس کو سکھاؤ تو ذرا
حسین لگتی ہیں اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری
دیکھنا ہو تو کبھی اس کو رلاؤ تو ذرا!
تیمم غیاض

غزل

یاد کے کھلونے سے بیانا پڑتا ہے
ہوں بھی خود کو سمجھانا پڑتا ہے
گرتے رہے چاہے دل پہ آنسو
لوٹنے قہقہے لگانا پڑتا ہے
روح پہ چھاپا ہو پتہ جھڑکا موسم
بالوں میں گجرا مہکا پڑتا ہے
سجا کر چہرے پہ خوشی کے رنگ
درد اوروں سے چھپانا پڑتا ہے
سہ لیس گے تیری سچ ادالی کا دکھ
سحر چوٹ کھا کے بھی مسکراتا پڑتا ہے
شہلا گل حیر

سنو

سناوب اپنا بنانے مت آنا
میرے دل کو دکھانے مت آنا
اس دل پر پتھر رکھ لیا ہم نے
اب ہم کو مٹانے مت آنا!
آتے جاتے لوگ ہمیں
جن نظروں سے دیکھتے ہیں
کچھ مجھوں مجھوں دیکھتے ہیں
اب ہم کو مٹانے مت آنا
لوگوں سے سنا ہے ہم نے بھی
تم اب ہچھتاؤں میں ہو گھرے
اس دل پر پتھر رکھ لیا ہم نے
اب رسم بھانے مت آنا
سناوب اپنا بنانے مت آنا
میرے دل کو دکھانے مت آنا

کائنات غزل

تم ہو

سیری سحرگوں کے عنوان تم ہو
بہترین شاہ مہدی شاہ تم ہو
تم ہی ہو میری زندگی اور میری
ہر خوشی
تم ہی ہو میں ملی بدلی زندگی
تم ہی ہو بہار کا موسم
تم ہی ہو میرے پیار کا موسم
میری چڑیاں بھندی اور
تم ہی ہو

شاہ کنول اللہ دتہ

بازوں

مت دیکھو جیسے یہ سناؤں کی کارش
یہ گرج چمک رہے جل جلال اس کی
ہم نے یار کی آنکھیں جب سے لگا کر دیکھیں
اس کے ٹانگ لہروں سے گزرتی سسکیاں
اس کے ہر خساروں پر وہ شیشی قطرہ دیکھے

زندگی کھیل ہے
اور زندگی کے
کھیل میں اگر

چوٹ لگ جائے تو رونا کیسا
کچھ نہ پانے پر شکایت کیسی
کچھ نہ پانا..... تو
کھونا کیسا

بہت ہی سچ کہا تھا یہ گل اس نے
ابھی تو آنکھوں میں
خوابوں کے رنگ اترنے ہیں
تو دیکھو غور سے دیکھو تم میری آنکھوں میں
جہاں خوابوں کے رنگ اتر گئے ہیں
اور ان میں اب
اندھروں کے سوا کچھ نہیں باقی

سہاں گل

غزل

رکھنا تھا مجھے خود کو زمانے سے
نظروں کو اسی وجہ سے رکھا ہے جھکا کے
شوں پر میرے اک ذرا مرا ہم ہی لگاتی
سایا دل نے پایا ہے میرے دل کو دکھا کے
دھڑکنے پر ٹوٹا، وہ ظالم نہیں آیا
تجلی رہتی رہتی ہے مجھ سے آگے جہاں کے
تھا مجھ کو بھت مانا، کسی اس کی ہوا پر
ہے جس نے سکوں پایا میری خاک اٹھا کے
ترے گا بہت دیکھنا شاہین وہ
مانگے گا معافی وہ کبھی اشک بہا کے

سردار شاہین

نظم

دل کے آئینے میں جو عکس تھا
اسے چھوٹنے کی چاہ میں
اس تک جاتی راہ میں
آئینہ ٹوٹ کے بکھرا
سچ حقیقتوں کا ہر سطر کھرا
وہ عکس مجھ سے بکھرا
جو میرا تھا ہی نہیں!

ریسل آرزو

خوابوں کے رنگ اتر گئے ہیں
بھی تو رات کی آنکھیں کئی نیم واسی ہیں
بھی تو ان میں خوابوں کے رنگ اترنے ہیں
کہا تھا اس نے میں چاند لے کر آؤں گا
تہناری مانگ میں تارے بہت بچاؤں گا
نہارے ہونٹوں پر جی ہنسی کھلاؤں گا
نہاری آنکھوں میں پنے حسین بچاؤں گا
میں تیز دھوپ اور شب سے تمہیں بچاؤں گا
م بچاؤں سا اور روشن ہر ون بتاؤں گا
میں ایسے محل کی رانی تمہیں بناؤں گا
ہاں!

ایک دکھ تمہارے قرب سے ناواقف ہو
کی بھی تم کو تمہارا پناہ نل پائے
ہی بھی درد تمہاری ہنسی نہ لے جائے
خاص طرح سے میں زندگی بچاؤں گا
ت ہی دلربا ہنسوں خیز تھا وہ لمحہ شب
پ اس نے خوابوں کے
نک دکھائے تھے مجھ کو
بھی رات کی آنکھیں تو نیم واسی ہیں
س رنگوں سے جی آنکھیں
آو اس کی ہیں
بے وفا تھا نہ جھوٹا تھا نہ فریبی تھا

انجی ہوں اس انجان بے دردراہوں میں
 تلاش محبت میں اتنی شام کیوں ہو
 یہ لب چوم لیں گے ایک دن اپنے صنم کو
 کہے مجھے کوئی لائے ہو ایسا پیغام کیوں ہو
 میری زندگی کو کیوں فنا کرنے پر تے ہو
 آخر یہ انتخاب امتیاز کا ہی نام کیوں ہو
 ایس امتیاز احمد

سنو!
 اکثر لوگ کہتے ہیں
 میں ایک گلاب کی مانند ہوں
 ڈر سے مجھے
 کہیں کوئی مجھے توڑ نہ لے
 تم ایسا کرو میرے اس ڈر کو زائل کر دو
 میرے ارد گرد کانٹے ہیں کر
 مجھے لوگوں کے ہاتھوں سے
 محفوظ کر لو

نظم

چاہ کر بھی نہ بھول سکی
 تیری یاس کے لمحے تیری آس کے لمحے
 تم تو اک نظر دیکھنے کے روادار نہ تھے
 ہم نے ہی سمجھا تھا
 زندگی کو آسان اس قدر
 اور کبھی زندگی!
 ہمیں بری طرح جھکتی ہوئی لڑائی
 اب نہ وفا ہے نہ جفا ہے
 ہے بس زندگی میں سانس کا دیا ہے

ہاجرہ امین خان ہاجی

غزل

اب جو اس کے شہر میں جاؤں گا
 اس کے آنسو سمیٹ لاؤں گا
 لنگ راہوں میں پھول رکھتے ہیں
 تیرے قدموں میں دل بچھاؤں گا
 تجھ سے یہ دعویٰ کیا نہ بھی سچا میں
 پر تو روٹی تو میں بناؤں گا
 لاکھ دکھ دیں مجھے جہاں ولے
 تجھ کو دیکھوں گا سڑاؤں گا
 تیری چاہت ہے ایک باؤل سا
 عشق برے گا بھیک جاؤں گا
 چھین کو پا کر نہیں کوئی شکوہ
 اب میں دنا سے جیت جاؤں گا
 ابے جلال کے گھر میں جاؤں گا
 اس کے آنسو سمیٹ لاؤں گا

زاہرہ زانی

غزل

مسکراتے ہوئے زیست بر ہم طے
 زندگی میں بہت سے زخم طے
 ہیں کیسے بناؤں پھر اے جان وفا
 پھڑے ہوئے لوگ بہت کم طے
 بہار آئی تو گلشن میں پھول کھلنے لگے
 خزاں کے ساتھ ہے وفا صنم طے
 تیری وید کی طلب تھی ورنہ میں
 سکتے ہوئے آنسو بھی چشم نم طے
 کوئی کہاں جدا ہوا یہ تو بنا جاوید
 امید تھی ملنے کی مگر دوست بر ہم طے

محمد اسلم جاوید

سید ساجد

غزل

میرے رقیبوں کے لیوں پر تیرا نام کیوں ہو
 میرے جیتے کلمے چرچا سر عام کیوں ہو
 آخر کشتوں پہ طلستیں کھا رہا ہوں میں
 عشق کے جنوں میں میرا یہ انجام کیوں ہو

☆

سنہریچ

مانی سوئیٹ ہارٹ سنہریچوں کے نام

محببتوں اور دعاؤں کے پیغام
 ☆ سوئیٹ ہارٹ سید فاطمہ زہرا نور بانو،
 خدیجہ رحمن، عذرا اقبال آپ کے کارڈز کا بے حد
 شکر ہے آپ نے اپنی روایت باقی رکھی۔ یہ کیسے ممکن
 تھا کہ میں آپ کو بھول جاؤں۔ عید میگزین آپ کا
 حق تھا جو آپ کو بھیجا گیا۔ ☆ شادی، اجالا، عانیہ
 نیازی، مباحرہ، آپ کے کارڈز بے حد خوب
 صورت تھے۔ آپ کے خوب صورت اشعار میں
 نے ڈائری میں محفوظ کر لیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا
 ہے کہ آپ کی زندگی خوشیوں سے آباد رہے،
 نین۔ ☆ رومی اسد کا کوسب معمول آپ کی
 تقریریں نظم ملی۔ آپ کو امتحان میں کامیابی ملے اور
 نپ یونٹی خوش اور آباد رہیں۔ جیون ساتھی کی
 بڑی خبری، جیونا ایک بڑی خوش خبری ہے۔
 لا موش اقبال، شایین ظفر، ندا اسمیل، آپ کی
 بدمبارک موصول ہوئی۔ میگزین میری طرف
 سے آپ کے لیے تحفہ تھا۔ خداوند کریم آپ کو بھی
 خوشیاں عطا کرے۔ اپنی دادی جان کا خیال
 میں۔ انہیں میری طرف سے دعائیں۔
 درخشاں ضیاء آپ کا خوب صورت بہت ہی
 بے صورت کارڈ ہے۔ خاص طور پر کہ آپ نے
 اپنا قیمتی وقت دیا اور اسے ہاتھوں سے اسے
 جتنی بھی شکر ہے کیا جائے کم ہے۔ آپ کے
 ہر ہند آئے۔ رابعہ افضل خان! آپ کا کارڈ

آپ کی شاعری بہت خوب صورت تھی۔ بھینا
 آپ اس سے زیادہ خوب صورت ہوں گی اور
 مجھے یقین ہے کہ آپ کی نسبت اس سے بھی زیادہ
 خوب صورت ہو گی، انشاء اللہ۔ باقی تمام
 سنہریچوں کی بھی خدا کرے قسمت بہت اچھی
 ہو آسن۔ خاص طور پر یہ دعا ان لوگوں کے لیے
 جنہوں نے مجھے عید پر باور کہا۔ کارڈز بھی عید پر
 ڈی صبر و قیامت ہوتی ہیں کہ آپ کے فون کالز کے
 نام نیکس باور ہے۔ جس کی سچ پہلی کال افشاں علی
 کی تو یاد ہے۔ ہاں بہترین کال شکر قادری، ناصرہ،
 نسreen، نسیم تک تو مجھے یاد ہے ہاں پھر کیا ہوا پھر
 اس کے بعد مجھے باڈنیں جو نام یاد تھے وہ مجھے
 معاف کر دیں۔ اسی لیے بار بار کہتی ہوں کہ
 سندسہ لکھیے۔ بہر حال ساری پیارنی پیارنی
 سنہریچوں کو میں دل سے دعا دیتی ہوں سب خوش
 آباد رہیں۔ جہاں رہیں ردا کے سنگ رہیں۔
 خوشیوں بھری زندگی میں آپ قدم رکھیں آباد
 رہیں۔ شادر ہیں۔ اپنے اپنے گھروں میں اپنے
 ماں باپ کے سامنے میں پھولیں اور چلیں اور
 یونٹی ہزاروں عیدیں آئیں۔ ابر بھرا آسمان
 رہے۔ خوشیاں آپ کے قدم چومے اور ہم یونٹی
 آپ کی دعاؤں کے ساتھ شکر میں رہیں۔

آپ کی آپنی

رابعہ افضل خان..... شکر اچھی

بیاری سی صالحہ آپنی، کیوٹی سی نورین ملک،

ردائے اہل بیت تمام راشر ذوق دارین کو راجعاً فضائل
 خان کی جانب سے ڈھیر ساری دعاؤں اور محبت
 سے گندھا سلام قبول ہو۔ اب بات کرتے ہیں
 جولائی کے ردا کی۔ جولائی کی گیارہ تاریخ کو ردا
 ہمارے خوب صورت ہاتھوں کی زیست بنا۔
 سرورق پر موجود کیوٹ سی مریم بہت پیاری تھی۔
 اوشلی ان کے ہاتھوں پر بھی خوب مسورت ہندی
 پھر ”گوشہ آگیا“ کی طرف بڑھے اور صالحہ آپنی
 کے قلم سے رقم ہونے گوشہ آگیا نے دل کو گداز
 کر دیا۔ ”ردائے جنت“ میں رمضان المبارک
 کے حوالے سے اسلامی معلومات پڑھ کر فیض یاب
 ہوئے اور پھر سیدھے قردش ہنک کے نادل
 ”تیرے پیاری خوشبو“ برآ کر رکے۔ ہر دفعہ کی
 طرح یہ قسط بھی بہت اچھی تھی۔ دل کرتا ہے کہ بس
 ہم بڑھتے ہی جائیں۔ نائلہ طارق اور شازیہ
 مصطفیٰ کی غیر حاضری بالکل اچھی نہیں تھی۔ دل
 اداس ہو گیا۔ اقداروں میں سب ہی افسانے اپنی
 مثال آپ دیتے۔ نازکی بہتی ”فریہ فرید بہت
 زبردست لکھا۔ نازکی بہتی بہت حسین تھی۔ اہم کی
 عید امبرین ناز بہت اچھی عید تھی مہم کی پہلی عید
 درخشاں ضیاء آپ نے ایسے خوبصورت قلم اٹھایا۔
 عید اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا بہت تھی اور حسن
 ہے۔ ”میں، محبت اور تم“ نوشین طاہر کا افسانہ
 بالکل ایسے نام کی طرح تھا۔ ”سوری راگک
 تھی ناز کے بھی خوب لکھا۔ ”اس عید پر“ تبسم
 شیرین زبردست یاد رہا نذرات اور تم ”مازیہ
 عمران کیا بات ہے ہمارے ”عید سنگ خوشیاں“
 سعدیہ اقبال نے بھی خوب رنگ بنایا۔ دوسروں
 کو خوشی دینے کا مزہ ہی کچھ اور ہے یا مسرت
 عائشہ ذوالفقار نے بہت اچھا لکھا۔ ”سہری عید
 بن جاؤ“ تبسم فیاض مزہ آگیا یار۔ ”چاند فیض
 چوڑیاں مہرین کنول بہت اچھا لکھا۔ ”تیری

دوست رابعہ افضل خان کو اس رزقِ بھری مہفل سے اجازت انشاء اللہ پھر حاضر ہوں گی، اللہ نگہبان۔

مصباح مسکان رؤف..... جہلم

تمام دیکھتی آنکھوں اور سنتے کانوں کو مصباح مسکان اور ایمنہ رؤف کی طرف سے چاہتوں مہبتوں سے سجا ہوا سلام قبول ہو۔ ہم سب حریت سے ہیں اور آپ کی حریت نیک مطلوب چاہتے ہیں۔ امتحانوں کی وجہ سے میں جہلم میں خط نہ لکھ سکی مگر روا کو صفحہ نمبر 1 سے 228 تک فراغت کے لحاظ میں پڑھا ضرور ہے۔ اللہ کا شکر کہ گھر دونوں کے سخت پیپر جو لوڈ شیڈنگ سے بچے تھے۔ رمضان کریم کے پہلے عشرے میں خیر و عافیت سے اختتام پذیر ہو گئے۔ اب تو بس فراغت ہی فراغت ہے۔ مسکان ہے اور ارد گرد پھیلے کاغذوں کے ڈھیر (کہانیوں کے قلم) خیر جولانی کا رسالہ ہاتھ آیا تو سب سے پہلے عید سردے تک پہنچے۔ بہنوں کے خیالات اور مشاغل پڑھ کر خوشی دہی۔ ہم نے بھی پہلے شرکت کر لی تھی۔ سردے میں گرم یہ ہوا کہ دوران امتحان نوٹس کے ساتھ پٹ تیار شدہ سردے جو کہ بس لگانے میں ڈالنا گیا تھا، کھیل آگے پیچھے ہو گیا۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کے بس ہو گئے اب فراغت میں سب سنبھالا تو برآمد ہی گیا۔ فوراً خط کے ساتھ پوسٹ کر دیا ہے۔ یہ بے شامل اشاعت ہو گا۔ جولائی میں مانوں کی لمبی فہرست دیکھ کر دلِ بارغِ بارغ ہو گیا۔ ابھی چند ایک ہی پڑھے ہیں مگر حوا آ گیا۔ وہ علی کا ناول زبردست تھا۔ قسط دار ناول ہے۔ باری کی خوشبو، بھی اچھا جا رہا ہے۔ Keepit فروش تھی۔ بانی سلسلے دار ناولز کی محسوس ہوئی۔ ہمیشہ کی طرح روا کی ڈائری، اس ماہ میں۔ خوشبو، ذرا پھر سے کہنا میں

سب بہنوں نے بہت خوب صورت شرکت کی۔ افضل علی نے مجھے پیپر زمیں کامیابی کی دعا دی۔ شکر یہ بہن۔ اللہ آپ کی دعا قبول فرمائے اور آپ کو خوش رکھے۔ آمین۔ افضل علی، رابعہ افضل خان، صابعا عبدالغنی، شہینہ فیاض، ثناء کنول، تبسم فیاض، کتنی آراء، درخشاں ضیاء اور افسانہ آفتاب کے سندے بہت اچھے لگے۔ گوشت آگنی میں لفتوں کے موتی دل میں اتر گئے۔ کیا بات ہے صالحہ آبی کی۔ آخر میں سب بہنوں کو بہت بہت عید مبارک۔ فریڈرک اور دی دعاؤں کے ساتھ اجازت کی لکھیے گا۔ مصباح مسکان رؤف اور ایمنہ رؤف۔ خدا نگہبان۔

اپنی انخاست ضیاء..... کھو اچھی

اس عید پر بہت سوچا
لوگوں کو کتنی خوشخبری بھرا کر دوں
کچھ سوچا کہ کتنے ہاتھ ملنے کے
تمہاری بھڑکیے

میری جانب سے ردا کے تمام ایشاف، کارمین اور عالم اسلام کو بعد سلام عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔ رمضان کا آغاز بہت سے لوگوں کی سسکیوں سے ہوا تھا۔ میری دعا ہے کہ عید تمام پاکستانیوں کے لیے ڈھیر ساری خوشیاں لے کر آئے، آمین۔ ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی ردا کافی لیٹ ملا۔ میرے پڑ بیٹا آفس سے آتے وقت ردا لینے ہوئے آئے تھے۔ میں اس وقت انظار کی تیاری کر رہی تھی کیوں کہ ٹائم تنگ ہو رہا تھا۔ جی ان کی چٹکی ہوئی آواز سنائی دی کہ "مبارک ہو، جلدی آؤ تمہارا افسانہ چھاپے" میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ بہت بہت شکر یہ صالحہ آبی اور نورین آبی۔ آپ لوگوں کی وجہ سے میری عید کو مزید چار چاند لگ گئے۔ ہمیشہ خوش رہیں۔ عید میں چونکہ چند دن ہی باقی ہیں اس لیے ردا کا تفصیلی مطالعہ

ردا ڈائجسٹ [216] اگست 2015ء

کی بہت بہت مبارک نبول ہو۔ بہت عرصے بعد سندیسے کی محفل میں شامل ہوں۔ اب تو سندیسے کی محفل میں اتنے پیارے پیارے چہرے شامل ہوتے ہیں کہ سچ سندیسے کا مزہ دہ بالا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ بیماری سی انشائیں علی ہوں یا ادبی سی فریڈ فریڈ یا کبھی آرا، آبی کا مخصوص انداز میں بہت اچھا تجربہ کرتی ہیں۔ ماشاء اللہ۔ چلیں گی اب بات ہو جائے جولانی کے شمارے کی تو سب سے پہلے تو روا کی ردایت، ہیٹ کی طرح برقرار رہی عید پر۔ عید کی سب کہانیاں داہ مز آ گیا اور سب ہی رائٹرز نے کیا خوب لکھا۔ باز کی ہنسی، ماہم کی عید، کبکی عید، میری چاند رات ہو، چھپ گیا چاند دھند لکے میں، سوری راگ نمبر، میں محبت اور تم، عید سنگ بجا اور باقی سب کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں۔ سب رائٹرز نے اپنی اپنی جگہ بے مثال لکھا مگر صالحہ آبی کی کہانی مجھے اپنے دل کے بہت قریب محسوس ہوئی۔ بہت حقیقت پر مبنی لگی آبی ایسے سر پر اتر ہمیں دیتی رہا کریں ماں ہمیں بہت خوشی ہوتی ہے۔ اگست میں آبی آپ کی اور ردا دونوں کی سالگرہ ہے تو میری جانب سے آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ آپ کی اور ردا کی سالگرہ خدا کرے کہ آپ اور ردا ایسی ہزاروں سالگرہ دیکھیں اور ہم سب یونہی ردا سے جڑے خوشیاں مناتے رہیں۔ آخر میں شاہ کنول، فریڈ فریڈ، رالیدہ افضل خان، کبکی آبی، انشائیں علی، صبا عبدالغنی، تبسم فیاض، حانظہ سون شاہ، نائیلہ طارق، شازیہ مصطفیٰ اور باقی سب رائٹرز کو ایک بار بہت سا پیار دیا جائے اور عید کی خوشیاں مبارک ہوں آپ سدا یونہی ہنسی مسکراتی اور خوش آباد رہیں۔ آمین۔

.....☆.....

نہیں کر سکی۔ انشاء اللہ عید کے بعد پڑھوں گی۔ یہی صرف کائنات غزالی کی تحریر ہی پڑھی ہے۔ ڈن ڈن ڈن بہت اچھا لکھا ہے تم نے۔ روزه صرف بھوکے رہنے کا نام نہیں ہے۔ پیٹ کے اندر جسم کے تمام اعضاء کا بھی روزه ہوتا ہے۔ ڈن ڈن صبا عبدالغنی تمہارا پیغام دل کو چھو گیا لیکن بڑی کہیں بھی اپنی جگہ بنانے کے لیے کچھ دقت رکاز ہوتا ہے لیکن میں آپ کی اس بات سے مکمل اتفاق کر رہی ہوں کہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ضرور کرنی چاہیے۔ چاہے ایک سطر ہی کیوں نہ ہو۔ آخر میں تمام دوستوں کے نام میرا ایک پیغام کہ عید کی خوشیوں میں ان لوگوں کی مدد ضرور کریں جو سخت ہیں۔ یقین مانیں ان کو خوش رکھ کر آپ کی عید مزید رنگین ہو جائے گی۔ مجھے لگتا ہے کہ ردا کے تمام قارئین میرے افسانے پر شکر در کریں گے تاکہ مجھے اپنی اصلاح میں آسانی ہو۔ عید کے حوالے سے اپنی تمام دوستوں فیضہ فیاض، عدنا الطمان علی، سحرش فاطمہ، کنول خان، صدف آصف، کنکناٹ خزل، عمارہ خان، یونیا چوہدری، صائمہ فریدی، الزام سیف، عمارہ ردا، فرحین ریاض، فرزین سید، صبا عبدالغنی، قرۃ عین خرم ہاشمی اور ایشہ فاروق کو ایک شکر گزار کرنا چاہوں گی۔

ظہور بڑھ گیا ہے عید کے دن ناز دوستی اب جان دوست عید مبارک ہو آپ کو اس کے ساتھ ہی اجازت چاہوں گی۔ اس عید کے ساتھ کہ کتاب اللہ اور اگلی رشتہ قائم د اتم رہے گا۔

عائیہ نیازی.....
سویت صالحہ آبی اینڈ لوئی ٹورین ٹلٹ اور میرے تمام پیارے پیارے قارئین اور رائٹرز کو نائیلہ نیازی کا کھیتوں اور دعاؤں بھرا سلام اور عید

ردا ڈائجسٹ 2015 اگست

دوستوں کے فائدے بیگانہ

مائی ڈیئر اینڈ لونی کیوٹ سویٹ سی نیچر و ششدرہ

فاطمہ اور پیاری سی این سوی

کبھی ہیں آپ، اچھے نیکے، پیسے خوشی ہوئی آپ
کی شادی کا سن کر آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ آپ
اپنے پیارے سے ڈار لنگ ہسپتال کے ساتھ
پیشہ خوش رہیں، آمین۔

سوی آئی لویو۔ ویسے تو تم کو یقین نہیں آتا کہ تم
م سے بہت مبارک رہتی ہوں اس لیے تمہارے جان
سے پیار ہے، راجا میں کبھی ہوں چلوردا کی وجہ سے
بے یقین کر لو۔

راجا کبھی ساراہ احسان۔ بہاول پور

صالح کے نام

اس بار میں نے سوچا تھا

ہاتھوں پہ تیرے نام کی جندی لگا کر

مانگ میں تیری چاہت کی

افشاں سجا کر

تیری محبت کو آنکھوں کا کاجل بنا کر

تیری پریت کے گجروں سے

اپنی کلانیاں بجا کر

تیری آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر کہہ دوں گی

اے میرے جذباتوں کے امین

عید مبارک

شہلا سحر۔ کوہاٹ

My Dear Husband Jee

میرا پاک رب تمہیں ہزاروں سال کریں دیکھنا
نصیب کرے اور نیچے تمہاری ہر برکت ڈے سنانا
نصیب کرے، آمین۔ تمہاری اس لڑکھائے کے موقع پر
سید بیٹا کا شرف کی میری پسندیدہ تمہارے لیے

میرے بھرم، میرے دلبر میرے جام

ہو مبارک تمہیں جنم دنوں

میرے جذباتوں کی پاکیزگی

نئی حیات و چاہت مبارک ہو تمہیں

میری دعا ہے.....

صدا ہنکے تیری چاہت کا گھنٹن

کا مہمانی صدا چومے تیرے قدم

صدا تم سرور رہتا

ظہوں سے دور بہت دور رہتا

بلندی کو چھو لیں تیری سب صدا میں

جو آئے گئی تیری آنکھوں میں آنسو

تو سمیٹ لوں گی بڑھ کر دامن میں

میں اپنے

میرے محبوب ہو مبارک ہر گھڑی

کہہ کرتی ہوں بس یہ دعا

تیری یہ خوشی ہوئی ہر قرار ہے

زندہ ہمارے دلوں میں

محبت رہے

رضوان تھی تمہاری شرارتی و چلبلی سی ہنسر

ریحانہ و رضوان۔ کراچی

روزانہ مجسٹ [218] اگست 2015ء

عزیزے جانی کے نام

(میری گڑیا)

سب سے پیاری ہے میری گڑیا
سب سے حسین ہے میری گڑیا
لاج دلاری ہے میری گڑیا
راجھماری ہے میری گڑیا

معلوم سا جس کا چہرہ ہے

جانڈی سی جس کی آنکھیں ہیں

رقیم سی جس کی زلفیں ہیں

شٹی سی جس کی بولی ہے

زم پھولوں کی وہ مسکراہٹ

آنکھوں سے دل کو پھٹانے سکون

گرا نسو جو چنگے میرے گڑیا کے

من کوئے جمن سے کر جاتے

اس کی خوشی، ہنسی ہے مجھے عزیز

وہ سا زک موم سی میری گڑیا

سب سے پیاری ہے میری گڑیا

سب سے حسین ہے میری گڑیا

لاج دلاری ہے میری گڑیا

راجھماری ہے میری گڑیا

Love you my sweet lovely

Love you my aliza jani

دیکھو گڑیا۔۔۔ کراچی

تیرا ہی پیاری دوست بہارا مفر کے نام

تیرے ہونے سے زندگی میں

پھول کی طرح مجھے خدا کرے

زمرہ رہے نام بدست تیرا

عید کی خوشیاں تجھے مہاراجہ خدا کرے

زندگی تیار تیار عباس کے نام

تیری دید جس کو نصیب وہ نصیب کامل دے دے

تیرا یوں میری زندگی تیرا دیکھنا میری عین ہے

احمد فراز، شیراز اور انجم کے نام

عید کی ہر بہار دیکھو تم

عیش لیل و نہار دیکھو تم

ایک اس عید پر ہے کیا موقوف

ایسی عیدیں ہزار دیکھو تم

جان سے عزیز امی ابو کے نام

عید کی بہت مبارک باد قبول کریں، اگست میں

21 اگست کو آپ کی ویڈیو اپنی دوسری ہے۔ میری

دعا ہے اللہ پاک آپ دونوں کا ساتھ یوں ہی قائم

رکھے۔ آپ دونوں کی محبت کو کسی کی نظر نہ لگے۔ آپ

کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ قائم رہے، آمین۔ اس

دفعہ ٹریٹ ضرور دیکھیے گا (۱۱/۱۱) ہمیشہ خوش رہیں۔

درخشاں ضیاء۔ کراچی

دوستوں کے نام

ڈیزسٹ صالحہ آئی، نورین ملک، ردا اسٹاف

اور تمام راسٹرز و قارئین کو عید بہت بہت مبارک ہو۔

اللہ آپ سب کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے۔ سوہیت

افشاں علی، فریدہ فرید، شاہ کنول اللہ دتہ، صبا عبدالغنی،

سون شاہ، فرح ناز محمد رفیق آپ سب کی بہت ساری

محبوبوں اور دعاؤں میں یاد رکھنے کے لیے جزاک

اللہ۔ پیاری فرح ناز محمد رفیق دوستوں کے نام پیغام

میں آپ نے مجھے یاد رکھا، بہت خوشی ہوئی۔ سوہیت

سون شاہ میرا غلوس دعا اور پیار ہمیشہ آپ کے ساتھ

رہے گا، انشاء اللہ۔ پیاری شاہ کنول اللہ دتہ آپ مجھے

ہمیشہ یاد رکھتی ہیں آپ کے پیار اور غلوس کی بہت

مشکور ہوں۔ آپ سب کو اللہ تعالیٰ ڈیہر ساری

خوشیاں عطا کرے، صدا خوش رہو، آباد رہو، آمین۔

راجہ افضل خان۔ کراچی

☆.....

گوشہ چشم

رہیں اور اپنا خیال رکھیں۔

اسویرہ علی..... کراچی

سوئیٹ اسویرہ! آپ کا محبت نامہ اور ناولت دونوں ہمیں مل گئے ہیں۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ آپ ہمیں دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں اور ہم بے صحت کر رہے ہیں آپ کے لیے ڈیروں دعائیں، خوش رہیں اور دعاؤں میں شامل رہیے۔

رانا زہرا حسبت فرزین..... کراچی

پیاری رانا! ہر روز صبح پھولوں کی طرح مسکراتی رہیں۔ آپ کی تصویر ہمارے حلقے جو جی وہ مل تو گئی تھی مگر لیٹ ہونے کی وجہ سے شامل اشاعت نہ ہو سکی مگر اطمینان رکھیے وہ ہمارے پاس محفوظ ہے پھر ملگ جائے گی اور آپ نے جو ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے اس کے لیے ردافون کر لیجیے گا تو بات ہو جائے گی۔

اس موضوع پر خوش رہیں اور داسے جڑی رہیں۔

قمر دوش شہک..... کراچی

سوئیٹ قمر دوش! سدا خوش رہیں آپ کی محبتوں اور چاہتوں کے لیے بہت بہت شکر یہ، خوش رہیں سدا ایسے کے ساتھ

جو آپ نے ناول بھیجا اس کے شروع کے صفحات 1 سے 40 تک نہیں ہیں 41 سے ہیں آپ اپنا باقی کا مسودہ بھی جلد بھیج دیں۔ تاکہ قریبی اشاعت میں شامل ہو جائے۔

سدرہ شاہین..... خانیوال

پیاری سدرہ! آپ کا افسانہ مل گیا ہے ہمیں اور باقی آپ کی تمام چیزیں بھی، ہم کو کوشش کریں گے کہ

دانیہ آفرین..... کراچی
پیاری دانیہ آفرین! فریڈین سے بات ہوئی تو معلوم ہوا آپ کی والدہ کی رحلت کا۔ ادارہ کے نم میں براہ کرا شریک ہے۔ یہ سنا بہت برا ٹم خدا آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کی کے درجات بلند فرمائے اور ان کو رحمتوں میں اپنی مقام عطا فرمائے، آمین۔ اپنا بے سدا رکھیے گا خدا آپ کو صبر عطا کرے۔

سعدیہ اقبال..... کراچی

پیاری ڈول سعدیہ! آپ کو ردا کی محفل میں خوش ردا کی تعریف کے لیے بے حد شکر یہ اور شکر یہ ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ آپ کی تحاریر ہمیں مل گئی اور اللہ قریبی اشاعت میں شامل ہوں گی۔

رمانا نور..... کراچی

نیٹ رمانا! آپ کے پیار اور دعاؤں کا بے حد آپ کی تحاریر مل گئی ہیں، انشاء اللہ قریبی میں شامل ہوں گی۔ بس ایک بات کا ہمیشہ لیجئے گا کہ تحریر یا مقصد اور زندگی کی امید فرمائی ہو۔ ردا ماہی جیسے موضوعات سے پرہیز کریں۔ یہ اور داسے جڑی رہیے۔

بندیم ملک..... گوجرانوالہ

پیاری بندیم! خوش رہیں سدا اور مسکراتی رہیے ہاں خوش آمدید آپ کی تحریر میں پختگی کے لیے کا مناسب چناؤ ہمیں بے حد اچھا لگا۔ بات کہ تحریر مثبت ہو اور یا مقصد ہو، خوش

ردا ڈائجسٹ [220] اگست 2015ء

قریبی اشاعت میں شامل ہو جائیں۔
 ثوبیہ ملک کراچی
 سویت ثوبیہ! آپ کی دونوں تجارتیں ہمیں مل گئی ہیں مگر وہ عید کے حوالے سے نہیں تھیں۔ اس لیے شامل نہ ہو سکیں۔ آگے انشاء اللہ شامل اشاعت ہوں گی۔ اپنا خیال رکھیے گا۔
 بسمہ ناز کراچی
 سویت بسمہ! آپ کی تحریریں مل گئی ہیں۔ ردا میں جلد شامل اشاعت ہوگی۔ بس آئندہ کہانی لکھتے وقت اس بات کو ذہن میں رکھیے گا کہ کہانی طوالت کا شکار نہ ہو کہ اس سے بھرپور کاغذ غالب آجاتا ہے۔ اور کہانی اپنے اصل موضوع سے ہٹ جاتی ہے ردا سے جڑی رہیں اور خوش رہیں۔

درخشانی ضیاء کراچی
 مائی لولی ڈولڈول درخشانی! جتنی خوشی ردا میں آپ کو اپنا افسانہ دیکھ کر ہوئی یقیناً جلدی اتنی خوشی ہمیں آپ کا خوب صورت عید کارڈ دیکھ کر ہوئی آپ نے اپنے خوب صورت ہاتھوں سے ہمارے لیے اتنی محبت سے بنایا جسے دیکھ کر ہمیں بہت خوشی ہوئی۔ آپ کی دعاؤں خلوص اور پیار کا بہت شکر یہ خوش رہیے۔
 ☆
 ذابیر انضال خان کراچی
 پیاز پیرا بعد! آپ کا مہبتوں اور دعاؤں بھرنا عید کارڈ بہت دلکش اور خوب صورت تھا۔ بے حد شکر یہ اور آپ کا افسانہ مل گیا ہے انشاء اللہ جلد شامل اشاعت ہوگا۔ مانجے جلد خیال رکھیے گا۔

نئے لکھنے والے منوجہ قوں
 ☆ سلسلے وار لکھنے سے پہلے ادارے سے اجازت لینا ضروری ہے۔
 ☆ تحریر صاف ستم کی بیج کا ایک طرف لکھی ہو۔
 ☆ پہلے نثر افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ۔
 ☆ ہر تحریر کے آغاز میں اپنا نام اور اختتام پر اپنا فون نمبر اور مکمل پتہ ضرور لکھیں۔
 ☆ ہمیشہ اور جتنی مسودہ بھیجیں اور فونٹو اسٹیٹ کا پی اپنے پاس رکھیں۔
 ☆ مستقل سلسلوں سے متعلق میٹراٹک الگ صفحات پر لکھیں۔ ایک ہی صفحے پر تمام نثر لکھنا شایع نہ لکھیں۔

فاطمہ خان لاہور
 پیاری فاطمہ! خوش رہیے آپ کا ناول ردا کی زینت بن رہا ہے۔ پچھلے کچھ ماہ سے آپ نے اپنے مسودے پر اپنا ایڈریس نہیں لکھا تھا سچی رونا آپ کو اڑھان نہ کر سکے۔ آپ آئندہ اس بات کا خیال رکھیے گا کہ اصل ایڈریس اور فون نمبر اپنے مسودے پر ضرور لکھیں۔ تمام راز اور ذکر مین کے ایڈریس و فون نمبر صرف ہمارے پاس ہی ہوتے ہیں ہم اسے کسی سے شیئر نہیں کرتے۔ آئیے جلد فونٹو خطر اپنا ایڈریس و فون نمبر اپنے مسودے پر لکھ سکتی ہیں اس لیے آئندہ آپ اس کا خیال رکھیں گی۔ خوش رہیے۔
 رخشندہ علوی لاہور
 سویت رخشندہ! خوش رہیں آپ کی کتاب



پھر ایک بڑے مندرالے تیلے میں آدھے چاول ڈال دیں پھر اس پر سرخ اور مصالحہ پھیلا دیں پھر اس کے اوپر باقی بچے ہوئے چاول پھیلا دیں اور پھر سے زعفران کا چھینٹا دے کر دم رکھ دیں۔ پھر باقی ایک ڈش میں نکال کر اس کے اوپر آدھے کھجور کا گولہ خوب صورتی سے سجائیں اور شیش باڈام بھی اوپر ڈالیں۔ دیکھیں۔

سرخ حیدرآبادی

- اجزاء:
- سرخ (گولہ پھینٹا) : ایک کلو
 - پیاز : 200 گرام
 - تھن : ایک چمچی
 - ادرک : دو اونچے
 - پونجا : چچاس گرام
 - (سب الگ الگ ٹین میں) :
 - گرم مصالحہ (پھاوا) : ایک چھوٹا چمچ
 - مونگ پھلی (پھی ہوئی) : ایک چھوٹا چمچ
 - ٹاریل و خشکاش : دو دو چمچے (پسے ہوئے)

- دہی : آدھا پاؤ
- تک مرچ، ہلدی : حسب ذائقہ
- کھی : آدھا پاؤ

ترکیب: سرخ دھو کر اس پر پیچھا چھی طرح سے مل دیں اور آدھا گھنٹہ پزارہتے دیں۔ اب ایک تیلی میں پیاز کو تھی میں بارانی کریں پھر اس میں گوشت

سرخ بریانی

- ایک کلو :
- ایک کلو :
- ایک پاؤ :
- چار عدد (ابال لیں) :
- دس عدد :
- دس عدد :
- آدھی چمچی :
- ایک اونچے کا گولہ :
- ایک کڑا :
- چھ عدد :
- تین عدد :
- دو چائے کے چمچے :
- دو عدد :
- حسب ذائقہ :
- حسب ذائقہ :

ترکیب: پہلے سب مصالحے پھین لیں، ادرک بھی لیں، بادام بھگو کر چھیل لیں اور زعفران کو بھگو لیں۔ اب سرخ کو اچھی طرح سے صاف کر کے سب لے دہی میں ملا کر سرخ اس میں ڈال کر دو گھنٹے ہتے دیں۔ اب پیاز کو تھی میں بارانی کر کے سرخ میں ڈال دیں اور تھی آج پکائیں۔ جب گل ڈالتاریں۔

اب ایک تیلی میں چاول دو کئی رکھ کر ابال لیں۔

کے گلے ذال دیں اور دس منٹ تک بھونیں اور پھر
 سب مصالحے ذال کر خوب بھونیں اس میں وہی ذال
 بریں اور جب تک اس کا پانی خشک نہ ہو جائے بھونیں
 جب کھی چھوڑ دے تو اس میں تھوڑا پانی ذال دیں
 (اگر شور بہ رکھنا ہے تو تھوڑا پانی اور ڈالیں) گل
 جائے تو ہر مصالحہ اور لمبوں کا رس ذال کر دم دیں اور
 اتار لیں۔

گولا کباب

جزا: ۱
 قیرہ : آدھا کلو
 کچا پیاز : دو اونچ کا کھرا
 لونگ : چھ عدد
 چادر تری : دو گڑے
 خشک ماش : چار کھانے کے چمچے
 بھنا چنا سیاہوا : چار چمچے
 برادریا : گتر اہوا تھوڑا سا
 اور کب : ایک اونچ کا کھرا
 پیاز

ترکیب: قیرہ میں ایک ملا کر بھنا چائیں کر ملا لیں
 اور تھوڑی دیر کے لیے ڈھک دیں۔ پھر اس میں ہاتی
 تمام مصالحے لے چیں کر اور برادریا اور دینا اور پیاز ایک
 کئی ہوئی پیاز ملا دیں۔ یاد رہیں مصالحہ جیسے ہونے
 زیادہ پانی نہ ڈالیں۔ سب کچھ ملانے کے بعد دو گڑے
 ملا کر دکھ دیں۔ پھر گول نکلیاں بنا کر کھی میں فرائی کر
 لیں۔ بہت ہلکی آٹھ مر ایک دقت میں چار سے زیادہ نہ
 ڈالیں۔ اس طرح تمام گولا کباب تیار لیں۔

گرم مصالحہ (پاکوڑ): ایک چائے کا چمچ
 لہسن اور ک پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
 قیرہ : آدھا کلو
 بلدی : آدھا چائے کا چمچ
 خشک دھنیا : ایک چائے کا چمچ
 نماز : ایک پاؤ
 پیاز : ایک پاؤ
 آٹل : آدھا پاؤ

ترکیب: قیرے کو کھی میں بھون لیں۔ پیاز برادری
 کر کے اس میں سارے مصالحے ذال کر بھون لیں
 اب اس میں قیرہ اور آلو ذال دیں ڈرا دیر بعد مٹر کے
 دانے بھی ذال دیں ایک ڈیڑھ گلاس پانی ذال کر
 پکنے کے لیے رکھ دیں۔ جب گل جائے تو جو لمبے سے
 اتار لیں۔ پاؤں میں نکال کر گرم مصالحہ تھوڑک کر سلا
 اور وہی کے ہمراہ پیش کریں۔

آلو کی بھیجا

جزا: ۱
 آلو : آدھا کلو
 لہسن (باریک : چار جوے
 کٹے ہوئے)
 ثابت سفید زیرہ : ایک چائے کا چمچ
 سوکھی لمبی لال : آٹھ عدد
 مرچیں
 پھی ہوئی بلدی : آدھا چائے کا چمچ
 سوکھی ہوئی کھٹائی : چار عدد
 نمک : حسب ذائقہ
 سرسوں کا تیل : ایک پیالی

ترکیب: کڑا ہی میں سرسوں کا تیل گرم کر کے
 لہسن منہری کریں۔ پھر آلو اور نمک ملا کر ہلکی آٹھ پر
 آلوؤں کے گل جانے تک پکائیں۔ اس میں پانی
 ۱۱۱۱۱ اس اور دم پر رکھ دیں۔

جزا: ۱
 مٹر (دانے) : ایک کپہ
 آلو : ایک عدد (بڑا)
 نمک مرچ : حسب ذائقہ

بچے کی دال گوشت

اجزاء:

- بکرے کی بوٹیاں : آدھا کلو
- بچے کی دال (املی ہوئی) : ایک پیالی
- پیاز (باریک کٹی ہوئی) : دو عدد
- سیا ہوا لہسن اور ک : ایک کھانے کا چمچ
- سی ہوئی ہلدی : ایک کھانے کا چمچ
- سی ہوئی لال مرچ : ایک کھانے کا چمچ
- پاوا اور گرم مصالحہ : ایک کھانے کا چمچ
- چینی اور سی دار چینی : ایک چائے کا چمچ
- لیوں کا رس : ایک کھانے کا چمچ
- گرم پانی : چار پیالی
- نمک : حسب ذائقہ
- پودینہ، ہری مرچیں، لیوں کا رس، اور ک : ایک پیالی

بادام پختے (باریک) : آدھی پیالی
کے ہوئے

ترکیب: آٹے کو بلیس اور اسے کون کے سانچے پر پھینیں۔ اس عمل کو دہراتے ہوئے 6 گونیں تیار کریں۔ انہیں تنگ ٹرے میں رکھیں اور پہلے سے گرم اردن میں 180 سینٹی گریڈ پر 15 منٹ پکا کر نکالیں۔ تھوڑا ٹھنڈا ہو جائے تو کون کو سانچے سے علیحدہ کر لیں۔ ایک پیالی دودھ میں کسٹرز پاؤڈر گھولیں۔ باقی دودھ دھنکی میں ڈال کر امالیں، اس میں چینی شامل کریں، چینی عمل کو جاری رکھتے چلائے ہوئے تھوڑا تھوڑا کسٹرز پیسٹ ملا کر لیا جائے گا۔ کڑھا ہونے لگے تو کریم ملا کر پھینیں، پھر ٹھنڈا ہو جانے کے لیے رکھ دیں۔ کسٹرز کے آمیزے کو چمچوں کی مدد سے لیوں میں بھریں اور بادام اور پستے چمچ کر پھین کر لیں۔

پودینہ، ہری مرچیں، لیوں کا رس، اور ک : ایک پیالی

ترکیب: دھنکی میں بوٹیاں، 112 پیالی، پیاز، لال مرچ، ہلدی، لہسن اور نمک ملا کر پکائیں۔ پیالی سے ہوا جائے تو اس میں دال اور باقی پانی شامل کر دال اور گوشت یکجان ہونے تک پکائیں۔ اس باقی اجزاء ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ مزیدار دال نمک پودینہ، ہری مرچیں، لیوں کا رس اور اور ک کر پھین کریں۔

کسٹرز فلفلڈ کریم پنس

اجزاء:

- یتھو کا گودا : دو کپ
- دہی : آدھا کپ
- ٹھنڈا پانی : آدھا کپ
- شہد : ایک چائے کا چمچ
- لیوں کا رس : ایک چمچ چائے کا
- نمک : چمچی بھر
- آئس کیوب : حسب ضرورت

ترکیب: ییلنڈر میں یتھو کا گودا، دہی، ٹھنڈا پانی، شہد، نمک اور لیوں کا رس ملا کر بلینڈ کریں، پھر اس میں آئس کیوب ڈال کر لمبی مزید بلینڈ کریں یہ بہترین لمبی بنے گی۔ پتلا کرنا چاہیں تو دہی کے ساتھ دودھ بھی اس میں ملا سکتی ہیں۔ گلاسز میں نکال لیں، چاہیں تو یتھو کے سلائس سے ڈیکورسٹ کر کے پیش کریں۔

- یشٹری کا آٹا : ایک پاؤ
- ڈیکیسٹریڈ پاؤڈر : آدھی پیالی
- دودھ : آدھا کلو + ایک پیالی
- آدھی پیالی
- ایک پیالی

سنگھار

آئی لائٹنگ لگانا آرٹ ہے

چھوٹی آنکھیں

اگر آنکھیں چھوٹی ہیں تو ان کے اندرونی کناروں میں آئی لائٹنگ لگانا کیوں کہ اس طرح یہ مزید چھوٹی دکھائی دیں گی۔ اس کے بجائے صرف پتھوں کے اوپر ایک باریک سی لائن بنائیں۔ تاہم اگر کسی خاص تقریب میں شرکت کا موقع ہو اور آپ اپنی لگ میں تبدیلی لانا چاہیں تو اس کے لیے آنکھوں کے بیرونی گوشوں پر 'ڈنگ شیپ' بنائیں اور آنکھوں میں کشادگی کا تاثر پیدا کرنے کے لیے آنکھوں کے اندر سفید یا کسی اور ہلکے رنگ کا لائٹنگ لگائیں۔

کشادہ اور ابھری ہوئی آنکھیں:

اس قسم کی آنکھوں میں لائٹنگ لگانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ پوری آنکھ کے گرد لائٹنگ باریک سی لائن بنائیں تاکہ یہ ضرورت سے زیادہ نمایاں نظر نہ آئیں۔ جب کہ آنکھوں کے اندرونی کناروں پر ذرا فوکیے انداز میں اس طرح لائٹنگ لگائیں کہ یہ گول گول نہ دکھائی دیں بلکہ قدرے شیپ میں آجائیں۔ تاہم کشادہ اور ابھری ہوئی آنکھوں میں لائٹنگ لگانے کے لیے ماہرین یہ مشورہ بھی دیتے ہیں کہ پوری آنکھ کے گرد لائٹنگ لگانی کرنے کے بجائے صرف اوچی آنکھ پر لائٹنگ لگایا جائے تو اس کا تاثر زیادہ اچھا دکھائی دیتا ہے۔

گرد آلود تھوڑا:

چھوٹے آنکھوں کے لیے پہلے اپنی آئی لائٹنگ نیشنل

آئی لائٹنگ لگانا ایک اپ پروڈکٹ ہے جسے ہر عمر کی خواتین لگانا پسند کرتی ہیں اور کسی بھی حال میں اسے لگانا نہیں بھرتیں۔ خواہ وہ کوئی اور میک اپ کریں یا نہ کریں۔ لیکن آئی لائٹنگ ضرور لگانی ہے۔ اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ آئی لائٹنگ محض ایک ہلکی سی لائن بھی آنکھوں کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہے۔

اسے لگاتے ہوئے نفاست اور مہارت سے کام لینا ضروری ہے۔ دوسری صورت میں آپ کی آنکھیں خوب صورت نظر آنے کے بجائے بد نما بھی دکھائی دے سکتی ہیں۔ آج کل انڈیا اور پاکستان کے آئی لائٹنگ مارکیٹ میں دستیاب ہیں جن میں سے کسی بھی آئی لائٹنگ کے علاوہ جیل اور پاؤڈر آئی لائٹنگ شامل ہیں۔ لائٹنگ لگانے کے انداز بھی بے شمار ہیں۔ اس کے علاوہ ایک انداز یہ ہے کہ ہر ایک کی آنکھوں کی شیپ علیحدہ ہوتی ہے۔ مثلاً لائٹنگ لگانی کرتے وقت آنکھوں کی شیپ کا خیال رکھنا چاہیے۔ آئی لائٹنگ کی بناوٹ کے مطابق آئی لائٹنگ لگانے میں مہارت حاصل کرنا آسان کام نہیں۔ کیونکہ آنکھیں جب ہی چھوٹی لگتی ہیں کہ جب آئی لائٹنگ کی بناوٹ کے لحاظ سے ان پر سٹاپ کیا ہو۔ یہاں آپ کے لیے کچھ سادہ سے طریقے پیش کیے جا رہے ہیں جن کی مدد سے آپ بڑی کشمکش آئی لائٹنگ لگانا سیکھ سکتی ہیں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ پیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✦ ایڈ فری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شرک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب

ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ہوتا ہے۔ بغیر مردار سے حاصل کیا جائے ولائجے
 ڈیڑھی سال تک کبنا جاتا ہے جلد کی خشکی دور کرنے میں
 معاون ثابت ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ اسے اپنے
 شیچو میں ملا کر استعمال کرتے ہیں تاکہ سر کی خشکی اور
 اس کی کھال پر جمع ہونے والی گندگی دور ہو جائے۔
 اس عمل سے مختلف ہیئر پروڈکٹس کے مضر اثرات بھی
 آپ کے بالوں سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس کے
 علاوہ ہمالیہ سائٹ اور اہیم ہاتھ سائٹ کے طور پر
 خاصے مقبول ہیں۔ غنٹے میں دو بار ان کا استعمال
 تروتازگی اور تواتالی حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔
 جن تچوں کو اینگزیریا اور اچھٹھائی کا پتہ ہو ان کے
 لیے بھی انہی تینوں نمکیات کا عمل بہتر سمجھا جاتا ہے۔

☆ آئی لاسٹر لگانے کے باہر کی جانب آئی لاسٹر لگاتے
 ہوئے بھی یہی طریقہ استعمال کریں۔ اس کے بعد
 اوپر والے پونے کو پکڑیں اور اس کے اوپر نفاست
 کے ساتھ ہارک لائن بنائیں۔

☆ آئی لاسٹر کو بڑے اینڈرومن میں لگانے کے
 بجائے چھوٹے چھوٹے اینڈرومن میں لگائیں۔ اس
 طرح آپ کی لائن نفاست کے ساتھ لگ جائے گی۔
 ☆ اگر آپ کی جلد بہت خشک ہے اور آپ کو
 درست طریقے سے آئی لاسٹر لگانے میں دشواری پیش
 آ رہی ہے تو آئی لاسٹر لگانے سے پہلے پونوں پر
 تھوڑی سی کوئلہ کریم لگالیں۔

☆ اگر آپ کے پاس آئی لاسٹر ختم ہو جائے تو
 اس کے بجائے آپ مسکارا کو بطور آئی لاسٹر استعمال
 کر سکتی ہیں۔ اسے لگانے کے لیے ہارک برش
 استعمال کریں۔

☆ آئی لاسٹر سٹینسل کے اوپر اگر ڈر اسٹا یا ڈوڈر
 آئی لاسٹر لگایا جائے تو اس سے آئی لاسٹر زیادہ دیر تک
 برقرار رہتا ہے اور اسٹینسل بھی خوب صورت دکھائی
 دیتی ہیں۔

☆ آئی لاسٹر سٹینسل کے اوپر اگر ڈر اسٹا یا ڈوڈر
 آئی لاسٹر لگایا جائے تو اس سے آئی لاسٹر زیادہ دیر تک
 برقرار رہتا ہے اور اسٹینسل بھی خوب صورت دکھائی
 دیتی ہیں۔

☆ آئی لاسٹر سٹینسل کے اوپر اگر ڈر اسٹا یا ڈوڈر
 آئی لاسٹر لگایا جائے تو اس سے آئی لاسٹر زیادہ دیر تک
 برقرار رہتا ہے اور اسٹینسل بھی خوب صورت دکھائی
 دیتی ہیں۔

☆ آئی لاسٹر سٹینسل کے اوپر اگر ڈر اسٹا یا ڈوڈر
 آئی لاسٹر لگایا جائے تو اس سے آئی لاسٹر زیادہ دیر تک
 برقرار رہتا ہے اور اسٹینسل بھی خوب صورت دکھائی
 دیتی ہیں۔

☆ آئی لاسٹر سٹینسل کے اوپر اگر ڈر اسٹا یا ڈوڈر
 آئی لاسٹر لگایا جائے تو اس سے آئی لاسٹر زیادہ دیر تک
 برقرار رہتا ہے اور اسٹینسل بھی خوب صورت دکھائی
 دیتی ہیں۔

☆ آئی لاسٹر سٹینسل کے اوپر اگر ڈر اسٹا یا ڈوڈر
 آئی لاسٹر لگایا جائے تو اس سے آئی لاسٹر زیادہ دیر تک
 برقرار رہتا ہے اور اسٹینسل بھی خوب صورت دکھائی
 دیتی ہیں۔